إنّ اللہ لطیف خبیر
علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی
اللطیف
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

زیرِ حمایت وسرپرستی

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری

دامت برکاتہم العالی، سجادہ نشینِ خانقاہِ حضرت قطب رحمۃ اللہ علیہ ویلور

مدیر مؤسس:

حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء

بر موقعہ جلسۂ تقسیم اسناد ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ م 15 فروری 1992ء شنبہ

زیرِ نگرانی

مولانا مولوی شاہ عثمان پاشاہ صاحب قادری عرف فصیح پاشاہ بی کام (عثمانیہ)

ادیب فاضل (مدراس) ناظمِ دار العلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی شاہ ہلال احمد صاحب قادری عرف ہلال پاشاہ صاحب

نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

زیرِ ادارت

مولانا مولوی پی محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی قادری مدرس دار العلوم لطیفیہ

مولانا مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری ادھونی مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

نمائندگانِ طلباء

۱۔ مولوی دی۔ پی۔ محمد دانیال کاوش لطیفی آمبور متعلم زمرۂ مولوی عالم

۲۔ مولوی ین۔ ابراھیم خان لطیفی پاکھالہ " " "

۳۔ حافظ سید یوسف قادری تسکتی نگر مانیٹر شعبۂ حفظ

۴۔ حافظ محمد عبد الشکور، سدا پور، رائچور (کرناٹکا) نائب " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین سالنامہ "اللطیف" سنہ ۱۴۱۲ ہجری

غزل

از: قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ

حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری المتخلص بہ قربی

ویلوری رحمۃ اللہ علیہ

پیشکش: مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری
المعروف بہ ہلال پاشاہ صاحب
نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ بمکان حضرت قطب ویلور

شکر لب ہے ترا او دل رُبا خط | دلاسا غمزوا بہجت فزا خط
ترا خط قوتِ دل قوتِ جاں ہے | نیو چیگا اسے یا قوت کا خط
صفائے سینہ ہے ہور راحتِ جاں! | مصفا رُخ کے اوپر دلکشا خط
ترا خط آیتِ منزلِ بہا کا | ہے اس آیت اُپر اعراب سا خط
بلا اوپر بلا ہے عاشقاں کوں | ترا مُکھ یک بلا دیگر بلا خط
اگر نافہ کا دل تڑکے بجا ہے | کہ رشکِ مشکِ چیں ہے بے خطا خط
ترے خط بیچ دیکھیا حسنِ حق ہیں | نہیں دیکھیا ہوں ایسا حق نما خط
جہاں کثرت نما ہے وجہِ حق پر | ترے چہرے پو ہے کثرت فزا خط

ہے قربی وحدت و کثرت ہی جامع
منوّر مُکھ پو مہ کے با صفا خط

رباعیاتِ امجد

کُلُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُم

ہماری دی ہوئی پاک چیزیں کھاؤ

لے لے کے خدا کا نام چلاتے ہیں
پھر بھی اثرِ دعا، نہیں پاتے ہیں
کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز
کرتے نہیں پرہیز دوا کھاتے ہیں

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے

بندہ ہے، مگر خدا کا دم بھرتا ہے
پروانہ ہے شمع سے نہیں ڈرتا ہے
جب ہاتھ اُٹھاتا ہے دعا میں مسلم
اپنے ربّ سے مصافحہ کرتا ہے

حضرت امجد حیدرآبادی

اسلام کا ایک دور ایسا بھی تھا کہ اہلِ علم، اہلِ تصوف ہوا کرتے تھے اور اہلِ تصوف اہلِ علم ہوا کرتے تھے گویا شریعت اور طریقت کے دونوں دھارے اپنی اپنی جگہ برابر بہہ رہے تھے اور تعلیم و تزکیہ کا تسلسل برابر جاری وساری تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ توازن باقی نہ رہ سکا۔ اور اب ایک ایسا دور آ پہنچا ہے کہ تعلیم نے تزکیہ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور تزکیہ نے تعلیم سے بے رخی اختیار کر لی ہے۔ اس افراط و تفریط کے باعث خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اور نیابت کا اہم ترین تقاضہ اور فرض جو ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ سے متعلق ہے وہ کما حقہٗ پورا نہیں ہو رہا ہے اور اب ہماری نئی نسل کے لیے سلوک و تصوف ایک اجنبی چیز اور غیر مانوس شئی بن کر رہ گیا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے کچھ افراد اس کائنات کی پنہائیوں سے واقفیت بھی رکھتے ہیں تو اُن کے قلوب و اذہان میں تصوف سے متعلق شکوک وشبہات اور منفی خیالات کا تلاطم موجود ہے۔ حالاں کہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ تصوف و سلوک اور اس کے مبادیات و متعلقات، احکام و مسائل اور تعلیمات دین میں اشیائے غیر جنس کی طرح شامل نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ امور دین کا مغز اور اس کا لب لباب ہیں۔ اکابرِ امّت نے کس قدر واضح اور دل نشین پیرایہ میں تصوف و سلوک سے متعلق شکوک و اوہام کا ازالہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

مجددِ جنوب حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور علیہ الرحمۃ اپنی معرکتہ الآرا علمی و تحقیقی تصنیف "جواہر الحقائق" میں فرماتے ہیں:

صاحبِ "الحقیقۃ المحمدیہ" شیخ وجیہ الدین گجراتی لکھتے ہیں "التصوف ھو ان یمیتک الحق عنک ویحییک بہ": یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے مٹائے اور اپنی ذات سے

ملا کر زندہ رکھے اور وہ اس طرح کہ تیری نگاہیں غیر اللہ کی جانب مرکوز نہ ہو سکیں، اسی سے صوفی کا مطلب واضح ہو چکا کہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتا ہے۔

تصوف ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق علوم دین بلکہ خلاصۂ علوم دین سے ہے کیوں کہ وہ مجتہدانِ باطن کے اجتہاد و استنباط سے مستنبط ہے اور اس کو علم باطن بھی کہتے ہیں اور علمِ ظاہر کے ساتھ اس کی نسبت بالکل اس طرح ہے جس طرح جسم کے ساتھ روح کی نسبت اور پوست کے ساتھ مغز کی نسبت ہوتی ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ ارباب تصوف کے اندرونی رازداریوں کی صفائی کی وجہ سے انھیں صوفی نام رکھا گیا اور بعض نے ان کے معاملات کی صفائی پر نظر کرتے ہوئے انھیں صوفی کہا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے صف اول میں رہنے، خیر خیرات میں آگے بڑھنے اور جلدی کرنے، طاعات و عبادات میں پوری طرح دلیری و پامردی کا ثبوت دینے والی یہی جماعت ہے۔

شیخ عبداللہ بن مبارک نے سید الطائفہ جنید بغدادی سے پوچھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں؟ فرمایا

هوالذی یکون فی وجهه حیاء وفی عینه بکاء وفی قلبه صفاء وفی لسانه ثناء وفی یده عطاء وفی وعده وفاء وفی نطقه شفاء

اس کے چہرے سے شرم و حیا ظاہر ہو، اور اس کی آنکھیں روتی ہوں اور اس کے قلب میں صفائی ہو اور اس کی زبان پر ثناء و تعریف ہو اور اس کے ہاتھوں میں بخشش و عطا ہو اور وہ وعدہ وفا ہو اور اس کی زبان میں شفا ہو۔

صاحبِ "آداب المریدین" نے فرمایا کہ صوفی کے اخلاق و عادات میں سے یہ ہے کہ اس کے اندر عاجزی وانکساری، نصیحت و خیر خواہی اور شفقت و محبت ہو اور وہ لوگوں کا بوجھ اٹھاتا ہو اور ان کے ساتھ میل جول اور ربط و ضبط رکھتا ہو اور ان کے ساتھ خوش خلقی، خوش طبعی اور محبت و الفت سے پیش آتا ہو اور ان کی غلطیوں کو معاف کرتا ہو۔ اور ان کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرتا ہو اور ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہو۔ جاہ و مال کی بخشش و عطا کو اپنا تا ہو اور اپنے آپ کو کمتر اور دوسروں کو برتر جانتا ہو اور ان کی تعظیم و تکریم کرتا ہو اور ہر چھوٹے بڑے پر رحم و کرم کرتا ہو اور ظالموں کے حق میں بھی دعائے خیر کرتا ہو۔

جنوبی ہند کی ممتاز و معروف، علمی و عرفانی اور ادبی شخصیت حضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری ویلوری علیہ الرحمہ کی ان تصریحات و تشریحات کو بھی ملاحظہ کیجیے جو انھوں نے اپنی مختصر فارسی تصنیف "لب السلوک" میں بیان کیا ہے: فرماتے ہیں:

سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم عقائد اور علم فقہ بقدر ضرورت حاصل کرے اور قول و فعل اور اخلاق و عقیدہ میں شریعتِ مطہرہ کے مطابق رہے اور عقل کی پیروی چھوڑ دے۔ کیوں کہ اکثر گم راہ فرقے خاص طور پہ شیعہ اور معتزلہ عقل کی پیروی سے گم راہ ہوئے ہیں۔ اور اپنے عیوب و نقائص میں اس طرح مشغول رہے کہ دوسروں کے عیوب و نقائص کی جانب اس کی نظریں نہ اٹھیں۔ اور اپنے آپ کو حقیر و کم تر سمجھے اور کسی پر اپنی برتری و فوقیت ظاہر نہ کرے۔ اور کام میں سچائی اور بات میں صفائی لازم رکھے اور ہمیشہ حق بات کے تابع رہے اور خلوصِ دل کے ساتھ فقراء و مساکین اور غریبوں و حاجت مندوں کی خدمت کرے۔ اور بُرے لوگوں کی صحبت میں نہ رہے۔ یعنے ایسے اشخاص سے جو قول اور فعل اور اخلاق و عقیدہ میں شریعت مطہرہ پر قائم نہ ہوں۔ نیک اور صالح لوگوں کی صحبت میں رہے کیوں کہ صحبت اثر کرتی ہے۔ مرشدِ کامل کو تلاش کرے۔ جب اس کو پالے تو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح جو حضرت خضر علیہ السلام کے زیر حکم چلے۔ مرشد کامل تو وہی ہے جو شریعت کو طریقت کے ساتھ جمع کرے اور ظاہر و باطن میں آئمہ مجتہدین کا تابع رہے اور کسی معاملہ میں ان کا مخالف نہ رہے۔ اور نہ ان کا انکار کرے۔ اس لیے کہ امام مالکؒ نے فرمایا:

کل حقیقۃ ردتہا الشریعۃ فہی زندقۃ: ہر وہ بات جس کو شریعت رد کر دے پس وہ گمراہی اور زندقیت ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن یتصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن جمع بینہما فقد تحقق۔

جس نے علم شریعت حاصل کیا اور تصوف نہیں سیکھا وہ فاسق ہو گیا۔ جس نے علمِ تصوّف حاصل کیا اور شریعت کا علم نہیں سیکھا وہ زندیق ہو گیا۔ جس نے شریعت اور تصوف دونوں کا علم حاصل کیا وہ کامیاب محقق ہوا۔

اور بزرگانِ کرام کو اپنے اوپر قیاس نہ کرے اور ان کو دین و دنیا کے معاملات میں اپنے جیسا خیال نہ کرے اور ادب ہمیشہ ملحوظ رکھے اور اپنی طاقت کے مطابق لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے

اور مرشد سے تعلیم و تربیت اوراذ کار و اشغال سے سرفراز ہو کر زبان و دل اور روح و سر کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔ اور اسی کی جانب مائل اور متوجہ رہے۔

مذکورہ توضیحات، تشریحات اور تعبیرات کے مطالعہ اور جائزہ کے بعد یہ حقیقت منکشف اور عیاں ہو جاتی ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے اہلِ ایمان کو جن اعمال کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور جن افعال سے اجتناب کرنے کی تاکید فرمائی ہے تصوّف اور ارباب تصوف نے بھی اپنے اپنے مخصوص پیرایہ میں اہل ایمان سے ان ہی امور کی تلقین کی ہے اور حقیقی صوفیائے کرام نے کبھی بھی شرک اور گمراہ کن بدعات کی تائید نہیں کی ایک صاحبِ بصیرت صوفی نے تو یہاں تک کہہ دیا علمنا مشیدة بالکتاب والسنه: ہمارا علم (تصوف) قرآن و حدیث سے مربوط اور منسلک ہے۔ اس طرح انھوں نے ایک اصول اور ضابطہ مقرر کر دیا کہ جو امور و اشغال کتاب و سنّت سے متصادم اور ان کی روح کے خلاف ہیں ان کا تعلق علمِ تصوف سے نہیں ہے

دنیائے تصوّف کے اسرار و غوامض اور حقائق و دقائق کا محرم راز پیران پیر شیخ جیلانی رح سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کتاب و سنّت سے وابستگی، بدعات و محدثات سے کنارہ کشی، اوامر کی تعمیل نواہی سے احتراز اور شرعی احکامات سے متعلق آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ جو اصحاب شریعت و رجال طریقت کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

سلامتی کتاب اللہ اور سنّت رسول ص کے ساتھ ہے اور ان دونوں کو پس پشت ڈالنے میں ہلاکت ہے، اور ان ہی دونوں کے ذریعہ بندہ ولایت اور قطبیت کے درجہ تک ترقی کرتا ہے۔ مومن کے لیے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل کرے۔ دوسری یہ کہ ممنوعات سے بچتا رہے۔ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے راضی رہے۔ ایک مومن کے لیے کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ ان تین چیزوں سے خالی نہ ہو۔ (فتوح الغیب)

ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں:

تصوف کی بنیاد اسی پر ہے کہ آداب شریعت کی پوری پوری پابندی رہے۔ حرام اور مشتبہ چیزوں سے دست کشی کی جائے اور غفلتوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقت گزاری کی جائے۔ حضرت بشر حافی نے کہا: میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ ص نے ارشاد فرمایا: اے بشر! تمہیں معلوم ہے اللہ

تعالیٰ نے تمہارے معاصرین میں سے تمہاری اتنی عزت افزائی کیوں کی ؟ عرض کیا کہ : نہیں معلوم ۔ ارشاد فرمایا : میری سنّت کی پیروی ، اللہ والوں کی خدمت گزاری ، اپنے بھائیوں کی خیر خواہی اور میرے صحابہؓ واہلِ بیتؓ کے ساتھ محبت والفت کی وجہ سے اللہ نے تمہیں ابرار وصالحین کے مرتبہ پر فائز کیا ۔ (رسالہ قشیریہ)

اس بات کا ہمیں بھی اعتراف ہے کہ قرآنِ کریم میں تصوف یا صوفی کا لفظ نہیں ہے لیکن اس کی معنویت تو موجود ہے اور ہر صاحبِ عقل و بصیرت جس نے بھی قرآن وحدیث کا گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قرآن نے تزکیہ کی جو بات کہی ہے اور حدیث نے احسان کی جو بات کہی ہے ان دونوں کی روح اور ان کا لب لباب تصوف و سلوک میں موجود ہے ۔ اس مقام پر صاحبِ "شفاء العلیل" مولانا مولوی خورم علی کا یہ بیان پڑھ لیا جائے ، جس سے صوفیانہ اشغال و افعال کی نوعیت اور دین میں ان کی شرعی حیثیت نمایاں ہوتی ہے ۔ فرماتے ہیں :

بعض نادان کہتے ہیں کہ صوفیاء کے مخصوص اشغال صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں نہ تھے تو یہ بدعتِ سیئہ ہوئے ۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے صوفیاء یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آرہا ہے ۔ گو طریقے اس کی تحصیل کے مختلف ہیں ۔ فی الحقیقت اولیائے طریقت مجتہدینِ شریعت کے مانند ہیں ۔ مجتہدین شریعت نے استنباطِ احکامِ ظاہرِ شریعت کے اصول مقرر کئے اور اولیائے طریقت نے باطنِ شریعت کی تحصیل کی اور قواعد مقرر کئے ۔ ہاں ! البتہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو صفائیِ طبیعت کے باعث اور ذات رسالت مآبؐ سے اکتسابِ فیض کے باعث ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی ۔ لیکن متاخرین کو زمانۂ رسالت سے بُعد کے باعث ان اشغال کی حاجت ہوئی ۔ جیسے صحابۂ کرامؓ کو قرآن وحدیث کی فہم میں صرف و نحو کے قواعد کی حاجت نہ تھی اور اہلِ عجم اور موجودہ عرب اس کے محتاج ہیں ۔

شارع علیہ السلام کی ایک بہت ہی مشہور و معروف حدیث ہے : الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب : جس میں کہا گیا ہے کہ اعمال و افعال کی صحت و درستگی کا انحصار قلب کی صحت و درستگی پر موقوف ہے اور اعمال میں فساد و خرابی قلب میں خباثت و گندگی کے باعث پیدا ہوتی ہے ۔ اسی نبویؐ نکتہ کے پیشِ نظر اربابِ تصوّف نے ساری توجہات اور تمام تر مساعی کا مرکز و محور انسان کے قلب کو قرار دیا تاکہ خیر و شر کے اسی

مصدر کو فضائل سے آراستہ اور رذائل سے پاک کیا جائے۔ صوفیائے کرام کی ان ہی کوششوں کا ثمرہ تھا کہ قلوب کو صالحیت نصیب ہوئی اور اس کی بدولت صالح اعمال کے جلوے ہر سو نظر آنے لگے۔ لیکن آج انسان نے مادی حیثیت سے تو بڑی بڑی ترقیاں حاصل کر لی ہے۔ لیکن وہ روحانیت اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے یکسر خالی اور عاری ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا واحد سبب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان صرف اپنے ظاہر کو سنوارنے میں منہمک و مصروف ہو کر رہ گیا اور اپنے باطن کی تزئین سے غافل ہو گیا جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انسان کی زندگی چین و سکون، راحت و آرام اور سکینت و طمانیت سے محروم ہو گئی۔ آج وقت کا اہم ترین تقاضہ یہی ہے کہ انسان کے اندر اس کی انسانیت کو بیدار کیا جائے اس کے بعد ہی زندگی میں انسانیت اور اخلاق کے جلوے روشن و تاباں دکھائی دیں گے۔ اور ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی باہر کی دنیا میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ صوفیاء کی اخلاقی و روحانی اور انسانی تعلیمات سے ایک طرف عام انسانوں کو بہرہ ور کیا جائے تو دوسری طرف مسلمانوں میں کتاب و سنّت کی تعلیم و اشاعت کے ساتھ ساتھ اصلاحِ قلب، تصفیۂ باطن اور تطہیرِ نفس کا کام بھی وسیع پیمانہ پر انجام دیا جائے تاکہ ہماری نئی نسل میں وہ اوصاف پیدا ہو جائیں جن کا مطالبہ قرآن نے تزکیہ کی راہ سے کیا ہے تو حدیث نے احسان کے ذریعہ کیا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے: ؎

خوشا مسجد و مکتب و خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قالِ محمدؐ

●

اسلام ہر زمانے میں اپنے ماننے والوں کی رہ نمائی کرتا رہا ہے اور ہر حال میں حیاتِ دارین کے ایک ایک جزئیات کی عقدہ کشائی فرما کر ان کو سکونِ قلب و روح عطا کرتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دامنِ اسلام میں اپنی زندگی سنوارنے والے ہمدردانِ انسانیت نے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے مختلف مقامات پر جا کر آستانۂ الٰہی سے کوسوں دُور پڑی ہوئی مخلوقِ خدا کو جس کا ہر ہر لمحہ نقصان و خسران کی تاریکیوں میں گزرتا تھا فوز و فلاح کی حقیقی راہ بتائی اور فطرتِ صالحہ کے آئینہ میں نورِ الٰہی کا مشاہدہ کرایا اور اس کی قربت حاصل کی قوتِ پرواز عطا کی۔ انھیں نفوسِ قدسیہ میں سے خاندانِ اقطابِ ویلور بھی ہے، جنھوں نے اس سرزمین میں آکر انھیں حقیقتوں کو سمجھانے کے لیے اعلائے کلمۃ الحق کے بلند کرنے میں اپنی متاعِ زندگی کے بھینٹ کی بھی پروانہ کی۔ اگر پرواہی تو صرف یہی کہ انسان اپنے مقصدِ حیات کو سمجھے اور فطرتِ صالحہ کے آئینہ میں نورِ الٰہی کا مشاہدہ کرے۔

تقریباً تین ۳۰۰ سو برس سے اب تک اس مقدس خاندان کا ہر فرد اس حقیقت کو بتاتا رہا ہے اور حقیقی فوز و فلاح کے ساتھ مخلوقِ الٰہی کو آستانۂ الٰہی کی جانب بلاتا رہا۔

آغازِ سال

۱۱ر شوال المکرم سنہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۱ر ماہ اپریل سنہ ء مدرسۂ ہذا کا تعلیمی سال شروع ہوا۔ امسال بھی حسبِ عادت کثیر تعداد میں نئے طلباء کا داخلہ لیا گیا۔ جس میں ہندوستان کے مختلف ریاستوں کے تشنگانِ علم شامل ہیں۔ خدا انھیں علم و عمل سے بہرہ ور فرماوے — آمین !!

افتتاحی اجلاس

انجمنِ دائرۃ المعارف کا مقصد طلبا میں تقریری صلاحیت بڑھانے اور صحیح معنوں میں تبلیغِ دین کرنے کے لیے ہے۔ مذکورہ انجمن کا ہفتہ میں دو نشستیں ایک شب جمعہ دوسری روزِ جمعہ ہوا کرتی ہے حسبِ دستور اس سال بھی انجمن کا سالانہ افتتاحی جلسہ عالی جناب حضرت مولانا سید شاہ عثمان قادری صاحب عرف سید شاہ فصیح پاشاہ صاحب ایم۔اے، ناظمِ دار العلوم لطیفیہ، مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ جس میں عالی جناب حکیم مولانا مولوی قاری سید شاہ افسر پاشاہ صاحب مالک شفاء ڈسپنسری گڑیاتم کو مدعو کیا گیا۔ موصوف نے بہت جامع و بلیغ انداز میں طلبا سے خطاب فرمایا۔

"عزیز طلبۃ العلوم! دینی علوم جس کے لیے زبانِ عربی کی تحصیل ضروری ہے کسی طرح غفلت نہ برتیں بلکہ اس کی ضرورت و اہمیت تمام علوم و فنون سے بڑھ کر سمجھیں اور اس کے لیے جہاں تک ممکن ہو عملی طور سے جدوجہد کریں۔ جو لوگ علم دین کی طلب میں جدوجہد کرتے ہیں وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہیں۔ مسائلِ دینیہ اور علومِ عربیہ کی تحصیل میں تحقیق، تفقہ اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ محض کورانہ تقلید سے نہ کبھی عقدہ کشائی ہوئی ہے اور نہ ہی کسی مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔"

آپ کے بعد عالی جناب مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ صاحب قادری عرف سید فصیح پاشاہ قادری صاحب یم اے، ناظمِ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز نے اپنے دل چسپ انداز میں طلبا اور اہلِ جلسہ سے خطاب فرمایا: آپ نے علمِ دین کی فضیلت پر گہر افشانی کرتے ہوئے فرمایا: اہل علم کی صحبت اور ان کا قرب بھی انسان کے لیے نجات کا ذریعہ ہے علمائے کرام کی صحبتیں لوگوں کو دین و دنیا میں سرخروئی اور کامیابی سے سرفراز کرتی ہے۔ پھر آپ نے طلبائے عزیز کو اُن کے آنے کا مقصد کی طرف توجہ دلائی اور اُن کو جدوجہد اور جانفشانی کے ساتھ حصولِ علم میں مشغول رہنے کی نصیحت فرمائی۔ آخر میں آپ نے مہمانِ خصوصی اور اہلِ مجلس کا شکریہ ادا فرمایا۔

بحمد اللہ! یہ ادبی تقریب پوری کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

دورۂ حدیث

مورخہ ۲۰؍ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۶؍ ماہِ مئی ۱۹۹۱ء بروز دوشنبہ صحیح بخاری شریف اور صحیح

مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز خانقاہ عالیہ میں تقدس مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی دعاؤں سے ہوا۔ نیز مورخہ ۲۵ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ بروز دوشنبہ موصوف کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

دار التصنیف والاشاعۃ

اس سال شعبۂ ہذا سے کئی ایک تراجم منظر عام پر آرہے ہیں۔ حسبِ سابق امسال بھی حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمۃ کی تصنیفِ انیف "فصل الخطاب بین الخطاء والصواب"، چند فوائد کا ترجمہ، اور آپ ہی کے مکتوب جو مختلف مسائل پر مشتمل ہے۔ نیز حضرت شاہ حیدر ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف خوارق پر مشتمل "خوارقِ حیدریہ" کے چند نسخے مع ترجمہ افادۂ ناظرین کے لیے منظر عام پر لایا جارہا ہے۔

اسبابِ صحت

دارالعلوم کے میدان میں بعد نمازِ عصر مختلف گیمس کا انتظام ہوتا ہے۔ والی بال، بیٹ منٹن، ٹنی کائٹ کبڈی وغیرہ طلبا کی صحت اور دل و دماغ کو تر و تازہ رکھنے اور وہ ان کھیلوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

نویدِ مسرت

امسال یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل میں اکثر طلبا شریک رہے۔ بحمد اللہ انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

امتحانات دارالعلوم

مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۳ ماہِ آگست ۱۹۹۱ء بروز شنبہ ششماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی زیرِ نگرانی میں ہوئے۔ اور ۲۵ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ سے دارالعلوم کے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور ایک ہفتہ تک جاری رہے۔

عبا پوشی اور اعطائے اسناد

فضیلت مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی، سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے زیرِ صدارت ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

بروز دوشنبہ دار العلوم کا سالانہ اجلاس اچھے پیمانے پر منعقد ہوا جس میں قابل ترین علمائے کرام مدعو تھے قرآن و نعت خوانی کے بعد اہلِ مجلس سے علمائے کرام نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنے دست فیض رساں سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست منعقد ہوئی جس میں درسیات، مقالہ نویسی، مقابلۂ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلبا کو انعامات سے نوازا گیا۔ نیز دار العلوم کے عہدیداران کو ان کی خدمات کے صلے میں انعامات دئے گئے۔

ھدیۂ تشکر

ہم مدیرانِ مسئول، مضمون نگار حضرات اور مولانا مولوی سید شاہ عبد الجبار صاحب قادری جنھوں نے فصل الخطاب کے ترجمہ کی تصحیح فرمائی اور جناب محمد شریف صاحب برکاتی آمبور جنھوں نے کتابت کی اور جناب سید علیم الدین علیم صبا نویدی صاحب مدراس نے اپنی نگرانی میں طباعت کا کام انجام دیا۔ نیز ان تمام اطبار کا بھی جنھوں نے وقتاً فوقتاً طلبا اور اساتذۂ کرام کی صحت کا بھرپور خیال رکھتے ہوئے تشخیص فرمایا ادارہ ان تمام مخلصین کا تہ دل سے مشکور و ممنون ہے۔

ہم خالقِ بے نیاز سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور ان سب محبانِ دار العلوم کو سعادتِ دارین سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ ●

بقیہ صے 156 کا "والطیبون للطیبٰت"

کی تمام چیزیں متاع ہیں اور اس میں خیر کی چیز صالح عورت ہے اور یہ اسی وقت مل سکتی ہے جب ہم خود بھی صالح ہوں۔

کبوتر با کبوتر باز با باز
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

جواہر القرآن
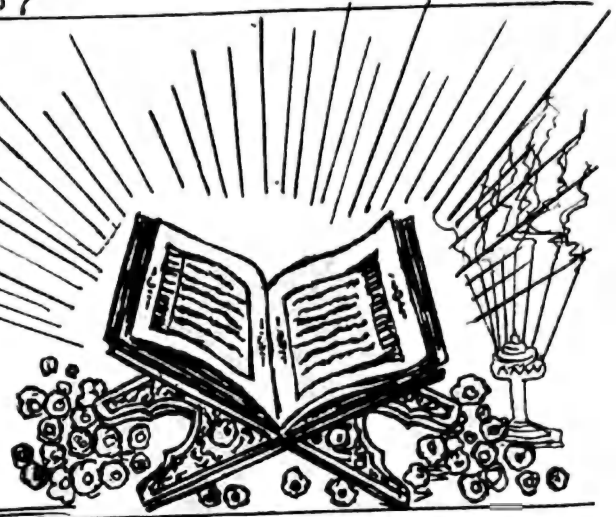
مولوی حافظ ابوالنعمان شاہ محمد بشیر الحق قریشی قادری

[تیسری قسط]

ایک دوسرے مقام پر آل عمران میں یہ تشریح موجود ہے: و یعلمه الکتٰب والحکمة والتوراة و الانجیل ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن اللہ وابرئ الاکمه والابرص واحی الموتی باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذالک لایة لکم ان کنتم مؤمنین۔

اور اے مریمؑ! اللہ اس ہونے والے لڑکے کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا۔ نیز توراۃ اور انجیل کا اور اُسے بنی اسرائیل کی طرف بہ حیثیتِ رسول کے بھیجے گا۔ اور اس کی منادی یہ ہوگی کہ دیکھو! میں تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہارے لیے مٹی سے ایسی چیز بنادوں جو پرندکی صورت رکھتی ہے پھر اس میں پھونک ماردوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے۔ اور اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کردوں۔ اور مُردوں کو زندہ۔ اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرکے جمع کرتے ہو سب تمہیں بتلادوں۔ اگر واقعی تم اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو یقیناً ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی ہی نشانی ہے۔

و تکلم الناس فی المھد وکھلا (مائدہ) اور تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گہوارہ میں بھی اور بڑی عمر میں بھی کہ مجمعوں میں منادی کرتے تھے۔

مسیحؑ کی تعلیمات

قرآن کریم کے ایک سرسری مطالعہ سے بھی یہ حقیقت پوری طرح نکھر کر ہمارے سامنے آسکتی ہے کہ تمام انبیاء کرام کی تعلیمات میں وحدت کا رنگ اور یکسانیت موجود ہے۔ اور سبھی حضراتِ کرام بنیادی اصول و عقائد توحید و وحدانیت، الوہیت و ربوبیت، نبوت و رسالت، حشر و نشر، جزا و سزا اور جنّت و دوزخ وغیرہ میں متفق و متحد ہیں۔ چناں چہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ آپؐ کی جانب جن تعلیمات کی وحی کی جارہی ہے وہی انبیائے سابقین کو بھی کی گئی ہیں۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا : (النساء : ۱۶۳)

اور ہم نے ابراهیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اُن کے صاحب زادوں اور عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ ہارونؑ اور سلیمانؑ کو وحی کی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی۔

اس اعتبار سے حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کو دیگر انبیائے کرام کی تعلیمات کی تفسیر و تعبیر اور اُن کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے تو یہ بات حق بجانب ہوگی۔ اس سلسلہ میں قرآنی ارشادات ملاحظہ ہوں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آل عمران ۵۰، ۵۱)

اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ اس کتاب (توراۃ) کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلی نازل ہوئی تھی۔ اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعض ایسی چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس نبوت کی دلیل لے کر آیا ہوں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اطاعت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ لہٰذا اس کی بندگی اختیار کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (الزخرف : ۶۳)

اور جب حضرت عیسیٰؑ معجزات لے کر آئے تو انہوں نے لوگوں سے کہا: میں تمہارے پاس علم و حکمت کی پونجی لے کر آیا ہوں تاکہ بعض وہ مسائل و امور جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کروں تاکہ اختلاف اور اشتباہ دور

ہو سکے۔ اللہ سے ڈرو اور اطاعت کرو۔

وقفینا علیٰ اٰثارھم بعیسی ابن مریم مصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ واٰتینہ الانجیل فیہ ھدی ونور ومصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ وھدی وموعظۃ للمتقین (المائدہ:۴۶)

اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق فرماتے تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق فرماتی تھی اور وہ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورٰۃ ومبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھذا سحر مبین (الصف: ۶)

اور یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں اور رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور ان کا اسم گرامی احمدؐ ہے۔ پھر جب احمدؐ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے تو کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔

وحیٔ محمدیؐ کے ان دلائل و شواہد سے واضح ہے کہ حضرت مسیحؑ کوئی دین جدید اور شریعتِ مستقل لے کر اس دنیا میں تشریف نہیں لائے بلکہ دینِ موسوی کی تجدید اور قوم یہود کی اصلاح کے لیے آنجناب کی بعثت ہوئی۔ اس حقیقت کو خود مسیحؑ نے بھی بیان فرمایا۔ اور آپؑ کا یہ بیان انجیل متی اور لوقا میں موجود ہے۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توراۃ یا نبیوںؑ کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"

حضرت مسیحؑ نے بھی اپنی دعوت کو قوم بنی اسرائیل تک ہی محدود رکھا اور عالمگیر پیمانے پر اس کی تبلیغ کا اہتمام نہیں فرمایا۔ اور اپنے اصحاب کو بھی یہی تاکید فرمائی کہ تم اپنی تبلیغی و اصلاحی جد وجہد قوم یہود کے گمراہ و ضال اشخاص تک ہی محدود رکھو۔ چناں چہ آپؑ کا یہ ارشادِ گرامی انجیل متی میں موجود ہے۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں ہی کے پاس جانا"

عیسائیوں کے عقائد و افکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور پیرو بڑی حد تک ان ہی تعلیمات اور ہدایات پر قائم رہے جن کی تلقین

حضرت مسیحؑ نے کی تھی۔ آپؑ کے آسمان پر زندہ اٹھا لیے جانے کے بعد عیسائیوں میں حیرت انگیز طور پر اعتقادی اور عملی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ چناں چہ حضرت مسیحؑ کے معجزانہ ولادت، علماء و احبار کی غلط تعبیرات و تشریحات، دین میں غلو و تشدد اور غیر مسیحی عقائد و نظریات کی آمیزش سے یہ سارے اجزاء مل کر ایک نیا مذہب وجود میں آگیا۔ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم کی ان آیتوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔ جن میں ان کے عقائد و آراء کی نشان دہی اور ان کے معتقدات کی اصلاح و تردید موجود ہے۔

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصٰری المسیح ابن اللہ ۔ (التوبۃ : ۳۰)

یہودیوں نے کہا عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم وقال المسیح یٰبنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم۔ انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار وما للظٰلمین من انصار لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلٰثۃ ۔ وما من الٰہ الا الٰہ واحد ہ وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم ہ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم ہ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلن الطعام انظر کیف نبین لھم الاٰیٰت ثم انظر انی یؤفکون ہ قل اتعبدون من دون اللہ ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعا واللہ ھو السمیع العلیم ہ (المائدۃ : ۷۲ــ۷۶)

بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جنھوں نے یہ کہا مسیحؑ ابن مریمؑ ہی خدا ہے۔ حالاں کہ خود مسیحؑ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بے شک جو شخص بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا ایسے شخص پر اللہ جنت کو حرام کردے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ایسے ظالموں کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین معبودوں میں کا ایک ہے۔ حالاں کہ بجز ایک کے کوئی معبود نہیں اور اگر یہ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں گے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔ پھر کیوں یہ اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے ہیں۔ اور اس سے اپنے گناہ نہیں بخشواتے اللہ تو غفور اور رحیم ہے۔

مسیحؑ ابن مریمؑ تو صرف ایک پیغمبر ہیں اور ان سے پہلے بھی تو پیغمبر گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں۔ یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ غور تو کیجیے! ہم ان لوگوں کے سامنے کس طرف صاف صاف اور واضح دلائل

بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھیے تو سہی وہ الٹے پیر کدھر جا رہے ہیں۔

آپؐ ان سے فرما دیجیے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو ضرر پہنچانے کی مالک ہے اور نہ نفع پہنچانے کی مالک ہے۔ اور اللہ وہی ہے جو سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

ان آیات میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی جا رہی ہے کہ مسیحؑ، روح القدس اور اللہ یا مسیحؑ، مریمؑ یا اللہ یہ تینوں خدا ہیں۔ یا خدائیت میں پوری طرح شریک و سہیم ہیں۔

اور حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ ماجدہ کا اکل و شرب کی طرف احتیاج ظاہر کرکے یہ بتلایا گیا کہ کھانا پینا یہ مخلوق کی صفات ہیں۔ پھر بھلا یہ کیوں کر خدا ہو سکتے ہیں۔ اب ایک دوسرے مقام پر قرآن شریف نے تہدید آمیز لہجہ میں یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگ کس طرح مسیحؑ کو خدا کہہ دیتے ہو۔ اگر اللہ انھیں ہلاک کرنے پر آمادہ ہو جائے تو پھر کون ہے جو انھیں بچا سکے؟ گویا مسیحؑ کے عجز کے اظہار کے پیرایہ میں ان کی عبدیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعاً وللہ ملک السموٰت والارض وما بینھما یخلق ما یشآء واللہ علی کل شیئ قدیر۔ (المآئدۃ: ۱۷)

بے شک کافر ہوئے جنھوں نے کہا اللہ تو وہی مسیحؑ ابن مریم ہے۔ آپؐ فرما دیجیے اگر اللہ مسیحؑ اور ان کی والدہ مریمؑ اور زمین میں جتنے آباد ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کیا کوئی ذات ہے جو اللہ تعالیٰ سے ذرا بھی ان سب کو بچا سکے۔ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب پر سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔

اور قرآن کریم نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کبھی اپنی الوھیت کا اعلان نہیں کیا بلکہ انھوں نے تو اپنی عبدیت کے اظہار کو کبھی عار نہیں سمجھا اور نطق و گویائی حاصل ہونے کی عمر سے پہلے ہی اپنی عبدیت کا اظہار کیا:

قال انی عبد اللہ اٰتٰنی الکتٰب وجعلنی نبیاً۔ (مریم: ۳۰)

مسیحؑ نے بچپن ہی میں فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملٰئکۃ المقربون ومن یستنکف عن

عبادتہٖ ویستکبر فسیحشرھم الیہ جمیعاً وأما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبھم عذاباً الیماً۔ (المائدہ: ۱۷۲)

خود مسیح ہرگز خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں کریں گے اور نہ ہی مقرب فرشتے کبھی عار کریں گے۔ جو شخص بھی اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اپنے پاس حساب و کتاب کے موقعہ پہ جمع کرے اور جنھوں نے بھی عار کیا اور تکبر کیا تو ان کو دردناک عذاب دے گا۔

سورۃ النساء میں عیسائیوں کو غلو فی الدین اور مذکورہ عقائد سے توبہ کرنے اور اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت ان الفاظ میں دی گئی ہے۔

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہٗ القٰھا الی مریم وروح منہ فآمنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلٰثۃٌ انتھوا خیراً لکم انما اللہ الٰہ واحد سبحٰنہٗ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکفٰی باللہ وکیلا ۰ (النساء: ۱۷۱)

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی شان میں غلط بات نہ کہو۔ بے شک مسیح ابن مریمؑ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا۔ اور اللہ کی طرف سے ایک جان دار چیز ہیں۔ اللہ پہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اس بات کو ترک کر دو کہ خدا تین ہیں (مسیحؑ، مریمؑ، روح القدس یا اللہ) یہی تمہارے لیے بہتر ہے کہ بے شک اللہ ایک ہی ہے۔ اور وہ صاحبِ اولاد ہونے سے منزہ اور عاری ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی ملک ہے اور اللہ کارساز ہونے میں کافی ہے۔

کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا مفہوم

مذکورہ آیت کریمہ میں حضرت مسیحؑ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے خطاب سے نوازا گیا ہے

یہ دونوں کلمات بھی مسیحؑ کی ملّت کے لیے چیستان بن کر رہ گئے اور وہ اس کے معنی و مفہوم کی تعئین و تشریح اور تعبیر میں غلطی اور غلو کا شکار ہو کر رہ گئی۔ ایک بزرگ معاصر مفسر قرآن کی تشریح ملاحظہ ہو:

"مریم کی طرف کلمہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے رحم پہ یہ فرمان نازل فرمایا کہ کسی مرد کے نطفے سے سیراب ہوئے بغیر حمل کا استقرار قبول کر لے۔" عیسائیوں کو ابتدائً مسیح علیہ السلام

کی پیدائش بے پدر کا یہی راز بتایا گیا تھا۔ مگر انھوں نے یونانی فلسفہ سے گم راہ ہو کر پہلے لفظ کلمہ کو کلام یا نطق کا ہم معنی سمجھ لیا۔ پھر اس کلام و نطق سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفتِ کلام مراد لے لی۔ پھر یہ قیاس قائم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس ذاتی صفت نے مریم علیہا السلام کے بطن میں داخل ہو کر وہ جسمانی صورت اختیار کی جو مسیحؑ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس طرح عیسائیوں میں مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا اور غلط تصوّر نے جڑ پکڑلی۔ کہ خدا نے خود اپنے آپ کو یا اپنی ازلی صفات میں سے نطق و کلام کی صفت کو مسیحؑ کی شکل میں ظاہر کیا۔

یہاں مسیحؑ کو روح منہ (خدا کی طرف سے ایک رُوح) کہا گیا ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے۔ ایدنہ بروح القدس (ہم نے پاک رُوح سے مسیحؑ کی مدد کی) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو وہ پاکیزہ روح عطا کی تھی جو بدی سے ناآشنا تھی۔ سراسر حقانیت اور راست باز تھی۔ اور سرتاپا فضیلت اخلاق تھی۔ یہی تعریف آں جناب کی عیسائیوں کو بتائی گئی تھی۔ مگر اس میں انھوں نے غلو کیا۔ روح من اللہ کو عین روح اللہ قرار دے لیا۔ اور روح القدس کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی روح مقدس تھی۔ جو مسیحؑ کے اندر حلول کر گئی تھی اس طرح اللہ اور مسیحؑ کے ساتھ ایک تیسرا خدا روح القدس کو بنا ڈالا گیا۔ یہ عیسائیوں کا دوسرا زبردست غلو تھا۔ جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ لطف یہ ہے کہ آج بھی انجیل (متی: باب ۱: آیت نمبر ۲۰) میں یہ فقرہ موجود ہے۔

دو فرشتے نے اسے (یعنی یوسف نجار کو) خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف بن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے پاس آنے سے نہ ڈر، کیوں کہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے"

ان دونوں الفاظ کے باب میں صاحب معارف القرآنؒ نے مفسرین کرام کے متعدد اقوال کو نقل کیا ہے ان میں ایک قول یہ بھی ہے:

"امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچّہ کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک عامل نطفہ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا کلمہ "کُن" فرمانا۔ جس کے بعد وہ بچّہ وجود میں آتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حق میں چوں کہ پہلا عامل منتفی ہے اس لیے صرف دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپؑ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ مادی اسباب کے واسطہ کے بغیر صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے اس صورت میں القاھا الی مریم

کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچا دیا، جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آ گئی۔"

بعض نے فرمایا: عرف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شئے کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہو تو مبالغہ کے لیے اس پر روح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں چوں کہ کسی باپ کے نطفہ کا دخل نہیں تھا اور وہ صرف اللہ جل شانہٗ کے ارادہ اور کلمہ "کن" کا نتیجہ تھے اس لئے اپنی طہارت ونظافت میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اس وجہ سے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہا گیا اور اللہ کی طرف نسبت ان کی تعظیم وتشریف کے لیے ہے۔"

مسیحی دنیا کے لیے ایک سب سے بڑی مصیبت اور آفت یہ رہی کہ اس کے اکثر علما اور مشائخ گم راہ اور گم راہ کُن رہے جنھوں نے اپنی ہوا وہوس اور دنیا کی خاطر اس دین سماوی کو سبوتاژ کر دیا۔ اور یہ بھی عظیم المیہ سے کم نہیں کہ ملّت نے ان ہی احبار ورہبان اشخاص کو اپنا رب بنا لیا۔ قرآن کریم ناطق ہے: ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیھم۔ (الحدید: ۲۷)

انہوں نے خود ہی رہبانیت (ترک دنیا) کو ایجاد کر لیا۔ ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔ (التوبۃ: ۳۴)

اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کے اکثر علماء ومشائخ لوگوں کے مال ناحق اور باطل طریقہ سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔ وما امروا الا لیعبدوا اللہ الٰھا واحدا لا الٰہ الا ھو سبحٰنہ عما یشرکون۔ (التوبہ: ۱۲)

یہود ونصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء ومشائخ اور مسیحؑ کو بھی رب بنا رکھا ہے۔ حالاں کہ ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے صرف ایک معبود کی بندگی کریں جس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس کی ذات شرک سے پاک وصاف ہے۔

حاصل کلام! عیسائیوں کے عقائد وافکار، خیالات ونظریات اور اعمال وافعال سے متعلق قرآن کریم

کا یہ ایک مختصر حقیقی جائزہ تھا۔ یہ بھی کتنی عبرت خیز بات ہے کہ عیسائیوں نے جس ذاتِ اقدس کو عین اللہ روح اللہ، ابن اللہ، انسانیت والوہیت کا پیکر مجسم قرار دے کر عبادت کیا کرتے تھے اور آج بھی اس کی بندگی کا دم بھر رہے ہیں لیکن یہی ذاتِ قدسی صفات روزِ قیامت خالق کائنات کے سامنے عیسائیوں کے قول وعمل سے اپنی برأت وعلاحدگی کا اقرار کرنے والی ہے۔ یہ فیصلہ بھی وحیٔ محمدی کے الفاظ میں پڑھ لیجیے۔

وانقال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانك مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلته فقد علمته تعلم مافی نفسی ولااعلم مافی نفسك انك انت علام الغیوب ۝ ماقلت لھم الاما امرتنی به ان اعبدوا اللہ ربی وربکم کنت علیھم شھیدا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شئ شھید ۝ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم ۝ (المائدہ: ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸)

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفار نصاریٰ کو سنانے کے لیے فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو میری ماں کو خدا کے علاوہ معبود قرار دو۔ تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: اے خدا! تیری ذات پاک وصاف اور شریک وسہیم سے منزہ ہے بھلا میں ایسی بات کیسے کہوں گا جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو یقیناً آپ کو معلوم ہوگا۔ آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں۔ اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے آپ اس کو بتلائے بغیر نہیں جانتا۔ آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا، صرف وہی بات جو آپ نے مجھ سے کہنے کے لیے فرمایا۔ وہ یہی کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اور میں جب تک ان کے درمیان رہا ان سے خبردار رہا پھر آپ نے جب مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان کی خبر رکھنے والے تھے۔ اور آپ ہر چیز سے خبردار ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف کر دیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

(جاری)

● مولوی حافظ ابو النعمان بشر الحق قریشی قادری، استاذ دارالعلوم لطیفیہ، ویلور

"جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں"

اسلام کی ایک اہم ترین تعلیم یہ ہے کہ اس کے متبعین امانت دار، دیانت دار رہیں اور اُن کے اوپر جس کا جتنا حق ہے اس کو بے کام وکاست دے دیں اور اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی وغفلت اور خیانت نہ کریں۔ اور مسلمانوں پر دو قسم کے حق ہیں۔ ایک خالق کا حق، دوسرا مخلوق کا حق۔ خالق کا حق یہ ہے کہ اس کی نازل کردہ شریعت جو ہمارے پاس ایک امانت ہے اس کے مطابق عمل کے ذریعہ اپنے مالک کا حق ادا کریں اور مخلوق کے حقوق کی تفصیل وتشریح سے قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں۔ اگر ہم ان حقوق کو ادا نہیں کرتے ہیں تو خائن، گناہ گار اور عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ قرآن کریم میں نیک اور سچے مسلمان کا وصف یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ امانت دار اور اپنے کئے ہوئے عہد وپیمان کے پابند ہوتے ہیں: والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون (المعارج) اور سارے نبیوںؑ کا یہ وصف ہے کہ وہ امین ہیں۔ انی لکم رسول امین (الشعراء) اور حضورؐ کی امانت ودیانت کا یہ عالم تھا کہ نبوت ملنے سے پہلے آپؐ اپنے نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں زیادہ امین کے لقب سے مشہور تھے اور آپؐ کے دوست تو دوست بلکہ سخت ترین مخالف ومعاند شخص بھی آپؐ کی امانت داری اور سچائی وصفائی کا معترف اور قائل تھا۔ اور دوست دشمن سبھی اشخاص آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ اور آپؐ اپنی زندگی کے نازک اور سخت ترین لمحات میں بھی ان کی امانتوں کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ کسی انسان کی زندگی میں ترک وطن اور ہجرت سے بڑھ کر انتشارِ ذہنی اور اضطرابِ قلبی کا موقعہ اور کیا ہو سکتا ہے لیکن آپؐ ایسے نازک وقت پر بھی حضرت علیؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم مکہ مکرمہ میں رہو اور لوگوں کو اُن کی امانتیں لوٹا کر یثرب چلے آؤ۔

امانت کو عام طور پر روپیہ اور پیسہ کے لین دین تک ہی محدود سمجھا جاتا ہے لیکن احادیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اس کا دائرہ زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے۔ چناں چہ احادیث میں ہے کہ کوئی شخص آپ سے مشورہ طلب کرے تو اس کو صحیح اور مفید مشورہ دینا اور اس مشورہ کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا بھی امانت ہے المستشاد بالامانۃ اور اگر کسی کو کسی کا راز معلوم ہو تو اس کو افشاء نہ کرنا بھی امانت ہے۔ اور اگر کسی پر کوئی ذمہ داری عائد ہو تو اس کو پوری طرح ادا کرنا بھی امانت ہے۔ اور مجلسوں میں ہونے والی باتیں جن کے افشاء و اظہار سے ضرر و نقصان اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کو پوشیدہ رکھنا بھی امانت ہے۔ المجالس بالامانۃ اور کسی عہدہ و منصب کو اس کے اہل اشخاص کے حوالے کرنا بھی امانت ہے اور عورتیں بھی شوہروں کے پاس امانت ہیں۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں خصوصیت کے ساتھ شوہروں کو یہ تاکید کی گئی کہ تم عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کیوں کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت اور عہد کے ساتھ اپنی زوجیت میں لیا ہے۔ قرآنِ کریم نے صاف الفاظ میں صراحت کی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے حوالے کر دیا کرو: ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا۔ (النساء) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس میں امانتوں میں جان کر بددیانتی کرو۔ یاایھا الذین اٰمنوا لاتخونوا اللہ والرسول و تخونوا امٰنٰتکم وانتم تعلمون (انفال)

طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ جس کو عہد کا پاس نہ ہو اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کسی بندہ کا دین اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک اس کا دل درست نہ ہو... اور جو کوئی ناجائز راہ سے مال پائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہیں دی جائیگی۔ اور اگر اس میں سے خیرات کرے گا تو قبول نہ ہوگی اور اس میں جو بچ رہے گا وہ اس کے دوزخ کی طرف سفر کا توشہ ہوگا۔ بُری چیز کا کفارہ نہیں بن سکتی۔ البتہ اچھی چیز، اچھی چیز کا کفارہ ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یکون بعدھم قوم یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولایؤتمنون وینذرون ولایفون ویظھر فیھم السمن (بخاری جلد ثانی: باب مایحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس فیھا)

ارشاد نبویؐ ہے کہ سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد جو آئے گا، پھر جو اس کے بعد آئے گا، پھر

ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ بن بلائے گواہی دیں گے۔ خیانت کریں گے۔ امانتداری نہیں کریں گے۔ نذر مانیں گے تو پوری نہیں کریں اور شریعت کے معاملہ میں سستی اور لاپرواہی کا اظہار کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو نشانیاں بتلائی ہیں اُن میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگوں میں امانتداری باقی نہ رہے گی۔ اور نااہل اشخاص منصبوں اور عہدوں پر فائز رہیں گے کنز العمال کی حدیث ہے: سب سے پہلے اس امّت میں امانت کا جوہر جاتا رہے گا اور سب سے آخر میں جو چیز رہ جائے گی وہ نماز ہوگی اور کتنے نمازی ہیں جن کی نمازوں کا کوئی اجر اللہ کے پاس نہیں۔

ایک موقعہ پر ارشادِ نبوی ہوا: میری امّت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال نہ سمجھے۔ اور زکوٰۃ کو جرمانہ تصوّر نہ کرے۔ صحیح بخاری جلد دوم باب رفع الامانۃ میں امانت ختم ہونے سے متعلق حضرت حذیفہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے: حدثنا حذیفۃ قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثین رایت احدھما وانا انتظر الآخر حدثنا ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن علموا من السنۃ و حدثنا عن رفعھا قال ینام الرجل النومۃ فتقبض الامانۃ من قلبہ فیظل اثرھا مثل اثر الوکت ثم ینام النومۃ فتقبض فیبقی اثرھا مثل المجل کجمر دحرجتہ علی رجلک فنفط فتراہ منتبرا ولیس فیہ شیٔ فیصبح الناس یتبایعون ولا یکاد احد یؤدی الامانۃ فیقال ان فی بنی فلان رجلا امینا ویقال للرجل ما اعقلہ وما اظرفہ وما اجلدہ و ما فی قلبہ مثقال حبۃ خردل من ایمان: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو باتیں سُنی تھیں ایک کو تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا۔ دوسری یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: امانتداری لوگوں کے دلوں میں اُتری پھر انھوں نے قرآن و حدیث سیکھا۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں پھر نبیٔ کریم صلعم نے اس امانت کے مٹ جانے کا حال بھی بتایا۔ فرمایا: پھر یہ حال ہوگا کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی۔ اور اس کا ایک ہلکا پھلکا سا نشان رہ جائے گا۔ اور پھر سوئے گا تو امانت چلی جائے گی اور ایک آبلہ کی طرح کا داغ رہ جائے گا۔ جو اُٹھ تو جاتا ہے مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ ایسے ہو جائیں گے کہ لین دین کریں گے لیکن کوئی امانت دار نہ ہوگا۔ اس وقت امانت داری کی مثال ایسی کمیاب ہو جائے گی کہ لوگ مثال کے طور پر کہیں گے کہ فلاں قوم میں ایک شخص امانت دار ہے۔ آدمی کی تعریف و تحسین ہوگی کہ کیسا عقلمند، کیسا خوش مزاج اور کیسا بہادر ہے۔ حالاں کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

بخاری شریف جلد ثانی کے مذکورہ باب میں یہ ارشاد نبوی ہے جس کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے کہ:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال کیف اضاعتھا یارسول اللہ قال اذا اسند الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ ۔ جب لوگوں میں امانت ختم ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو ۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اللہ کے رسولؐ امانت کیوں کر اور کیسے ختم ہو جائیگی ارشاد ہوا جب کسی نا اہل کو کوئی عہدہ اور منصب سونپ دیا جائے ۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ امانت ہی زندگی کی روح ہے جب کسی معاشرہ میں امانت و دیانت کا مزاج ختم ہو جاتا ہے تو معاملات، فرائض، حقوق اور لین دین ساری چیزوں میں بد دیانتی اور خیانت سر اٹھاتی ہے اور عنداللہ مسئولیت واحتساب اور سزا کا احساس ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور اس قسم کی نفسیات اور کیفیات سے تشکیل پانے والا شخص دنیا میں تو مال ومنال اور منصب واقتدار کا مالک بن جاتا ہے لیکن آخرت کا مفلس بن جاتا ہے ۔ چناں چہ ایک موقع پر نبی کریمؐ نے صحابہؓ کرام سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ مفلس کون ہے؟ عرض کیا: اللہ کے رسولؐ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے جس کے پاس روپیہ اور پیسہ نہ ہو، وہی مفلس ہے ۔ اس پر ارشاد نبویؐ ہوا: میری امت کا مفلس وہ نہیں جس کے پاس مال ومنال اور اسباب زندگی نہ ہوں بلکہ میری امت کا مفلس وہ ہے جس نے نماز پڑھی، روزہ بھی رکھا لیکن کسی کو گالی دی، کسی کی عزت ریزی کی، کسی کا مال غصب کیا ۔ آخرت میں ایسے شخص کو اللہ تعالی کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس سے لوگ اپنے اپنے حق کا مطالبہ کریں گے ۔ اس وقت اللہ تعالی اس کے بارے میں یہ فیصلہ فرمائیں گے کہ اس شخص کی تمام نیکیاں نکال کر حقوق مانگنے والوں میں تقسیم کی جائیں اور یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا ۔ یہاں تک کہ اس کی ساری نیکیاں ختم ہو کر رہ جائیں گی لیکن ابھی حقوق مانگنے والے باقی رہ جائیں گے ۔ ایسی صورت میں یہ فیصلہ ہوگا کہ ان لوگوں کے گناہ نکال کر اس شخص کے نامۂ اعمال میں ڈال دیے جائیں ۔ اور اس کے بعد اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا ۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! دنیا سے اس حال میں رخصت ہو جاؤ کہ تمہارے کندھوں پر کسی کا بوجھ نہ رہے ۔ خوب یاد رکھو! آخرت کی وہ دنیا ہوگی جہاں نہ درہم ودینار ہوں گے اور نہ ہی کوئی شخص اپنا حق معاف کرنے کے لیے تیار ہوگا ۔ اس حدیث کی تائید اور تفسیر عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث موقوف بھی کرتی ہے ۔ جس کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مسند احمد کے حوالے سے سیرۃ النبیؐ جلد ششم میں نقل کیا ہے ۔

خدا کی راہ میں مارا جانا امانت کے سوا ہر گناہ کا کفارہ ہے ۔ قیامت کے دن بندہ کو لایا جائے گا اگرچہ وہ راہِ خدا میں شہید ہی ہوا ہو اور کہا جائے گا کہ تم امانت لاؤ اور ادا کرو ۔ وہ کہے گا: خداوندا! اب کیسے لاؤں؟ دنیا تو ختم

ہو چکی ۔ کہا جائے گا اس کو دوزخ کے طبقہ ہاویہ میں لے جاؤ ۔ وہاں امانت کی چیز مثال بن کر اصلی صورت میں سامنے آئیگی تو اس کو دیکھ کر پہچان لے گا ۔ اور اس کا پیچھے کرے گا ۔ یہاں تک کہ اس کو پکڑ لے گا اور اس کو اپنے کندھوں پر لاد کر لے چلے گا جب دوزخ سے نکلنا چاہے گا تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا اور وہ پھر اس کے پیچھے ہمیشہ ہمیشہ گرتا چلا جائے گا۔

پھر انہوں نے فرمایا نماز امانت ہے، وضو امانت ہے ۔ تول بھی امانت ہے ۔ ناپ بھی امانت ہے اور بھی بہت سی چیزیں گنا کر فرمایا اور ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے ۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث حضرت براء بن عازب صحابی کو سنائی تو انھوں نے تصدیق کی اور فرمایا: کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا (نساء) بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کر دیا کرو۔

قرآن وحدیث کی ہدایات اور تعلیمات کا کامل و مکمل عملی نمونہ اولاً تو خاتم النبیینؐ کی ذاتِ اقدس رہی ثانیاً حضرات صحابۂ کرامؓ کی ذوات مقدسہ بھی ان کی پیکر رہیں ۔ زمانۂ خیر القرون کے بعد کے ادوار بھی امانت کی نظیروں سے یکسر خالی نہیں رہے اس سلسلہ میں ایک دو مثالیں پیش ہیں جن کے مطالعہ سے یہ احساس ضرور ابھرے گا کہ موجودہ عہد ایسی نظیریں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تاریخ عامری میں ہے کہ حضرت مبارک ایک ترک تاجر کے باغ میں ملازم تھے ایک روز مالک آیا اور ان سے کہا کہ انار توڑ لاؤ اور دیکھو کہ وہ ترش رہے ۔ آپ باغ میں تشریف لے گئے اور ایک انار توڑ لائے ۔ مالک نے انار چکھا تو بیٹھا تھا ۔ کہا میں نے تو تمہیں ترش انار لانے کو کہا تھا ۔ حضرت مبارک نے فرمایا: میرے آقا! مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس درخت کے انار ترش ہیں اور کس درخت کے انار شیریں ہیں ۔ اس جواب پر مالک اور بگڑ گیا اور کہنے لگا: تم عرصۂ دراز سے اس باغ کی باغبانی کر رہے ہو کیا تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ باغ میں کن درختوں سے ترش انار نکلتے ہیں اور کن درختوں سے شیریں انار اترتے ہیں ۔ اس پر حضرت مبارک نے عرض کیا: میرے آقا! مجھے واقعی معلوم نہیں ہے ۔ مالک نے غصہ سے کہا: اگر تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ حضرت مبارک نے فرمایا آپ نے مجھے اس باغ کی حفاظت و نگرانی کے لیے رکھا ہے ۔ کبھی آپ نے باغ کے انار چکھنے اور کھانے کی اجازت تو نہیں دی ہیں تو وہی کام انجام دیتا ہوں جس کے لیے آپ نے مجھے تقرر کیا ہے۔

حضرت مبارک کی اس عدیم النظیر امانت و دیانت سے باغ کا مالک اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنی

صاحب زادی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ الولد سر لابیہ (بیٹا باپ کی صفات کا وارث ہوتا ہے) کی یہ کیسی انوکھی مثال دیکھنے میں آئی کہ اس امانت دار بزرگ حضرت مبارک کی پشت سے ایک ایسا فرزند (عبداللہ) منصب شہود پر جلوہ افروز ہوا جس کو اسلامی دنیا ایک عظیم محدث اور بلند پایہ فقیہ کے نام سے جانتی ہے۔ آپ کی امانت داری اور دیانت داری کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ اپنے وطن مرو سے شام تشریف لے گئے۔ جہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد اپنے شہر واپس لوٹے تو دیکھا کہ ان کے پاس کسی صاحب کا قلم موجود ہے۔ یاد کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے شام میں ایک شخص سے تھوڑی دیر کے لیے مانگ لیا تھا۔

عبداللہ بن مبارک نے فوراً سامانِ سفر درست کیا اور ہزاروں میل دور کے شہر شام کی طرف روانہ ہو گئے اور اس شخص کو بڑی تلاش و جستجو کے بعد پایا تو قلم اس کے حوالے کرتے ہوئے معذرت پیش کی کہ قلم لوٹانے میں دیر ہو گئی۔ کیوں کہ میں مرو چلا گیا تھا اور آپ کا قلم میرے سامان میں رہ گیا تھا۔ آدمی نے جب قلم لے لیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے خیانت سے بچا لیا۔

دوسروں کی حاصل کردہ چیزوں اور امانتوں کو لوٹا دینا تو کسی حد تک سہل اور آسان ہے لیکن جہالت و غفلت، ظلم و ستم، لوٹ مار، اور چوری کی راہ سے حاصل کی ہوئی چیزوں کو اُن کے مالکوں تک لوٹا دینا کس قدر مشکل اور دشوار ہے۔ یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی دنیا میں آئے جنھوں نے توبہ کی توفیق نصیب ہونے کے بعد جور و ستم اور ظلم و تعدی سے حاصل کی ہوئی چیزوں کو ان کے مالکوں تک پہنچانے کی سعی و کوشش کی۔ گویا یہ چیزیں اُن کے پاس امانتیں تھیں جو اہلِ امانت تک پہنچانا اپنا فرض اولین تصور کیا۔ ولی کامل عارف باللہ خواجہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت سے کون واقف نہیں ہے۔ ابتدا میں آپ ڈاکو تھے اور بدمعاشوں کے بہت بڑے گروہ کی قیادت کرتے تھے۔ زندگی رات دن لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں گزر رہی تھی۔ ایک مرتبہ کسی قافلہ پر حملہ آور ہوئے تو ہر کوئی اپنے اپنے مال و اسباب اور اپنی اپنی جان و آبرو کی حفاظت میں بھاگے پھر رہا تھا اور ڈاکو اپنی اپنی جھولیاں بھر رہے تھے۔ خواجہ فضیل جب ایک خیمے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص اس قیامتِ صغریٰ سے بے خوف پورے اطمینان و سکون کے ساتھ کچھ پڑھنے میں مصروف ہے۔ آپ اندر داخل ہوئے تو کانوں میں یہ الفاظ پہنچے۔ الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ (حدید) کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کی عظمت اور جلال سے

لرز اٹھیں۔ قرآن کریم کے ان مقدس کلمات کو سننا ہی تھا کہ حضرت فضیل کی دل کی دنیا بدل گئی اور خاموشی کے ساتھ الٹے پیر خیمہ سے باہر نکل آئے اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر زار وقطار رونے لگے اور اسی وقت صدق دل کے ساتھ توبہ کی

'خزینۃ الاصفیاء' میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کے بعد خواجہ فضیل کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ شہر شہر گاؤں گاؤں گھوم پھر کر قافلہ والوں کا پتہ لگاتے اور جن جن کا مال لوٹا تھا ایک ایک چیز انھیں واپس کر دیتے اور ہر ایک سے معافی مانگتے تھے۔

امانت سے متعلق علامہ محمد بن عبدالباقی حنبلی کا یہ واقعہ بھی بہت ہی دل چسپ ہے جس کو خود انہوں نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کو ابن عماد نے علامہ ابن رجب حنبلی کے حوالہ سے طبقات میں نقل کیا ہے۔ بیان فرماتے ہیں ـــ 'میں مکۃ المکرمہ میں مقیم تھا۔ ایک دن یہ صورت پیش آئی کہ میرے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اور بھوک سے میرا حال نڈھال تھا۔ میں اسی حال میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک بٹوہ پڑا ہوا نظر آیا۔ میں نے اس کو اٹھا لیا۔ اور اپنے کمرہ میں لاکر کھولا تو دیکھا کہ اس میں موتیوں کا خوب صورت ہار ہے۔ اس کو کمرہ میں رکھ کر باہر چلا آیا تو دیکھا کہ ایک شخص اعلان کر رہا ہے کہ میرا بٹوہ گم ہوگیا ہے جس میں موتیوں کا ہار ہے۔ جس کسی کو ملا ہے میرے حوالے کر دے تو میں اس کا بہت ممنون اور مشکور رہوں گا اور پانچ سو اشرفیاں انعام دوں گا۔

یہ سن کر میں اس آدمی کو بلایا اور اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔ بٹوہ، ہار اور موتیوں کی تعداد وغیرہ سے متعلق دریافت کیا تو اس نے جو کچھ بتلایا وہ ساری علامتیں موجود تھیں۔ میں نے اسی وقت وہ بٹوہ اسے دے دیا۔ وہ بے حد مسرور ہوا اور حد درجہ شکریہ ادا کرتے ہوئے پانچ سو اشرفیوں کی تھیلی مجھے پیش کیا۔ اس وقت میرے ضمیر نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس سے اس عمل کا معاوضہ لیا جائے۔ میں نے شکریہ کے ساتھ اشرفیوں کی تھیلی لوٹا دی۔ لیکن وہ مسلسل اصرار کرنے لگا بالآخر میں اپنے انکار پر قائم رہا۔ وہ مجبور ہو کر چلا گیا۔ حالاں کہ اس وقت میری حالت بہت ہی خستہ تھی۔ زندگی فقر وفاقہ میں بسر ہو رہی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد میں مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ جہاز کا سفر کر رہا تھا کہ اچانک سمندر میں طغیانی پیدا ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے طوفان اس قدر شدید اٹھا کہ جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور سارے مسافر غرقاب ہوگئے۔ اور میں تنہا زندہ بچ گیا۔ اور ایک تختہ کے سہارے سمندر کے کنارے ایک جزیرے کے ساحل پر پہنچ گیا۔ اور آبادی میں چلا گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ ایک مسجد پر نظر پڑی۔ اسی میں جا کر ٹھہر گیا۔ جب لوگ نماز کے لیے آئے تو مجھ سے حال دریافت کیا۔ میں نے اپنی ساری سرگذشت بیان کی جو مجھ پر گزر چکی تھی۔ لوگوں کو مجھ سے

بڑی ہمدردی پیدا ہوگئی اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ میں قاری اور عالم ہوں تو مجھ سے اور بھی مانوس ہوگئے اور مجھ سے قرآنِ کریم پڑھنے لگے اور اپنے بچوں کو بھی میرے پاس لکھنے پڑھنے کے لیے بھیجنے لگے۔ اس طرح سے میں ان لوگوں کے لیے معلم اور مربی بن گیا۔ اور یہ سارے لوگ مجھ سے غیر معمولی محبت کے ساتھ پیش آنے لگے۔ اس طرح مجھے کافی مالی امداد حاصل ہونے لگی اور ان کی الفت و شفقت یہاں تک بڑھ گئی کہ انھوں نے مجھے متاہل کر کے اپنے ہی پاس رکھ لینے کا فیصلہ کرلیا اور ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ ہمارے یہاں ایک خوب صورت مال دار یتیم لڑکی ہے ہم اس کی شادی کسی اچھے اور نیک مسلمان سے کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری نظروں میں آپ ہر اعتبار سے موزوں اور مناسب ہیں۔

جب میں یہ بات سنا تو اولاً انکار کیا لیکن جب سبھی لوگوں نے اصرار کیا تو ان کی درخواست کو مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ نکاح کے بعد جب حجلۂ عروسی میں پہنچا تو یہ دیکھ کر میری نگاہیں کھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ اس دلہن کے گلے میں وہی بیش قیمت موتیوں کا ہار موجود ہے جو مجھے مکۃ المکرمہ کے ایک راستہ پر بٹوہ میں ملا تھا۔ دلہن سے بات چیت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اسی شخص کی لڑکی ہے جسے میں نے یہ ہار محض اللہ کی خوشنودی کے خاطر واپس کردیا تھا۔ لوگوں سے بھی معلوم ہوا کہ لڑکی کا باپ جب حج بیت اللہ سے اپنے جزیرہ کو واپس آیا تو ہار گم ہونے اور پھر جس طرح سے وہ اس کو ملا ہے اس کا ذکر کر کے کہا کرتا تھا جس شخص سے مجھے یہ ہار واپس ملا ایسا مسلمان میں نے دنیا میں نہیں دیکھا اور وہ یہ بھی دعا کرتا تھا کہ کاش اس شخص سے میری ملاقات دوبارہ ہوجائے تو میں اپنی لڑکی کے ساتھ اس کا نکاح کردیتا۔

شیخ محمد بن عبدالباقی حنبلی ایک عرصہ تک اس جزیرہ میں رہے۔ اس کے بعد ان کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا اور اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی تھی وہ بھی قضا کرگئی تو پھر یہی ہار ان کے قبضہ اور ترکہ میں آیا جسے انھوں نے ایک لاکھ اشرفیوں میں فروخت کردیا۔ علامہ ابن رجب فرماتے ہیں شیخ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میرے پاس جو بھی مال ومنال اور اسباب دیکھ رہے ہو یہ سب اسی ایک لاکھ اشرفیوں کے سرمایہ سے حاصل ہوا ہے۔

حاصلِ کلام! امانت ودیانت اسلام کا جوہر ہے۔ جب یہ جوہر ختم ہوجائے تو اسلامی زندگی سونی سونی اور اجیرن سی ہوجاتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے امانت کو دین کا جز لاینفک قرار دیا۔ تاکہ ہر مومن اور مسلمان امانت دار اور دیانت دار رہے اور خیانت سے اپنے دامن کو بچائے رکھے۔ کیوں کہ خیانت منافق کی نشانی ہے: واذا اوتمن خان۔

وما علینا الا البلاغ ••

تصنیف

مجددِ جنوبی ہند سلطان المرشدین

حضرت العلامہ شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ

(ترجمہ و تلخیص)

مولوی حافظ ابوالنعمان شاہ بشیر الحق قریشی قادری دھونی استاذ دارالعلوم لطیفیہ

[گیارھویں قسط]

فائدہ نمبر ۲۴

نبوت اور ولایت کی نوعیت کے خواص و احکام

ادعیہ، اوراد، اذکار اور اعداد کی تعیین کا حکم!

شیخ کبیر شیخ صدرالدین قونیوی مصباح دوم کے لامع دوم میں نوعیت نبوت کے خواص اور احکام کے بیان میں تبصرہ فرماتے ہیں کہ ضابطہ کلّی (جس سے عالم ارض کا نظام منسلک رہتا ہے اور اس کو علم حدود اور احکام بھی کہتے ہیں) کا علم نبی کو کسی فرد بشر کی تعلیم و تعلّم کے واسطے کے بغیر جبرئیل کی تائید اور تعلیم کے ذریعہ حاصل رہتا ہے۔

اور اسی طرح نبی کو وہ قدرت بھی حاصل ہے جو امر الٰہی کے تحت اجسام عالم میں تصرف کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے احمر میں راستہ بنایا اور عصا کو اژدھا بنا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کر دیا۔ اور اسی طرح جو قوت عوام کو خواب کی حالت میں مغیبات کے علم و ادراک کی حاصل رہتی ہے نبی کو بیداری کی حالت ہی میں حاصل رہتی ہے۔

اور یہ تین خاصیتیں ہیں کہ علماء کے لیے ان کے علم و ادراک کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ لیکن نوعیت نبوت کے خواص دوسرے ہیں۔ اور جو اصحاب مکاشفات ہیں ان خواص کو وہ خوب جانتے ہیں۔ ان خواص میں سے افعال و اخلاق کے تشخص کی کیفیت اعمال کے نتائج اور شرائع و احکام کے اسرار ہیں۔

جیسا کہ صاحب شریعت حضور اکرم صلوات اللہ علیہ جانتے ہیں کہ دو رکعت نماز پر اجر و ثواب کی مقدار کیا ہوگی اور ایک روزہ کا ثمرہ کیا مل سکتا ہے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم جنت کے خزانوں میں ایک خزانہ کیوں کر ہے۔ اور جو شخص ایک سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھ لے تو اس کے گناہ کیوں زائل ہوتے ہیں۔ اور شب و روز میں پانچ نماز فرض ہونے کی علّت کیا ہے؟ اور جب کسی شخص سے فرض نماز فوت ہو جائے تو وہ کس قدر عقوبت و سزا کا مستحق ہوگا۔ اور سال بھر میں ایک ہی ماہ کے روزے کیوں رکھنا چاہیے اور زکوٰۃ میں ایک سال مکمل گزرنے پر بیس دینار پر آدھا دینار مستحق افراد پر کیوں صرف کرنا چاہیے اور مستحق لوگ کون ہیں

اور وہ آٹھ ہی اقسام میں منحصر کیوں ہیں۔ اور شب قدر کس لیے ہزار مہینوں سے افضل قرار پائی ہے۔ اور عرفہ کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ کیوں کر ہوگا اور ان مختلف مقداروں اور وقتوں کے تعیُن میں کیا حکمت ہے اور ان مخصوص احوال و اعمال کو آخرت کی سعادت کے ساتھ کیا مناسبت ہے اور ہر ایک نیک و بد عمل کا نتیجہ کیا ہے؟ اور وہ کیوں کر متعین ہوتا ہے۔

نیز اسی کتاب میں قونوی لکھتے ہیں:

امتِ محمدیہ کی کامل ترین جماعتِ اولیاء کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذواق، اطوار اور وضع وعلین کا ایک وافر حصّہ حاصل ہے اور ان حضرات کو ورثۃ الانبیاء اور اولیاء کہتے ہیں۔ اور درحقیقت یہی بزرگانِ دین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی، وارث اور جانشین ہیں۔ زبانِ نبوتؐ کا یہ اشارہ واشوقا الی لقاء اخوانی من بعدی (میرے بعد آنے والے میرے بھائیوں سے ہائے میری ملاقات کا شوق) بھی اس مخصوص جماعت کی جانب ہے۔ اور یہی انفاس قدسیہ علماءِ امتی کانبیاء سائر الامم (میری اُمّت کے علماء ساری اُمّتوں کے انبیاء کرام کی طرح ہیں۔) کے مصداق ہیں۔ وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون (اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔)

یہ حضرات جب بلندی کی طرف پرواز کرتے ہیں تو فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نزول فرماتے ہیں تو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

نیز اسی کتاب میں رقم طراز ہیں:

نبوت تشریع جو ختم نبوت کی وجہ سے ان حضرات کے درمیان نہ رہی اس کے سوا انبیائے کرام کے دیگر تمام اذواق اور مکاشفات سے یہ حضرات بہرہ ور ہیں۔ چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا ابابکر لیس بینی وبینک فرق (اے ابوبکرؓ میرے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مجھے نبوت عطا کی گئی۔) یاعمر لولم ابعث لبعثت (اے عمرؓ! اگر میں نبی نہ ہوتا تو تم نبی بنا دیے گئے ہوتے۔)

اور مولوی دہلوی یعنی مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی صراطِ مستقیم کے پہلے باب کی دوسری فصل میں لکھتے ہیں:

اور شرعی حدود اور سلطان حکم اور ان کے اشباح کو خود ان کی جگہ قائم کرنے اور عموماً نوع انسانی کی تربیت

کے ارکان و آداب اور شرائط و مفسدات کے تعین و تقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے اعلیٰ وارفع ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء و مرسلین میں سے اصحاب شریعت کا مقام ہے اور ان کی متابعت سے ظلّی طور پر انبیاء کرام کے فرماں برداروں میں سے بعض بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصّہ ملتا ہے جن کو قوم کی اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں۔ اور اس مقام کو ارباب تعلیم کے پیشوا اور اصحاب تفہیم کے مقتدا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں قرب الفرائض کے مقام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انتہی۔

صراط مستقیم کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:

راہ ولایت کے کمالات سے استفادہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اولیاء اللہ کے ہر طریقہ میں مجاہدات، ریاضات، اذکار، اشغال اور مراقبات متعین اور مقرر کئے گئے ہیں اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک نیا اثر پیدا کرتا ہے۔ اور ان اشغال کے ثمرات و نتائج برکد ہونے کی وجہ سے ایک امر مستتر طالب کے نفس میں پیدا ہوتا ہے اور وہ طالب اسی امر کے باعث عالم قدس سے تعلق اور ارتباط رکھتا ہے اور اس طالب کا اللہ تعالیٰ سے ارتباط کا سبب یہی امر ہے اور یہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے۔ خواہ طالب اس امر کی جانب توجہ کرے یا نہ کرے۔ ہاں! اس امر کی جانب توجہ اور ملاحظہ کرنے کی صورت میں اس کے آثار و علامات منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ورنہ طالب کے جوہر نفس میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اور صوفیاء کی اصطلاح میں اس امر کو نسبت کہتے ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص حکمت کی کتابوں کے مطالعہ پر مداومت اختیار کر لے یا دیگر صنعت و حرفت مثلاً موسیقی، آہن گری اور صباعت (رنگنا) کے پیشے پر مداومت اختیار کر لے تو اس شخص کے نفس میں ضرور ایک مدت کے بعد ایک امر مستقر پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی کو صنعت کا کمال اور ملکہ کہتے ہیں اور یہ ملکہ ہمیشہ اس شخص کے نفس میں قائم رہتا ہے۔ خواہ وہ اس کی جانب التفات کرے یا نہ کرے۔ جب یہ شخص اس ملکہ کی جانب التفات کرتا ہے اور اس کو بروئے کار لے آتا ہے تو اس کے آثار خارج میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ ورنہ پردۂ خفا میں پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ انتہی

نیز خاتمہ میں لکھتے ہیں:

اشغال، اذکار، مجاہدات اور مراقبات کی تعین و تحدید دراصل شریعت کا ظل ہے اور جو صاحب

قرب الفرائض کے مرتبہ میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ بزرگ انبیاء کی قسم سے ہوں گے تو وہ ضرور جدید شریعت کے مالک ہوتے ہیں ورنہ ان کی اصل طبیعت سے وصول الی اللہ کے طریقوں کی ساخت اور تعین کا ملکہ فوارہ کے مانند ابل پڑتا ہے اور ایسی صورت میں تعلیم و تعلم کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ انتہی

مولانا شاہ ولی اللہ "ہمعات" میں تحریر فرماتے ہیں:

ہر طریقہ کو اوراد اور نوافل طاعات کے ذریعہ اوقات کے معمور رکھنے میں ایک خاص اور مخصوص وضع ہے۔ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ نے "غنیۃ الطالبین" میں ایک وضع کا تعین کیا ہے۔ نیز مشائخ چشتیہ نے بھی ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور شیخ ابوالحسن شاذلی تو ایک حزب رکھتے ہیں اور میر سید علی ہمدانی اور اُن کے شیخ الشیوخ کے اوراد اور وظائف مشہور ہیں۔ اور امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں ایک کیفیت بیان کی ہے۔

نیز اسی کتاب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

یہ تمام طور طریقے اور اوضاع محبوب، حسن اور احسن ہیں لیکن سب سے زیادہ محبوب طریقے وہ ہیں جو صحیح احادیث کی کتابوں کے موافق ہوں۔

ان اسناد و دلائل سے مجاہدات، مراقبات، اذکار، ضربات، اوراد، معین اور غیر معین ہیئات کا محبوب ہونا اور ان کا خوب ہونا مدلل ہوچکا ہے۔ ان امور کو صوفیاء اور اولیاء نے سلوک اور اوراد کی کتابوں میں بیان کیا ہے اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے "الانتباہ" میں اور "قول الجمیل" میں بیان کیا ہے اور مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی نے "صراط مستقیم" کے تیسرے باب میں ان امور کو بیان کیا ہے۔

لیکن غالی اشخاص شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی پیروی کرنے کے دعوے کے باوجود مذکورہ امور کو بدعتِ ضلالت کہتے ہیں اور راہِ حق کے سلوک کے لیے رکاوٹ بن رہے ہیں۔

معاذ اللہ من ذالک

فائدہ نمبر ۲۵

منتر و فسوں اور اوراد نامعلوم معنی کا حکم

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج" کی جلد اول کے چھٹے باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں منتر و فسوں کا عمل کیا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ اس کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: تم اپنے منتر اور فسوں کے عمل کو میرے سامنے پیش کرو۔ اس میں کسی طرح کا شرک نہ ہو تو کرو کوئی حرج نہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منتر و فسوں کے عمل سے منع فرمایا تو بعض صحابہ کرام بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے نزدیک ایک عمل ہے جس کو ہم بچھو کا زہر دور کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے **تو اس کو** چاہیے کہ ضرور نفع پہنچائے۔

علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس عموم سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ منتر و فسوں کا ہر وہ عمل جس کی منفعت و افادیت کا تجربہ کیا گیا ہو اس کا کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس کے مطالب اور معانی معلوم نہ ہوں۔ لیکن احتیاط ایسا عمل نہ کرنے میں ہے جس کے معانی و مطالب معلوم نہ ہوں مبادا کہ اس میں کسی طرح کا شرک شامل ہو اور احتیاط کی یہ قید غیر ماثور الفاظ کے بارے میں ہے۔ ورنہ الفاظ ماثورہ جن کے مطالب اور معانی معلوم نہ بھی ہوں تو بلا شبہ جائز ہے۔ جیسا کہ بچھو کے زہر کو زائل کرنے کا یہ عمل:

بسم اللہ شِجّۃٌ قَرَنِیّۃٌ مِلحۃ بحر قفطا۔ (اس کے معنی معلوم ہی نہیں ہیں)

عوف بن مالکؓ کی حدیث سے تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہر وہ عمل جس میں شرک کی آمیزش ہو تو ناجائز ہے اور اسی طرح سریانی اور عبرانی زبان میں اسمائے الٰہی کی دعائیں جن کے مطالب و معانی معلوم نہ ہوں تو ان کو نہیں پڑھنا چاہیے۔

اور مشائخ کرام کی حکایتوں میں آیا ہوا ہے کہ ایک شخص ایک دعا پڑھ رہا تھا۔ ایک دوسرا شخص وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا۔ اس کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کو گالیاں دے رہا ہے اتفاقاً دعا کے کلمات کا مضمون ایسا ہی تھا اور وہ شخص نادانستہ پڑھ رہا تھا۔

لیکن بعض وہ کلمات اور دعائیں جو ثقہ اہلِ علم سے معلوم ہیں جیسے 'حرز یمانی' جس کا نام سیفی بھی ہے اور اس کے مانند دیگر اوراد اور وظائف کا پڑھنا مشائخ سے متواتراً چلا آرہا ہے۔ ان کے پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔) واللہ اعلم

ان اسناد اور دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ منتر وفسوں کے عمل میں اور اوراد و وظائف میں شرک ہو تو وہ ممنوع ہے اور ماثورات (وہ دعائیں جو منقول اور ماثور ہیں) جن کے معانی اور مطالب معلوم نہیں ہیں ان کا پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔

اور غیر ماثورہ دعائیں جو معتمد اور ثقہ بزرگوں سے متوارث آرہی ہیں معانی کی لحاظ سے بغیر ان کا پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ منتر وفسوں اور اوراد وظائف کے باب میں جو بات معتبر ہے وہ ہمت و ارادہ اور دل کی توجہ ہے۔

اگر الفاظ کی معانی و مطالب ہمت و ارادہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں تو یہ بات افضل اور احسن ہے ورنہ الفاظ کے معانی و مطالب کا لحاظ شرط نہیں ہے۔ اگر معانی مشروط ہوتے تو عوام کو معانی کی فہم پر قدرت ہی نہیں ہے تو کیا نماز میں اور غیر نماز میں تلاوتِ قرآن کریم اور ماثورات مثلاً التحیات، دعائے قنوت، دعائے ماثورہ، مسبعات عشر وغیرہ پر ثواب حاصل نہ ہوگا؟

اور بچھو کے زہر کو زائل کرنے کا عمل جس کی معنی ہی معلوم نہیں ہے، سرورِ عالمؐ اس کو کرنے کا حکم نہ دیتے اور علماء کی ایک جماعت ایسے کلمات جن کے مطالب معلوم نہیں ہیں، ان کے پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔

اس مسئلہ میں بھی عوام بُری طرح افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ چنانچہ حزب البحر، حزب البر، حزب النصر اور دیگر اوراد و وظائف اور غیر ماثور دعائیں جو امام نووی شیخ ابوالحسن شاذلی اور دیگر مستند علماء اور معتمد مشائخ سے متوارث چلی آرہی ہیں اور اکابر علماء اور صوفیاء میں بلا کسی رد و انکار کے سارے شہروں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ان سب کو معانی کا لحاظ کئے بغیر پڑھنے کو ناجائز کہہ رہے ہیں اور غیر ماثور دعاؤں اور وظیفوں کو جو اکابر اور علماء اور صوفیاء سے منقول ہے قربِ الٰہی اور ثوابِ اخروی کا ذریعہ نہیں سمجھ رہے ہیں۔

اور قربِ الٰہی اور ثوابِ آخرت کے اعتقاد سے اُن کے پڑھنے کو قباحات میں قبیح ترین کہہ رہے ہیں۔

فائدہ نمبر ۲۶

عاجزی وانکساری کی خوبی
نفس کی تصغیر اور کبر وخودپرستی کی برائی کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی وانکساری اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو عزت وسربلندی عطا کرتا ہے۔ ؎

آب بس بالا سے پستی کو پھرے　　　کیوں کہ پستی سے وہ بالا کو اڑے
گیہوں بالا سے گئے جو خاک میں!　　　بعدہ وہ خوشہ چالاک میں
تخم ہر میوہ زمیں میں آئے ہے　　　پھر زمیں سے سر کو باہر لائے ہیں
آسماں سے اصل نعمت تا بخاک　　　ہو گئی آکر غذائے جان پاک
چرخ سے از رہ تواضع آئے زیر　　　جزو انساں کے ہوئے زندہ دلیر
ہوگیا بس وصف مردم وہ جماد　　　اور اڑا وہ عرش کے میدان میں شاد

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نویں مکتوب میں لکھتے ہیں:

اے برادر! جماعتِ صوفیاء کی روش یہ ہے کہ یہ دوسروں کے بارے میں مکمل نیک گمان رکھتے ہیں اور اپنے بارے میں مطلق نیک گمان نہیں رکھتے اور اپنے آپ کو کسی چیز کا مستحق اور سزاوار خیال نہیں کرتے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

اسی مکتوب میں رقمطراز ہیں:

اہلِ طریق کا اجماع ہے کہ جو شخص خود کو فرعون سے ذرہ برابر بھی بہتر خیال کرے وہ فرعون سے بدتر ہے۔ ایسا شخص اس طائفہ کی نظروں میں ہنوز متکبر ہے کیوں کہ اس کے اندر خودپرستی کے جذبات موجود ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: فلا تزکوا انفسکم: اپنے نفوس وذوات کی تعریف اور ستائش نہ کرو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اذا احب اللہ عبدا بصّرہ فی عیوب نفسہ:
جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اس کی نظریں صرف اپنے نفس کے عیوب پر مرکوز رہتی ہیں۔
نیز آپ ؐ نے ارشاد فرمایا :
طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس : خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اس کے عیوب نے دوسروں کی عیب چینی سے باز رکھا۔

لہٰذا کسی شخص کا اپنے عیوب کی طرف نظر رکھنا یہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ محبت اور دوستی کی علامت ہے۔ اور دوسروں کے عیوب کی طرف نہ دیکھنا یہ نیک نفسی اور اخلاقی خوبی کی علامت ہے۔

نفس کی اسی کیفیت کے باعث بزرگانِ کرام نے خود کو کتّے اور پتھر بلکہ کافر فرنگ سے بھی بدتر خیال کیا اور فرشتوں پر سبقت لے گئے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں : ؎

تواضع کند ہوش مندے گزیں — نہد شاخ پُر میوہ سر برزمیں
ازاں بر ملایک شرف داشتند — کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

عقل مند شخص عاجزی وانکساری اختیار کرتا ہے اور شاخِ پُر میوہ ہی زمین پر جھکی رہتی ہے۔ اسی عاجزی اور فروتنی کے باعث اربابِ بصیرت فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو ایک کتّے سے بھی بہتر خیال نہیں کرتے۔

اسی سے یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ غرور دپندار اور خود بینی وخود پرستی ایک مذموم خصلت ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو بہتر اور خود کو دوسروں پر مقدم و برتر خیال کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے مزاج میں ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام تکبّر ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی : اعوذ بک من نفخۃ الکبر : اے اللہ ! میں تجھ سے غرور وتکبّر اور خود بینی وخود پرستی کی ہوا سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ کیوں کہ جب یہ چیز کسی آدمی میں پیدا ہوجاتی ہے تو وہ دوسروں کو اپنے سے کم تر اور حقیر خیال کرنے لگتا ہے۔

نیز آپ ؐ نے ارشاد فرمایا، جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی غرور وتکبّر ہو وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایک ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو بزرگی اور برتری کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام بھی ظالم و جابر اشخاص کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور وہ سارے عذاب جو ظالموں اور جباروں کو پہنچنے والے ہیں اس کو بھی پہنچیں گے۔

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا: متکبر اور مغرور انسانوں کو قیامت کے روز چیونٹی کی شکل و صورت میں اٹھایا جائے گا۔ تاکہ یہ لوگوں کے پیروں تلے دبے پڑے رہیں۔ اور ان پر یہ حقیقت آشکار ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی ذلت و خواری کا کیا عالم ہے۔

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص عاجزی اور انکساری نہیں اختیار کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو عزّت و سربلندی عطا نہیں کرتا۔

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص کے سر کے پیچھے ایک لگام ہوتی ہے جس کو دو فرشتے تھامے رہتے ہیں۔ اگر وہ شخص عاجزی اور انکساری اختیار کرتا ہے تو فرشتے لگام کو اوپر کی طرف کھینچتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں: اے خداوند! اس کو رفعت و سربلندی عطا فرما اور اگر وہ شخص غرور و تکبر اختیار کرتا ہے تو لگام کو نیچے کی طرف کھینچتے ہیں اور دعا کرتے ہیں: اے خداوند! اس کو ذلّت و پستی عطا کر۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: کبر کیا ہے؟ فرمایا: حق کے سامنے گردن نہ جھکانا اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا۔

یہی وہ دو خصلتیں ہیں جو ایک بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب بن جاتی ہیں اور ان ہی دو خصلتوں کی کوکھ سے تمام برے اخلاق جنم لیتے ہیں اور آدمی تمام اخلاقِ حسنہ سے دور ہو جاتا ہے کیوں کہ جس شخص پر اپنے برتر ہونے اور اپنے نفس کے نیک ہونے اور اپنی شخصیت کے بزرگ ہونے کا مزاج غالب ہو جائے اور جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہ دوسروں کے لیے ناپسند کرے تو یہ بات اہلِ ایمان کے موافق نہیں ہے اور کسی شخص کے ساتھ تواضع کے ساتھ نہ پیش آئے تو یہ اہلِ تقویٰ کی صفت نہیں ہے۔ ایسا آدمی بغض و حسد اور دشمنی سے بچ نہیں سکتا اور غصہ پر قابو نہیں پا سکتا اور زبان کو غیبت سے محفوظ نہیں رکھ سکتا اور جو کوئی اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے نہ پیش آئے تو دل میں کدورت قائم کرلیتا ہے اور وہ شخص اس کی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ تمام برائیاں اس لیے جنم لیتی ہیں کہ متکبر شخص ہمیشہ اپنے آپ میں مست اور اپنی پرستش میں منہمک اور اپنے کاموں

کی عظمت ظاہر کرنے میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی عظمت اور بڑائی اور اپنے کاموں کی شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے مکروفریب، نفاق و شقاق اور دروغ گوئی کے دلدل میں پھنسا رہتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک ایمان کی بو نہیں سونگھ سکتا جب تک کہ وہ خود کو فراموش نہ کرے بلکہ وہ دنیاوی راحت کی بو بھی سونگھ نہیں سکتا۔

تکبّر کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ کوئی شخص علم نافع مثلاً تفسیر قرآن، احادیث، سلفِ صالحین کی سیرت اوران علوم کی اقسام جو کیمیا، اور احیاء میں مذکور ہیں پڑھ لے تو متکبّر ہو جاتا ہے اس شخص کا تکبّر میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اس کا باطن خبیث اور گندہ ہوگا اور بداخلاق اور بدکردار ہوگا اور تعلیم سے اس کا مقصد بولنا (لکچر دینا) اور اس کے ذریعہ خود کو آراستہ وپیراستہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ گناہوں سے پرہیز کرنا۔ پس جب علم اس کے باطن میں پہنچتا ہے تو اس کے باطن کی صفت اختیار کرلیتا ہے جیسے جب دوا معدہ میں پہنچتی ہے تو بیمار یا تندرست معدہ کے اخلاط کی صفت اختیار کرلیتی ہے جیسا کہ مزاج آسمان سے نازل ہونے والا شفاف پانی ایک ہی صفت کا حامل رہتا ہے لیکن جب وہ کسی پودے کے اوپر گرتا ہے تو اس کی صفت کو بڑھا دیتا ہے۔ اگر وہ پودا تلخ صفت کا حامل ہے تو اس کی تلخی میں اضافہ کردیتا ہے اور اگر وہ شیریں صفت ہو تو اس کی شیرینی میں اضافہ کردیتا ہے۔

حضرت عباس رضؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ مگر پھر بھی کہیں گے وہ کون ہے جو ہماری طرح قرآن پڑھ سکے اور کون ہے جو اتنے معلومات رکھتا ہو، جتنے ہم رکھتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے صحابہ رضؓ کی طرف نظر کی اور فرمایا: وہ لوگ تم میں سے ہوں گے یعنی میری امّت میں سے ہی ہوں گے۔ مگر وہ تمام دوزخ کا چارہ ہونگے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مغرور اور متکبّر علماء نہ بنو۔ کیوں کہ اس وقت تمہارا علم تمہارے جہل کے ساتھ وفا نہ کرے گا۔ اور اللہ تعالےٰ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزی اور فروتنی اختیار کرنے کے لیے کہا ہے: واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين۔

اور یہ حکم ربّانی عالم کے لیے عظیم ترین حجت ہے اور اس کی آزمائش بھی زیادہ ہے کیوں کہ ایک بے علم کی لغزش نظر انداز کی جاتی ہے لیکن ایک عالم کی لغزش قابل فرگذاشت نہیں ہوتی۔ لہذا ایک عالم کی معمولی غلطی بھی عظیم ترین غلطی شمار ہوگی۔

ایک عالم کی ذمہ داریوں اور خطرات سے متعلق حدیثوں میں جو باتیں آئی ہوئی ہیں ان پر غور و تامل کرنا چاہیئے۔ اللہ نے قرآن کریم میں ایک عالم کو جو اپنے علم پر کوتاہی اور تقصیر کرنے والا ہو ایک گدھے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی پشت پر کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے: کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ اور ایک کتے کے مانند قرار دیا ہے: کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث یعنی اگر جانتا ہو اور اگر نہ جانتا ہو دونوں حالتوں میں اپنی فطرت اور طبیعت سے علاحدہ نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ کتے اور گدھے سے زیادہ خسیس اور نالائق کون ہو سکتا ہے؟ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر وہ آخرت میں نجات نہیں پا سکا تو جمادات اس سے افضل قرار پائیں گے۔ بلکہ ایسی صورت میں وہ حیوانات کے مرتبہ کو بھی کیا پہنچ سکتا ہے۔

یہی وہ منزل ہے جس کے باعث صحابۂ کرامؓ میں سے ایک صحابیٔ رسولؓ فرماتے ہیں کہ: کاش! میں ایک مرغ بن گیا ہوتا تو بہتر تھا۔ اور ایک دوسرے صحابیؓ فرماتے ہیں: کاش! میں ایک بکری ہو گیا ہوتا تو بہتر تھا تاکہ ذبح کیا جاتا اور کھایا جاتا۔ اور ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کاش! میں ایک گھاس ہو گیا ہوتا تو بہتر تھا تاکہ میں حساب و کتاب کی آزمائش اور عقاب و نجات سے آزاد رہ سکتا۔

غرض جس شخص کے پیش نظر آخرت کے خطرات اور آزمائشیں ہوں وہ کبھی غرور و پندار میں مبتلا نہیں رہ سکتا بلکہ اس کی قلبی کیفیت یہ ہوگی کہ اگر کسی شخص کو اپنے سے کم علم اور جاہل و نادان دیکھے تو کہے گا کہ یہ شخص جانتا نہیں ہے لہذا گناہ و معصیت کے معاملہ میں معذور قرار پائے گا اور یہ مجھ سے بہتر ہے اور اگر کسی شخص کو اپنے سے بڑھ کر علم و فضل والا دیکھے تو کہے گا کہ یہ تو ایسی ایسی چیزوں کا علم رکھتا ہے جن کو میں نہیں جانتا اور یہ مجھ سے افضل ہے۔

اور اگر کسی معمر بوڑھے آدمی کو دیکھے تو کہے گا کہ اس شخص نے مجھ سے زیادہ اللہ کی اطاعت و بندگی کی ہے اور یہ مجھ سے افضل ہے اور اگر کسی بچے کو دیکھے تو کہے گا میں تو بے شمار گناہوں کا مرتکب ہو چکا ہوں اور اس کا دامن گناہوں کی آلودگی سے پاک و صاف ہے اور یہ مجھ سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کافر کو بھی دیکھے تو غرور و تکبر نہیں کرے گا اور یہ کہے گا کہ ہو سکتا ہے یہ مسلمان ہو جائے اور اس کی عاقبت سنور جائے اور میرا خاتمہ کفر پر ہو جائے کیوں کہ بہت سارے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو اسلام قبول کرنے سے پہلے دیکھا

اور اُن پر تکبّر کیا اور یہ تکبّر اللہ کے علم میں ایک غلطی تھی۔

پس جب بزرگی اور عظمت آخرت کی نجات میں مضمر ہے اور یہ غیب کی چیز ہے تو ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی اپنی آخرت کی فکر میں مشغول رہے۔ تاکہ اس کے اندر کبر و نخوت پروان نہ چڑھ سکے۔

کذا فی الکیمیا ،

حاصل کلام! نیستی آئینہ ہستی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو فنا کرنا ہی بقا کا پیش خیمہ ہے۔

مثنوی:

بولا تحفہ ڈھونڈا بس تیرے لیے — تیرے لائق نے ملا تحفہ مجھے
آئینہ دیکھا کہ لائق اس کے ہے — مثلِ نور سینہ لایا ہوں اسے
دیکھے تا اس میں تو روئے خوب کو! — شمعِ گردوں مثلِ خورشید جو ہے تو
آئینہ ہستی کا کیا ہے نیستی — نیستی لے گر نہ رکھے احمقی!
جس نے نقصانوں کو اپنے پالیا — وہ کمال اپنے کا بس طالب ہوا
اس لیے نے جائے سوئے ذوالجلال — ہے گماں اس کو کہ حاصل ہے کمال
کچھ مرض بدتر نہ پندارِ کمال — نشیں ہے تیری جاں میں اے بدخصال
دیدہ و دل سے تیری خوں ہو رواں — تب یہ نخوت تجھ سے ہو محو و نہاں
علّت ابلیس انا خیرٌ سے ہے — یہ مرض ہر نفس میں ہے خلق کے
گرچہ دیکھے ہے شکستہ آپ کو — آبِ صافی اور گوبر زیر جو
فلسفی جو منکرِ حنانہ ہے — انبیاء کے حِس سے وہ بیگانہ ہے
فلسفی جو منکر جو ہے شیطان سے — اس گھڑی شیطان حاوی اس پہ ہے
گر نہ شیطان دیکھا خود کو دیکھ لے — بے جنون پیشانی کب نیلی ملی
اس لیے ہنستا ہے تو شیطان پر — کہ تو جانے آپ کو عمدہ بشر
نازنیں تو ہے پر اپنی حد میں ہے — اللہ اللہ مت بڑھے مقدار سے
مار حیوانوں کو انساں کے لیے — مار انسان ہوش جاں کے واسطے
اس لیے کفار کا خون ہے روا — خون وحشی طیر کا جوں ہے روا

ان کے زن فرزند جملہ سبیل! کیوں کہ ہیں بے عقل گمراہ ذلیل
آندھی نخلوں کو ادھیڑے اصل سے اور عاجز گھانس پر احساں کرے

اس مقام پر یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عبد کا لفظ اپنے اندر بہت معانی اور مطالب رکھتا ہے۔ کبھی اس کا استعمال انسان کے معنی میں ہوتا ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: وانہ لما قام عبداللہ اور کبھی بندہ (مملوک) کے معنی میں آتا ہے چناں چہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم اور کبھی مجازاً خادم اور فرماں بردار کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک التلمیذ عبد لا یعتق الا بالموت اور حافظ دمیری صاحب حیوٰۃ الحیوان نے لفظ اِوَزّ (بط۔ مرغابی) کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنت عبدہ وخادمہ

قرآن وحدیث اور سلف وخلف کے محاورہ میں مجاز کا استعمال عام طور پر موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا۔ (۲) یذبح ابنائھم (۳) ینزع عنھما لباسھما۔ (۴) یوما یجعل الولدان شیبا۔ (۵) واخرجت الارض اثقالھا اور مومن کا یہ کہنا انبت الربیع البقل۔ جیسا کہ اس کی تفصیل معانی کی کتابوں، تلخیص، مختصر اور مطول وغیرہ میں موجود ہے۔

اور یہ بات جو مشکوٰۃ کی حدیث میں آئی ہے: لایقولن احدکم عبدی وامتی: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ یہ میرا غلام ہے اور یہ میری کنیز ہے۔ عبد کے اطلاق کی یہ ممانعت بر سبیل تحقیر ہے۔ یعنی کسی کو حقیر جانتے ہوئے غلام اور باندی نہ کہا جائے۔ چناں چہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

غلام اور کنیز کا لفظ استعمال کرنے کی ممانعت ایک تقدیر یہ ہے کیوں کہ اس کا استعمال غرور و تکبر، تحقیر و تذلیل اور تصغیر کے ساتھ ہوگا ورنہ غلام اور کنیز کے لفظ کا مطلق استعمال قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویؐ میں موجود ہے۔

امام ربّانی نے اپنے بعض مکتوبات میں خود کو اپنے شیخ خواجہ عبدالباقی کا غلام اور بندہ لکھا ہے۔ یہ

خادم اور فرماں بردار کے معنے میں ہے اور لفظ عبد عاجزی اور فروتنی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اس طرح امام موصوف نے اپنے بعض مکتوبات میں خود کو کافر فرنگ سے بھی بدتر تحریر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کلمات اور الفاظ کے ذریعہ عاجزی و انکساری اور تواضع کا اظہار مقصود ہے۔ اس مقام پر مولانا روم کی یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے جو انھوں نے اپنی مثنوی میں بیان کی ہے:

"میں اس کے سوزِ عشق کے سبب سے دیوانہ ہوں اور اس کے خیالات سے سوفسطائی کے مانند ہوں اس کو ہمنوا بنانے میں سرگرداں ہوں اور میں اس کے سوز کے باعث حیراں ہوں۔"

مولانا بحرالعلوم پہلے بیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب مسببات کو بغیر اسباب کے پیدا فرماتا ہے جو مسببات کے ان اسباب کے ساتھ مربوط رہتے ہیں اور میں جب ان اسباب کو درمیان میں نہیں دیکھ پاتا تو سودائی ہو جاتا ہوں۔ کیوں کہ وہ حقائق کو خیال تصور کرتا ہے۔ انتہی۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ حیرانی و سرگردانی کے بیان میں مولانا روم کا یہ قول عاجزی کو ظاہر کرتا ہے۔

نیز یہ بات بھی واضح ہو کہ مولانا باقر آگاہ نے اپنی تصنیف "تحفۂ احسن" میں اپنے مرشد حضرت شاہ سید ابوالحسن قربی کو جو قبلہ اور کعبہ لکھا ہے اور مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی نے "صراط مستقیم" میں اپنے مشائخ کو شیخ و مرشد مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو جو مرجع عالم لکھا ہے یہ سب مجاز کے طور پر ہے نہ کہ حقیقی معنی میں کہ اس کا قائل جھوٹا ہو جائے اور مجاز کا استعمال کتاب و سنّت اور علما و عرفاء کے محاورہ میں شائع اور ذائع ہے۔ چناں چہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس طرح کے القاب اور کلمات کا استعمال بھی عاجزی و فروتنی اور تواضع کو ظاہر کرتا ہے۔

اس مقام پر یہ مسئلہ بھی جان لیا جائے کہ بعض فقہی روایات میں لاباس بوضع الخدین آیا ہوا ہے چناں چہ "شمائل الاتقیاء" کے مصنف جامع الصغیر غیاثی کی روایت سے نقل کرتے ہیں: لاباس بوضع الخدین بین یدی المشائخ۔ مشائخ کرام کے سامنے جبہ سائی میں کوئی حرج نہیں۔ صاحب "النہایہ" نے لکھا ہے کہ امام رملی نے جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ اولیاء اللہ کے آستانوں کو تبرک کے خیال سے بغیر کسی کراہت کے بوسہ دے سکتے ہیں۔ صاحبِ "مصباح الانام" فرماتے ہیں۔ علامہ سبکی شافعی اپنی وسعتِ علم اور اپنے مقام کی عظمت کے باوجود دارالحدیث میں اپنے رخساروں کو گھستے تھے۔ شاید کہ امام نوویؒ کے پڑے ہوئے قدموں کی جگہ پر ان کے رخسار مَس ہو سکیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں: لعلی ان امس بحر وجھی : مکاناً مسہ قدم النووی

غرض مولانا شاہ ولی اللہ محدث نے "الانتباہ" میں کشف قبر کے بیان میں رخسار رکھنے کا جو حکم

صادر فرمایا ہے وہ اسی روایت کی بنیاد پر ہے۔ اور مولانا عبد الرحمٰن جامی نے اپنے رقعات میں لکھا ہے کہ مولانا عبید اللہ احرار کی خدمت میں زمین بوسی عرض ہے۔ اور شاہ اسماعیل دہلوی نے "خاتمہ صراط المستقیم" میں خود کو سید احمد مجاہد کے آستانہ کو چومنے والوں میں شمار کیا ہے۔ ان تمام اقوال کی بنیاد بھی اسی روایت پر ہوگی اور یہ سارے خیالات اور کلمات عاجزی وفروتنی اور تواضع کو ظاہر کرنے والے ہیں۔

دونوں جماعتوں کے طاعن اشخاص ان امور و مسائل میں جانبین کے بزرگوں کو تکفیر و تضلیل کر رہے ہیں اور داد فساد و عناد دے رہے ہیں اور اس سارے افراط و تفریط کا منشار خود بینی اور خود پرستی ہے اور اپنی شخصیت کے بہتر ہونے کا دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ عاجزی و فروتنی اور تواضع کی راہ پر گامزن رہ سکیں۔ اور غرور و تکبّر اور خود پرستی کے دعوؤں سے احتراز کر سکیں انہ قریب مجیب۔

فائدہ نمبر ۲

دربابِ عشق

واضح رہے کہ عشق بہیمہ مذموم ہوتا ہے اور وہ رذایل کی فہرست میں ہے اور عشقِ نفسانی محمود ہوتا ہے اور اور وہ فنون وفضائل میں سے ہے۔ ملّا جلال الدین دوانی "لوامع الاشراق" میں فرماتے ہیں:

یہ بحث عشق بہیمی سے متعلق ہے، جس کا منشاء شہوت کی انتہا اور افراط ہوگا، لیکن عشقِ نفسانی جس کے آغاز کا مقام تناسب روحانی ہے رذائل کی فہرست میں نہیں ہے بلکہ یہ فضائل میں شامل ہے۔

نیز اسی میں رقمطراز ہیں کہ نفسانی اور بہیمی عشق کے درمیان فرق وامتیاز کرنا مشکل ہے اور ہر شخص کے اندر طبیعت کے دواعی اور شہوت کی قوتوں کے غلبہ پر قابو رکھنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ ہر بوسنا کے چہ داند جام وسندان باختن ہوا وہوس کا شکار آدمی کھرے کھوٹے اور جام وسبو کی حقیقت کیا جان سکتا ہے۔

اربابِ طریقت جو راہِ عشق کو نامرادی کے اقدام سے روندنے کی طاقت رکھتے ہیں اور موتِ ارادی کے ذریعہ جسمانی رغبتوں اور شہوانی لذتوں کو ختم کرسکتے ہیں کبریت احمر اور اکسیر سے بھی زیادہ عزیز تر ہیں۔ اور اکثر اشخاص ہوائے نفسانی کے چنگل میں گرفتار ہیں اور طبیعت کی غلامی سے آزاد نہیں وہ فسق کو عشق کا نام دے رہے ہیں اور بہیمی صفات سے متصف رہ کر کمالِ انسانی کا دعویٰ کر رہے ہیں اور شہوت کی غلامی میں مبتلا رہ کر آزادگان کے مقام کی خواہش رکھتے ہیں۔

نیز اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

وہ علامت جس کے ذریعہ نفسانی اور بہیمی عشق کے درمیان فرق وامتیاز کیا جاسکتا ہے جیسا کہ امام غزالی نے اپنی بعض تصانیف میں پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حسن وجمال سے اس طرح کی لذت پائے جس طرح کہ سبزہ زاروں اور آب رواں کے دیکھنے اور ان کے نظارہ سے پاتا ہے تو یہ شہوت کے سرد ہونے کی نشانی ہے ایسی صورت میں اس شخص کے لیے نظر کرنا جائز ہے۔ اور اگر ایسی لذت پائے جو شہوت کی تحریک کی شروعات کرسکتی ہے تو یہ شہوتِ بہیمی کی جنبش ہے۔ لہذا ایسے شخص کے لیے نظر کرنا حرام ہے۔

امام غزالی کے علاوہ دیگر حکماء نے کہا ہے عشق نفسانی میں میلان اور خواہش، حرکات و سکنات اور گفتار سے زیادہ ہوتی ہے۔ اعضاء اور تناسب اعضا کی بہ نسبت............ کیوں کہ نفس کا رجحان اور میلان جسمانیات کے مقابلہ میں روحانیات کے ذریعہ زیادہ ہوتا ہے اور عشق کے باب میں بحث اس قبیل کی نہیں ہے کہ عشق پر ادھر ادھر سے چند چیزیں جمع کر کے فریب عمل کی ادائیگی حق کی داد دی جاسکے۔ اس لیے اتنی سی بحث پر اکتفا کرتے ہوئے اصل موضوع کی جانب رجوع کیا گیا۔ راستی گفتار و کردار اور عصمت کا مالک اللہ ہی ہے۔

مولانا عبدالرزاق کاشی "شرح منازل السائرین" میں فرماتے ہیں کہ:

پاکیزہ عشق، عشق حقیقی کی تیاری میں اور راز کی بات کو لطیف بنانے میں قوی ترین سبب ہے۔ کیوں کہ وہ سارے غموں کو ایک ہی غم میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اور قلب کے انتشار و پراگندگی کو ختم کر دیتا ہے اور محبوب کی خدمت کو لذیذ بنا دیتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل اور اس کی فرماں برداری میں تعب و مشقت کو سہل بنا دیتا ہے برخلاف اس عشق کے جو سلطان شہوت کے غلبہ کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہو اور بلا شبہ یہ وسواس ہے، جو بعض صورتوں کے شمائل کے استحسان میں غور و فکر کے غالب ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بے شک یہ تحصیل لذت نفس میں نفس کی عبادت کرنا ہے

اور بعض علماء، عرفاء اور حکماء کے کلام میں ان ہی دو قسموں پر عشق ظاہری و مجازی کی مدح و ذم کا انحصار ہے۔

مولانا سید عبداللہ دہلوی المعروف بہ شاہ غلام علی نقشبندی مجددی خلیفہ مرزا مظہر جان جاناں اپنے شیخ کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

عشق مجازی افسردہ دلوں میں حرارت پیدا کرنے کے لیے آتش الہی ہے بشرطیکہ عاشق و معشوق کے درمیان ملاقات نہ ہوئی ہو تاکہ آب وصال، دل کی حرارت کو سرد نہ کر دے۔ یہی وہ مقام ہے جس کی مناسبت سے کہا گیا جس شخص کے اندر جنون انگیز عشق نہ ہو اس پر طریقت حرام ہے۔ انتہی۔

حاصل کلام عشق اگرچہ کہ مجازی ہی ہو وہ بھی ایک انمول گوہر ہے۔ ایک ایسے دل کو جو سو ٹکڑوں میں منقسم ہو اور ہر ٹکڑا ایک آوارہ مقصد کے در پے ہو ایسے پراگندہ دل کو ایک ہی جہت میں جمع کرتا ہے اور اس کو عشق حقیقی تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی لیے اکابر صوفیاء عشق مجازی کی توصیف میں رطب اللسان ہیں اور کہا ہے کہ مجاز

حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ایک اہم ذریعہ ہے۔

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں:

عشق سے چہرہ نہ پھیر اگرچہ کہ مجازی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ بھی عشق حقیقی کے لیے معاون و مددگار ہے اور عشق ایک ایسی بے بہا دولت ہے کہ اس کا مالک معشوق کے دیدار ہی کو سب سے بڑی دولت سمجھتا ہے۔ جس شخص کے دل میں کسی محبوب کا غم نہ ہو تو وہ دل سینہ میں ایک باغ ہے جس کے دل میں کسی کام کا غم ہو تو وہ دل سینہ کے اندر ایک بیمار ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی نے صراط مستقیم کے پہلے باب میں حب عشقی جس کو حب نفسانی بھی کہتے ہیں راہ ولایت کا سرمایہ اور پونجی کہا ہے۔ اسی سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ عشق انسانوں کے خواص میں سے ہے کیوں کہ اس آیت طیبہ یحبونھم و یحبونہ کے مخاطب انسان ہیں۔ اور اس دولت (عشق) سے حیوان محروم ہیں اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ جس شخص میں عشق کی حرارت نہ ہو وہ ایک ناسمجھ بیل ہے۔ اس دولت (عشق) سے فرشتے بھی محروم ہیں اسی لیے حدیث شریف میں ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے اسم "الودود" سے فرشتے بے خبر ہیں۔

حاصل کلام! عشق خواہ دنیاوی ہو یا الٰہی انسان کے خواص میں سے ہے۔ لیکن عشق الٰہی انسان کامل کا خاصہ ہے۔

عشق کسی بھی مخلوق کے اندر نہ ہوگا — عاشق خدا، خدا رسیدہ شخص کے سوا کسی میں نہ ہوگی

نیز جاننا چاہیے کہ عشق کی لذت کو غیر عاشق نہیں جان سکتا من لم یذق لم یعرف جو شخص جس چیز کا ذائقہ نہیں چکھتا وہ اس کی حقیقت کو بھی نہیں جان سکتا۔" اور محبوب کے دیدار کی لذت کو ایک عاشق اپنی زبان پر نہیں لا سکتا اگر کوئی شخص اللہ کو پہچان لے تو اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے؟

ہزاروں اشخاص نے اپنی آنکھوں سے لیلیٰ کا دیدار کیا۔ لیکن دیدار کی جو لذت مجنوں کو نصیب ہوئی وہ کسی اور شخص کو میسر نہ ہو سکی۔ کہا! اس کے رخسار تو نے کہاں دیکھا ہے۔ اس کے دیدار کے لیے تو مجنوں کی آنکھیں چاہیے، جب تک تیرے اندر مجنوں جیسا عشق نہ ہو تو صحیح معنوں میں اس کا دیدار نہیں کر پاتا۔ اگر تو تیری آنکھوں سے اس کا دیدار کرتا تو اسکی گلی کی خاک کو بھی سرمہ بنا لیتا۔ عشق محمود کے باب میں دونوں جماعتوں کے طاعن اشخاص میں سے ایک گروہ شیخ سعدی اور علامہ جامی کو بے ہودہ گو خیال کر رہا ہے تو دوسرا گروہ مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی کو بے ہودہ گو قرار دے رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ طاعن اشخاص عشق محمود اور عشق مذموم کے درمیان فرق نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔

۲۸ واں فائدہ:

مرشد کے ساتھ قلبی ارتباط کا مراقبہ
یا
تصورِ شیخ

یہ بحث مرشد کے ساتھ ذہنی تعلق اور قلبی ارتباط کے مراقبہ میں ہے جس کو صوفیا کی زبان میں شغل برزخ کہتے ہیں۔ صاحب کتاب الوصایا شیخ معروف مولانا زین الدین خوافی نے سید الطائفہ جنید بغدادیؒ کے حوالے سے یہ آٹھ شرطیں بیان کی ہیں جو ترکِ دنیا اور وجدان کی صحت اور خلوت کے فائدے سے متعلق ہیں:۔

۱۔ ہمیشہ وضو کے ساتھ رہنا۔
۲۔ ہمیشہ خلوت میں رہنا۔
۳۔ ہمیشہ روزہ سے رہنا۔
۴۔ سوائے ذکر کے ہمیشہ خاموش رہنا۔ (لیکن ذکرِ الٰہی جاری رہنا)
۵۔ ہمیشہ ذکر میں رہنا۔
۶۔ خیالات کی نفی کرنا۔ خواہ اچھے ہوں یا برے۔
۷۔ ہمیشہ مرشد کے ساتھ ذہنی تعلق اور قلبی ربط رکھنا۔
۸۔ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرنا۔ اور مرشد پر اعتراض نہ کرنا۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قضاو قدر پر راضی رہنا۔

یہ شرائط جواہر السلوک کے ۳۱ ویں فائدہ میں حوالۂ قلم کئے گئے ہیں۔ فقیر ساتویں شرط کو من وعن کتاب مذکور سے یہاں نقل کر رہا ہے۔ وہ ساتویں شرط یہ ہے:

تسلیم ورضا اور محبت والفت اور طاعت وفرماں برداری کے وصف کے ساتھ اور حسنِ اعتقاد واستمداد کے جذبات کے ساتھ مرشد سے ذہنی تعلق، قلبی ربط ہمیشہ رکھنا اور اس عقیدہ کے ساتھ کہ مرشد ایک ایسا مظہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے فائدے کے لیے متعین کیا ہے۔ اور مجھے صرف اسی کی ذات سے فائدہ حاصل ہوگا اور اس کے علاوہ کسی سے

نہیں۔ اگرچہ کہ دنیا مشائخ سے بھری ہی کیوں نہ رہے۔ اور مرید کے دل میں اپنے مرشد کے سوا دوسرے کی جانب جب تک کے جھکاؤ و میلان رہے گا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شرحِ صدر نصیب نہ ہوگا۔

پس انسان کئی جہتوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے لیے ایک بدن ہے اور ایک روح ہے اور اللہ تعالیٰ جہتوں کی قید سے پاک وصاف ہے۔ پس اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ جو شخص صاحبِ جہت ہے وہ اس فیاضِ حق سے استفادہ کرے جو کسی بھی جہت میں نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس بدنِ انسانی کے لیے جو بے حد و حساب کثرتوں سے مرکب ہے ایک ایسی جہتِ واحدہ متعین فرمادیا کہ انسان کی توجہ اس جہت واحدہ کے ذریعہ بارگاہِ وحدۂ الٰہیہ تک پہنچ جائے اور عالم اجسام و ابدان میں وہ جہت وحدۂ کعبۃ اللہ ہے۔

اور اس طرح روحِ انسانی کے لیے بھی جو صفاتِ الٰہیہ کے انوار و برکات کے نزول کا مقام ہے ایک ایسی جہتِ واحدہ متعین فرمادیا کہ انسان کی توجہ اس جہتِ واحدہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جانب قائم ہو جائے اور یہ جہت عالم ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مقدسہ ہے۔

پس جس طرح کعبۃ اللہ کی جانب توجہ نہ ہو تو نماز قبول نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالےٰ کی جانب بھی توجہ حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ کی جائے اور آپؐ کو ذہن و قلب کی گہرائیوں سے تسلیم نہ کیا جائے اور آپؐ کی نبوت سے قلبی ارتباط نہ قائم کیا جائے۔ کیوں کہ تمام انبیائے کرامؑ میں آپؐ ہی کی ذاتِ اقدس انسان اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ایک واسطہ اور ایک رابطہ ہے۔ اگرچہ کہ یہ سب اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں اور سب حق پر ہیں، لیکن اللہ تعالےٰ سے فیض کا حصول صرف نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذہنی تعلق اور قلبی ربط ہی سے ہوگا۔

پس بدن کی توجہ ایک ہی جہت کی طرف ہو اور روح کی توجہ بھی ایک ہی جہت کی طرف ہونے سے ہی انسان کو اللہ تعالےٰ سے فائدہ حاصل کرنے کی استعداد و قابلیت میسّر ہوئی ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فیض پہنچانے والے اور فیض حاصل کرنے والے کے درمیان ان چیزوں میں جو استفاضہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مناسبت شرط ہے۔

اور بعض حدیثوں میں جس کو مشائخ کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے مرشد اپنی قوم میں نبی کی طرح ہے جس طرح امّت میں نبی کی حیثیت ہے۔ لہٰذا مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ ذہنی تعلق اور قلبی ربط قائم رکھے۔ اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ اس کو فیض صرف اپنے ہی مرشد سے حاصل ہوگا۔ اگرچہ کہ

تمام مشائخ ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ ہیں اور ان تمام بزرگوں کے ساتھ حسنِ اعتقاد رکھے اور اُن کے حق میں دُعا کرتا رہے ۔ لیکن یہ حقیقت واضح رہے کہ اس کے لیے خصوصی فیض اور خصوصی استفادہ صرف اپنے ہی مرشد کی روحانیت سے وابستہ ہے اور یہ سمجھے کہ اپنے مرشد سے استمداد دراصل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد ہے ۔

کیوں کہ اس کے مرشد اپنے مرشد سے مربوط ہیں اور ان ہی سے استفادہ حاصل کر رہے ہیں اور ان کے مرشد اپنے مرشد سے منسلک ہیں ۔ اس طرح اکتساب فیض اور نسبت وتعلق کا رابطہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک قائم ہے اور مرید درحقیقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ حاصل کر رہا ہے ۔ اور آپؐ اللہ تعالیٰ سے استفادہ فرما رہے ہیں سنت اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا

غرض اکتسابِ فیض کے لیے مرشد کے ساتھ ذہنی تعلق اور قلبی ربط ہی بہت بڑی اصل اور بنیاد ہے بلکہ یہی چیز اصل الاصول ہے ۔ اسی لیے مشائخ کرام نے اس شرط کی رعایت ونگہداشت میں بڑی جدوجہد کی ہے ۔ حتیٰ کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ بلاشک وشبہ ربط (مع اللہ) قلب کی حیثیت اعمال کے مقابلہ میں ویسی ہی ہے جیسے صنعتِ آئینہ سازی میں آلات کے مقابلہ میں کاریگر استاد کی ۔ پس ہتھوڑا، گھن، ہہنہ، کوئلہ اور آگ جیسے آلات جمع ہو جائیں اور آئینہ بنانے والا کاریگر استاد موجود نہ ہو تو آئینہ وجود میں ہی نہیں آئے گا : لا یتحقق وجود المرأۃ ۔

اسی طرح خلوت اور عزلت کے سات شرائط جنیدیہ سے بھی شیخ کے ساتھ بدون ربط قلب آئینۂ دل پاک نہ ہوگا اور ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے اور اسی طرح پایا ہے جس طرح کہ شیخ نے فرمایا ہے ۔ اگر اکثر مرید روحانی فیض اور ترقی سے منقطع ہو گئے ہیں تو بس وہ اسی جہت سے ہو گئے ہیں یعنی تسلیم ورضا ، یقین واحسان مندی اور سچی محبت کے ذریعہ شیخ کے ساتھ عدمِ ربط قلب ۔

مرشد پر اعتراض اور تکبیرِ فیض کا دروازہ بند کر دیتا ہے ۔ اسی لیے مشائخ کرام نے مرید کے آداب میں کہا ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ہاتھوں میں اس طرح رہے جس طرح کہ غسّال کے ہاتھوں میں میّت رہتی ہے ۔ اگر غسّال حسبِ مصلحت اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو آگے پیچھے دھودے یا اس کو حرکت دے یا اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق اس میں کوئی تصرّف کرے تو کیا میّت کوئی اعتراض کر سکتی ہے ؟

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی " الانتباہ " میں " خدا تک پہنچنے کا راستہ " کے بیان میں شیخ

تاج الدین سنبھلی نقشبندی خلیفۂ خواجہ محمد باقی کے رسالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

تیسرا طریقہ: اس مرشد کے ساتھ رابطہ کا طریقہ ہے جو مشاہدہ کی منزل پر پہنچ چکا ہو اور تجلیاتِ ذاتی کے ساتھ موجود ہو تو بلا شبہ اس کا دیدار ھم الذین اذا راؤ ذکر اللہ: (وہ لوگ جن کو دیکھیں تو اللہ کی یاد تازہ ہو جائے) کے مصداق ذکر کا فائدہ دیتا ہے اور اس کی صحبت میں رہنے سے ہم جلساء اللہ (وہ اللہ کے ہم جلیس اور ہم نشین ہیں) کے مصداق اللہ تعالیٰ کی صحبت کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جب تجھے ایسے مرشد کی صحبت میسّر ہو جائے اور تو اپنے نفس میں اس کا اثر دیکھے تو تجھے چاہیئے کہ اس اثر کو جس کو تو نے اپنے اندر بقدر امکان مشاہدہ کیا ہے اس کو محفوظ رکھے اور اگر تجھ کو اس معاملہ میں کوئی کمی اور فتور محسوس ہو تو اس کی صحبت میں رہ یہاں تک کہ اس کی صحبت کی برکت تیری جانب لوٹ سکے۔ اس طرح صحبت کو وقفہ وقفہ سے لازم کر لے یہاں تک کہ وہ کیفیت تیرے اندر ایک ملکہ کی صورت اختیار کر جائے اور اگر اس مرشد کی صحبت سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو لیکن انجذاب باطنی اور محبتِ قلبی حاصل ہو تو ایسی صورت میں تمہیں چاہیئے کہ مرشد کی صورت کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لے اور قلب کو اس کی جانب متوجّہ کر لے یہاں تک کہ تمہیں اپنے نفس کے فنا اور اس کے غیر موجود ہونے کی کیفیت حاصل ہو جائے۔

اگر تمہاری ترقی رک جائے تو تمہیں چاہیئے کہ داہنے کندھے کی طرف شیخ کی صورت کا تصوّر کرو اور کندھے سے اپنے تصوّر کو شیخ کی صورت کے ساتھ ساتھ گزارتے ہوئے اپنے دل میں لا بٹھاؤ اس عمل سے امید ہے کہ تم کو فنائے نفس حاصل ہو جائے۔

نیز "الانتباہ" میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے بیان میں جو شیخ مجدّد کے واسطے سے پہنچا ہوا ہے، رقمطراز ہیں:

دوسرا مطلوب یہ ہے کہ مرشد کی تشکل و صورت کو اپنے سامنے تصوّر کرتے ہوئے ذکر کریں۔ الرفیق ثم الطریق (پہلے ساتھی منتخب کر لیں اور اس کے بعد راستہ چلیں) ان ہی بزرگوں کی شان میں کہا گیا ہے۔ مرشد کا تصوّر خیالات کی نفی کے لیے بڑی تاثیر رکھتا ہے، بلکہ سلطان الموحدین، برھان العاشقین، حجۃ المتوکلین شیخ جلال الحق والشرع والدین مخدوم مولانا قاضی خان یوسف ناصح قدس سرّہٗ اس طرح فرماتے ہیں کہ:

ظاہراً دیکھا جائے تو مرشد کی صورت آب و گل کے پردہ میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہے۔ لیکن جب خلوت میں مرشد کی صورت نمودار ہوتی ہے تو آب و گل کے پردہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہے کیوں کہ ان اللہ

خلق آدم علی صورۃ الرحمٰن (بے شک اللہ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا۔) ومن رانی فقد رأی الحق (جس نے مجھ کو دیکھا بلاشبہ اس نے حق کو دیکھا۔) مرشد کے حق میں صحیح و درست ہے۔

اگر ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلّی دیکھنا چاہتا ہے تو انسان کی صورت دیکھ۔ ذاتِ حق کو اس کے اندر آشکار اور ہنستا ہوا دیکھ۔

نیز 'قول الجمیل' میں مشائخ چشتیہ کے اشغال میں لکھا ہے کہ صوفیاء نے کہا ہے کہ مرشد کے ساتھ محبت والفت اور تعظیم و تکریم کے ساتھ اس کی شکل و صورت اپنے ذہن میں مستحضر کرنا طریقت کا عظیم ترین جز ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے مظاہر ہیں، کوئی عابد غبی ہو یا ذکی مگر وہ مظہر اس کے مقابل ہو کر اس کا معبود بن گیا ہے۔

اسی راز کے لیے استقبالِ قبلہ اور استواءِ علی العرش کی بات شریعت میں آئی ہوئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے کیوں کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

پس اس کے بعد جان لینا چاہیے کہ شغل برزخ کس طرح اخیر زمانہ میں ناقص افراد کو تصاویر سازی پر آمدہ کیا ہوا ہے۔ اور انھیں ان تصاویر کے روبرو بت پرستوں کی طرح حرکاتِ تعظیمیہ پر مائل کر دیا ہے۔ اسی لیے مولوی شاہ اسمٰعیل دہلوی نے 'صراط المستقیم' کے تیسرے باب میں شغل برزخ کو حرام کہا ہے۔ کیوں کہ جو چیز حرام کی طرف کھینچ لے جائے وہ بھی حرام ہے۔

شاہ صاحب نے حرام ہونے کی توجیہہ اس طرح بیان کی ہے کہ شغل برزخ کا رواج ناقص اشخاص کو دلیل کی صورت میں تصاویر سازی کی جانب لے جا رہا ہے۔ اور تصاویر سازی کے ساتھ ساتھ تعظیم و تکریم کے وہ افعال جو اہل صورت کے سامنے بجا لاتے ہیں ان تصاویر کے روبرو (تعظیمی حرکات و افعال) بجا لا رہے ہیں اور صاف طور پر بُت پرستوں کے طریقہ پر چل رہے ہیں۔

اور شغل برزخ کے صورت پرستی کی طرف کھینچ لے جانے میں جو صریح حرام ہے کوئی شبہ نہیں ہے پس شغل برزخ بھی حرام ہونا چاہیے۔ اور شریعت محمدیؐ میں صورت پرستی اور تصویر سازی کو پیش بندی کے طور پر مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور دیگر شرائع میں بعض صحیح اغراض مثلاً مردہ یا زندۂ غائب کے شکل و شمائل دریافت

کرنے کے لیے درست تھی۔

پس جب شارع علیہ السلام نے تصویر سازی کے مسئلہ میں اس قدر احتیاط برتی ہے تو آپؐ کے متبعین کو بھی چاہیے کہ احتیاط کے اسی طریقہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے شغل برزخ کو حرام اور قبیح خیال کریں۔ انتہی

اور اسی طرح شغل برزخ کے مسئلہ میں ناقص اشخاص کو تصور شیخ کے وقت مشائخ کرام کی ارواح کی حاضری کا اعتقاد پیدا کردیا اور پیر پرستی پر آمدہ کردیا تو 'مائۃ المسائل' کے مصنف نے ۸۶ ویں سوال کے جواب میں اس اعتقاد (ارواح مشائخ کی حاضری) کی وجہ شغل برزخ کو نہ صرف ناجائز قرار دیا بلکہ اس کے قائل کے کافر ہونے کا فیصلہ بھی صادر فرمادیا۔

چناں چہ اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ مرشد کی شکل وصورت کو اس اعتقاد کے ساتھ کہ بغیر کسی قید کے اس کو اطلاع ہوجاتی ہے تصور کرنا اور اس کی صورت کو برزخ بنانا اور یہ خیال کرنا کہ اس وقت مشائخ کی ارواح حاضر ہوتی ہیں اور جانتی ہیں یہ اعتقاد درست نہیں بلکہ اس طرح کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ شیخ فخر الدین ابو سعید عثمان بن سلیمان الجیانی الحنفی نے اپنی کتاب میں 'کتب فتاوی بزازیہ' وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ مشائخ کرام کی ارواح علم ودانست کے ساتھ حاضر ہوتی ہیں تو وہ کافر ہوجائے گا۔ انتہی

مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی تفسیر سے بھی شغل برزخ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جو انھوں نے شرک کے اقسام اور فرقہ مشرکین کی بحث میں بیان کی ہے۔ تفسیر کی عبارت اس طرح ہے۔

"پیر پرست افراد کہتے ہیں کہ جب کوئی بزرگ انتہائی ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے اللہ تعالی کے نزدیک مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعت ہوکر اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں تو ان کی روح کی بڑی وسعت اور بڑی طاقت حاصل ہوتی ہے اور جو شخص بھی اس بزرگ کی صورت کو برزخ بنائے یا اس کی نشست وبرخاست کی جگہ میں یا اس کی قبر پر سجدہ کرے اور انتہائی عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرے تو اس بزرگ کی روح، وسعت واطلاق کے سبب اس پر مطلع ہوگی اور وہ دنیا وآخرت میں اس کے حق میں شفاعت فرمائیں گے۔ (اس نوع کا اعتقاد شرک ہے۔) انتہی

اور اگر مرشد کی شکل وصورت کا تصور وخیال وصول الی اللہ کے لیے ایک رابطہ اور ایک ذریعہ ہونے کا اعتقاد کے ساتھ ہو تو یہ بات صحیح ودرست ہے۔

اور یہ بعض مشائخ کرام کا معمول بھی ہے ۔ صاحب " مائۃ المسائل " کا کلام مکمل ہوا۔

مذکورہ بیان سے واضح ہے کہ شغل برزخ لاحقہ قباحتوں کے ظہور کی وجہ سے قبیح ہے ۔ ورنہ اصل میں اس مسئلہ کے اندر کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ چیز ترک دنیا کی صحت کے لیے بڑی عظیم شرط ہے ۔ جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل گزر چکی ۔

اس مسئلہ میں بھی عوام بڑی افراط و تفریط کا شکار ہیں اور شغلِ برزخ کو مطلق ناجائز کہہ رہے ہیں اور طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ مرید ہونے کے دعوے کے باوجود اپنے ہی سلسلہ کے مشائخ کرام کی تضلیل و گمراہی کا حکم دے رہے ہیں ۔ ••

حضرات انبیاءؑ، اولیاء اور بالخصوص ہمارے نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے علم غیب کے واقعات کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں، جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابنِ حجر مکی نے "شرح مذکور" میں جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں:۔ کہ اس مسئلہ میں دو باتوں سے آگاہ کرانا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ غیب کا جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور علم غیب کا جو حصہ بھی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو حاصل ہوا ہے وہ وحی کے ذریعہ ہے۔ یا الہام کے ذریعہ اور حدیث شریف میں ہے: انی لا اعلم الا ما علمنی ربی۔ بے شک میں نہیں جانتا ہوں مگر وہ باتیں جو میرا ربّ مجھے معلوم کرا دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بیان کو ملحوظ رکھنا چاہیے جس میں مصنف "ہمزیہ" نے اشارہ کیا ہے۔ کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے غیب کی باتیں بتلائی ہیں۔ اور

۱۔ قرآن میں جن مغیبات کی نشان دہی کی گئی ہے ان کا احاطہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

۲۔ امام طبرانی کی روایت ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش کیا۔ پس میں ان تمام احوال اور واقعات کو جو قیامت تک رونما ہونے والے ہیں ان کا اس طرح مشاہدہ کر رہا ہوں گویا ساری کائنات میری ہتھیلی پر موجود ہے۔

۳۔ امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطاب کے لیے کھڑے ہوئے اور قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور حالات کو بیان فرمایا۔ آپؐ نے کسی ایک بات کو بھی نہیں چھوڑا۔

۴۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اولین اور آخرین کا علم جان لیا ہوں۔

۵۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکۂ مکرمہ میں نجاشی کی موت کی خبر دی۔ جس دن حبشہ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اُن کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۶۔ ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوہ احد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ آپؐ نے اس پر اپنا قدم مبارک مارتے ہوئے فرمایا: ثابت اور چپ رہ! اس وقت تیرے اوپر

حضرات انبیاءؑ اولیاء اور بالخصوص ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے علم غیب کے واقعات کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں، جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابنِ حجر مکی نے "شرح مذکور" میں جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں:۔ کہ اس مسئلہ میں دو باتوں سے آگاہ کرانا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ غیب کا جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور علم غیب کا جو حصہ بھی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو حاصل ہوا ہے وہ وحی کے ذریعہ ہے۔ یا الہام کے ذریعہ اور حدیث شریف میں ہے: انی لا اعلم الا ما علمنی ربی۔ بے شک میں نہیں جانتا ہوں مگر وہ باتیں جو میرا ربّ مجھے معلوم کرا دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بیان کو ملحوظ رکھنا چاہیئے جس میں مصنف "ہمزیہ" نے اشارہ کیا ہے۔ کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے غیب کی باتیں بتلائی ہیں، اور

۱۔ قرآن میں جن مغیبات کی نشان دہی کی گئی ہے ان کا احاطہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

۲۔ امام طبرانی کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش کیا۔ پس میں ان تمام احوال اور واقعات کو جو قیامت تک رونما ہونے والے ہیں ان کا اس طرح مشاہدہ کر رہا ہوں گویا ساری کائنات میری ہتھیلی پر موجود ہے۔

۳۔ امام ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطاب کے لیے کھڑے ہوئے اور قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور حالات کو بیان فرمایا۔ آپؐ نے کسی ایک بات کو بھی نہیں چھوڑا۔

۴۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اولین اور آخرین کا علم جان لیا ہوں۔

۵۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکۂ مکرمہ میں نجاشی کی موت کی خبر دی۔ جس دن حبشہ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اُن کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۶۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوہ احد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ آپؐ نے اس پر اپنا قدم مبارک مارتے ہوئے فرمایا: ثابت اور چپ رہ! اس وقت تیرے اوپر

ایک نبیؐ، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ پس حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے۔

۷۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسریٰ اور قیصر کا ملک میری رحلت کے بعد شام اور عراق سے منقطع ہو جائیں گے۔ چناں چہ یہ واقعہ عہدِ فاروقی میں رونما ہوا۔

۸۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہؓ سے فرمایا: تمہاری زندگی کے وہ لمحات کیسے ہوں گے جن میں تم شاہ کسریٰ کے کنگن پہن لوگے۔ چناں چہ جب ایران فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہ کنگن اُن کے ہاتھوں میں پہنایا۔

۹۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت عباسؓ کو مقامِ بدر میں ان کے اُس مال کی خبر دی جس کو انھوں نے اپنی اہلیہ کے پاس رکھا تھا اور اس کی خبر میاں بیوی کے علاوہ کسی اور شخص کو نہ تھی۔

۱۰۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے اہلِ مکہ کو ایک خفیہ خط بھیجا جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکۂ مکرمہ پر حملہ کرنے کی خبر تھی۔ آپؐ نے اس واقعہ کی خبر دی۔ (اور بعض صحابہؓ کو بھیج کر راستہ ہی سے وہ خفیہ مکتوب حاصل فرمالیا۔)

۱۱۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کے گم شدہ اونٹ کی خبر دی جس کی مہار ایک درخت میں پھنسی ہوئی تھی۔

۱۲۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غزوۂ احزاب کے بعد قریش کو ہم پر حملہ کرنے کی طاقت اور حوصلہ نہ ہوگا۔ چناں چہ احزاب کے بعد قریش مسلمانوں سے متصادم نہیں ہوئے۔

۱۳۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ موتہ کے لیے زید بن حارثہؓ کو امیر الجیش مقرر فرمایا جو شام کی زمین میں لڑی گئی۔ جس روز زیدؓ کی شہادت ہوئی تو آپؐ نے مدینۂ منورہ میں اطلاع دی اور ان کے بعد جعفرؓ بن ابی طالب کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ شہید ہوئے تو اس کی اطلاع دی اور ان کی جگہ پر عبد اللہؓ بن رواحہ کو امیر الجیش مقرر فرمایا۔

۱۴۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے وصال کے بعد میرے اہل بیت میں سب سے پہلے میری صاحب زادی فاطمہؓ مجھ سے آملے گی۔ چناں چہ ارشادِ نبویؐ کے مطابق حضرت فاطمہؓ چھ یا آٹھ ماہ زندہ رہیں۔

۱۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ شقی و بدبخت حضرت علیؓ کا قاتل ہے۔ جو آپؓ کے تالو پر وار کرے گا۔ چناں چہ بدبخت عبدالرحمٰن ابن ملجم نے آپؓ پر کاری ضرب لگائی جس سے آپؓ کی ریش مبارک خون سے تر بہ تر ہو گئی اور اسی میں آپؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

۱۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ معاویہؓ علیؓ کے مقابلہ پر آئیں گے اور وہ مغلوب نہیں ہوں گے۔ ان دونوں حدیثوں کو ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ حضرت علیؓ نے صفین کی لڑائی کے دن فرمایا اگر یہ حدیث مجھے یاد ہوتی تو میں حضرت معاویہؓ سے جنگ نہیں کرتا تھا۔

۱۷ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ عثمانؓ مظلوم قتل کئے جائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ آپؓ سورۃ البقرۃ تلاوت کر رہے ہوں گے اور تمہارے خون کا ایک قطرہ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم کی آیت پر آگرے گا۔ (یہ دوسری روایت موضوع ہے۔)

۱۸ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ حرہ سے متعلق بھی خبر دی تھی کہ یزیدی لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو گا اور سات سو حفاظ کرام قتل ہوں گے۔ جن میں سے تین سو صحابہؓ ہوں گے اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمت ریزی ہو گی۔

۱۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ جمل کی خبر دی۔

۲۰ جنگِ صفین سے بھی متعلق وضاحت فرمائی

۲۱/۲۲ حضرت عائشہؓ اور حضرت زبیرؓ کا حضرت علیؓ سے مقابلہ کرنے کی بھی خبر دی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت زبیرؓ جب حضرت علیؓ سے مقابلہ کے لیے اترآئے تو علی کرم اللہ وجہہ نے زبیرؓ سے کہا: تمہیں اللہ کی قسم سچ بتاؤ کیا تم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بارے یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ اے زبیرؓ تم علیؓ سے قتال کرو گے درآں حالیکہ تم ظلم پر رہو گے! حضرت زبیرؓ یہ بات سن کر واپس لوٹ گئے اور فرمایا کہ ہاں سنا ہے لیکن میں بھول گیا تھا۔

۲۳ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسنؓ سے متعلق فرمایا۔ یہ میرا فرزند سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ چناں چہ یہ پیشین گوئی

حضرت عثمانؓ کو یہ بھی بتلا دیا تھا کہ تم اسی حال میں قتل کیے جاؤ گے

پوری ہوئی۔ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امام حسنؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی اور آپؓ چھ ماہ تک خلیفہ رہے۔ پھر حضرت معاویہؓ کے ساتھ مقابلہ کے لیے چالیس ہزار کا لشکر لیے ہوئے صف آراء ہوئے تو دونوں جماعتوں نے فریقین کی کثرت کا مشاہدہ کیا اور خیال کیا کہ ان دونوں میں سے کوئی فریق بھی غالب نہیں آئے گا۔ جب تک کہ کوئی ایک فریق پوری طرح ہلاک نہ ہو جائے۔ پس مسلمانوں کے لیے حسنؓ کے دل پر رقّت طاری ہوگئی اور مسلمانوں پر رحم کر کے خالصتہً لوجہ اللہ ایک طور پر خلافت سے علاحدگی اختیار کرلی جیساکہ آپؓ نے خود اس کی روایت کی ہے۔ چناں چہ آپؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس ایک قاصد روانہ کیا تو انھوں نے آپؓ کی خدمت میں سفید کاغذ روانہ کیا اور کہا کہ آپؓ اس میں جو شرائط اور مطالبات چاہیں درج فرمائیں تو امام حسنؓ نے چند شرائط تحریر فرمایا اور منصبِ خلافت سے دست بردار ہوگئے اس روز سے حضرت معاویہؓ خلیفہ برحق قرار پائے۔

۲۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام طف میں حضرت امام حسینؑ کے قتل ہونے کی خبر دی اور دستِ مبارک سے مٹی دکھلاتے ہوئے فرمایا کہ حسینؓ اس مٹی میں شہید ہوں گے۔ اور یہ پیشین گوئی صادق ہوئی۔

قطر کے فرشتے نے اپنے ربّ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کی اجازت چاہی تو اس کو اجازت دی گئی۔ اس روز آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف فرما تھے فرشتہ حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے ام سلمہؓ کو حکم دیا کہ دروازہ بند رکھیں۔ اس اثناء میں امام حسینؓ تشریف لائے تو آپؓ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چوما۔ اس پر فرشتے نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ انھیں بہت عزیز رکھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں! فرشتے نے کہا: عنقریب آپؐ کی امّت انھیں قتل کردے گی۔ اگر آپؐ چاہیں تو وہ جگہ بتادوں جس میں یہ قتل کیے جائیں گے۔ پس اس کے بعد فرشتے نے آپؐ کو وہ جگہ دکھلادی اور آپؐ کی خدمت میں وہ مٹی پیش کی۔ جس کو ام سلمہؓ نے ایک کپڑے میں اٹھا رکھا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم قتل گاہ سے متعلق سوچا کرتے تھے کہ وہ کربلا کی زمین ہوگی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے کہا: جب یہ مٹی خون ہو جائے تو سمجھ لو کہ حسینؓ

قتل ہو چکے۔

۲۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو خبر دی کہ وہ نابینا ہو جائیں گے جب کہ انھوں نے حضرت جبرئیلؑ کو نبی اکرمؐ کے ساتھ آدمی کی صورت میں دیکھا۔

۲۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن عباسؓ کی والدہ کو خبر دی کہ انھیں عبداللہ تولد ہوں گے۔

۲۹۔ عبداللہ ابن عباسؓ ابوالخلفاء ہوں گے۔

۳۰۔ اوران کی نسل میں عباس اور مہدی خلیفہ ہوں گے۔

۳۱۔ آپؐ نے یہ خبر بھی دی کہ ترک عربوں پر غالب رہیں گے جب ان کے درمیان بخل اور باہمی حسد اور رقابت سر اٹھائے۔

۳۲۔ اور آپؐ نے یہ خبر بھی دی کہ قریب ہے ایک دور ایسا آئے جس میں لوگ طلب علم کی خاطر سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے نکل پڑیں اور وہ مدینۂ منورہ کے عالم سے بڑھ کر کسی بھی شخص کو صاحبِ علم وفضل نہیں پائیں گے۔

ابنِ عیینہؒ وغیرہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ امام مالک بن انسؒ کی جانب ہے۔ اور اسی وجہ سے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے مالک بن انسؒ کے دروازے پر ہجوم کرتے تھے اور دکھا بیل بھی۔ اور اکابرین میں سے جن لوگوں نے آپؒ سے روایت کی ہے امام زہری، امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام اوزاعی، امام اہل شام، امام لیث، امام اہلِ مصر، امام ابوحنیفہ اوران کے دو اصحاب امام ابویوسف اور امام محمد، حضرت ذوالنون مصری، حضرت فضیل ابنِ مبارک ابن ادھم کی شخصیات ہوں گی۔

۳۳۔ آپؐ نے یہ خبر بھی دی کہ قریش میں ایک ایسا عالم ہوگا جو اپنے علم وفضل سے ساری زمین کے حصّوں کو فیض یاب کرے گا۔

امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ ایسا قریشی عالم ہم نے صرف امام شافعی کو دیکھا ہے کہ جس طرح ان کی ذات گرامی سے ہر سو علم کی روشنی پھیلی صحابہ اور غیر صحابہ میں اہلِ قریش کے کسی فرد سے ایسا فیض عام نہ ہوسکا۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ وغیرہ سے جو علمی فیض جاری ہوا وہ بہت

قلیل ہے جو فقہی مسائل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جیسا کہ ان کی حیات اور خدمات سے واضح ہے۔

صاغانی نے اس حدیث کی اطلاع دیتے ہوئے زعم کیا ہے کہ بے شک یہ حدیث محلِ قبولیت میں ہے اور اس میں صرف ایک طرح کا ضعف ہے اور اس حدیث کے لیے کئی شواہد ہیں جو اس حدیث کے صحت کی خبر دیتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے طرق میں ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے۔

۳۴ے آپؐ نے یہ خبر بھی دی کہ خوارج حضرت علیؓ پر چڑھائی کریں گے اور ان میں ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہوگا جس کے دو پستان میں سے ایک پستان عورت کی پستانوں کی طرح ہوگی۔

اور حضرت علیؓ نے ان سے قتال کیا اور اس شخص کو باہر نکالا جس کی نشان دہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اور اس کو لوگوں نے دیکھا اور پہچان لیا۔

۳۵ے آپؐ نے خبر دی ہے کہ روافض اسلام کو چھوڑ دیں گے۔

۳۶ے فرقۂ قدریہ کی گمراہی اور ضلالت کی بھی نشان دہی فرمائی۔

۳۷ے اسی طرح فرقۂ مرجیہ سے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

۳۸ے آپؐ نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔

۳۹ے یہ خبر بھی دی کہ سرزمین حجاز سے ایک روشنی ظاہر ہوگی جس سے بصرہ کے قرب وجوار چمک اٹھیں گے۔ چنانچہ ۳ رجمادی الآخر ۶۵۴ھ ہجری میں بعد نمازِ عشاء مدینۂ منورہ سے تقریباً ایک مرحلہ پر بھیانک آگ بھڑک اٹھی۔ جس کے ساتھ ہی عظیم زلزلہ ہوا اور اس میں مسلسل شدت آتی گئی اور جوش مار رہا تھا۔ جیسے کہ سمندر جوش مارتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے زمین اور اس کے اوپر کی ہر چیز ہلنے لگی جس سے اہلِ مدینہ کو اپنی ہلاکت کا یقین ہونے لگا۔ زلزلوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن میں اٹھارہ مرتبہ زلزلہ ہوا۔ لیکن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینۂ منورہ میں بادِ نسیم کے جھونکے چل رہے تھے مکہ مکرمہ اور بصرہ کے پہاڑوں کو زلزلہ کے شر سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔

اور زلزلہ رجب کی ستائیسویں ۲۷ رات کو ختم ہوا۔ جو معراج کی رات تھی۔

مورخین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ غیبی خبروں اور پیشین گوئیوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جن کا احاطہ اور استعاب طویل ہوگا۔

اگر آپ ان غیبی امور و حقائق پر غور کریں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمایا ہے اور بالخصوص صحیفہ میں جو غیبی امور درج ہیں صرف ان میں بھی غور کریں تو آپ پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان غیبی علوم و معارف و حقائق کا انکشاف ربّ تعالیٰ کے تمام الطاف اور عنایات میں سے ہے۔

اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آپؐ کی اطلاع کے ذریعہ بہت سارے غیب کی چیزوں کا علم رکھتے تھے اور بے شمار غیبی اشیاء کی خبر بھی دے چکے تھے۔

علامہ قیصری "مقدمہ شرح فصوص الحکم" کی نویں فصل میں فرماتے ہیں:۔

پس قطب جس پر عالم کے احکام کا دار و مدار ہے وہی ازل سے لے کر ابد تک دائرۃ الوجود کا مرکز ہے۔ جو وحدت کے حکم کے اعتبار سے واحد ہے اور یہی حقیقتِ محمدیؐ ہے جو کثرت کے حکم کے اعتبار سے متعدد ہے۔

اور یہی حقیقتِ محمدیہؐ انقطاعِ نبوت سے قبل کبھی مرتبۂ قطبیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراھیم علیہ السلام اور کبھی ولی غائب کے روپ میں ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اور یہ قطب اس وقت تھے جب تک موسیٰ علیہ السلام اس خلعتِ قطبیت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔

اور نبوت تشریع کے منقطع ہونے اور دائرۂ نبوت کے پورا ہونے اور باطن سے ظاہر کی طرف ولایت کے منتقل ہونے کے وقت قطبیت مطلقہ اولیاء کی طرف منتقل ہو گئی۔

اب ہمیشہ اس مرتبہ میں ان لوگوں میں سے ایک شخص ہمیشہ اس کی جگہ میں رہے گا۔ تاکہ یہ ترتیب اور یہ انتظام اس کے سبب سے باقی رہے۔

نیز اسی میں رقمطراز ہیں:۔

اور اس ربوبیت مطلقہ کا تصوّر ہر صاحبِ حق کو اس کا حق پہنچانے اور ان تمام چیزوں کا افاضہ کرنے کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ جس کی طرف سارا عالم محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ بات مکمل قدرت اور جمیع صفاتِ الٰہیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی واسطے ان کو تمام اسمائے پر حکومت حاصل ہے جس کے ذریعہ وہ

عالم کے اندر لوگوں کی استعداد کے مطابق تصرف کرتا ہے۔

اور جب یہ حقیقت انسانیہ دو جہت (الٰہیت اور عبودیت) پر مشتمل ہے تو اسی لیے حقیقتِ انسانیہ کو تصرفِ بالاصالتہ صحیح نہیں ہے بلکہ بالتبع صحیح ہے۔

اور اسی تبعیت کا نام خلافت ہے۔ پس اس صورت میں حقیقتِ محمدیہؐ کو بھی زندہ کرنا، مارنا، لطف، قہر، رضا، سخط اور جمیع صفات حاصل ہیں تاکہ وہ عالم میں تصرف کر سکے اور خود اپنی ذات اور بشریت میں بھی تصرف کر سکے۔ کیوں کہ اس کی ذات اور بشریت بھی عالم ہی کا ایک حصّہ ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آہ وبکا کرنا، تنگ دل ہونا اور سینۂ مبارک میں تنگی محسوس کرنا یہ تمام باتیں مذکورہ حقیقۃ کی منافی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہ ساری چیزیں آپؐ کی ذات اور صفات کی بعض مقتضیات میں سے ہیں۔ اور آپؐ کے مقام ومرتبہ کی حیثیت سے آسمان اور زمین کا کوئی ذرّہ بھی آپؐ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کہ آپؐ یہ کہیں: انتم اعلم بامور دنیاکم: یعنی تم اپنی دنیا کے معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ یہ ارشادِ مبارک آپؐ کی بشریت کی حیثیت اور اس کے اعتبار سے ہے۔ انتہی

(اس حدیث کو رکھتے ہوئے آپ دنیاوی امور اور علمی حقائق واسرار میں آپؐ کے لاعلم ہونے کا استدلال نہیں کیا جا سکتا۔)

علامہ قیصری مذکورہ مقدمہ کی آٹھویں فصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ محی الدین ابنِ عربی اپنی کتاب "فتوحاتِ مکیّہ" میں مقام قطبیت کے بیان میں لکھتے ہیں کہ وہ کامل جو تیسرے سفر (جس میں انسان کامل حق سے خلق کی طرف حق کے ساتھ سفر کرتا ہے) میں اترتا ہوا عناصر تک پہنچتا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ اس کو عالم کا خلیفہ اور قطب وقت بنا دے تو اس کو ضروری ہے کہ افرادِ انسانیہ میں سے ان سب کا مشاہدہ کرے جو قیامت تک وجود میں آئیں گے اور اس مشاہدہ پر بھی وہ قطب ہونے کا مستحق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہر ایک کے مرتبوں کو بھی نہ جانتا ہو۔ پاک ہے وہ ذات جو ہر شئے کے اندر اپنی حکمت سے تدبیر کرتی ہے اور جس سے تمام مصنوعات ومخلوقات کو اپنی رحمت کے ذریعہ مستحکم کیا ہے۔

نیز اسی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

اسی لیے کہا گیا ہے کہ انسانِ کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمیع موجودات میں حق سبحانہ تعالیٰ کے مل جانے کی طرح مل جائے۔

ان تمام اسناد اور روایات کا ماحصل یہ ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام مستقل طور پر اپنی ذات سے غیب کا علم نہیں رکھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے غیب کی بہت ساری باتوں کی خبر دئے ہیں۔ جیسا کہ امام نوری ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔ وہ سوال و جواب من و عن یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

سوال

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد قل لا یعلم من فی السموٰات والارض الغیب الا اللہ (کہہ دیجیے اے نبی محترمؐ! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی غیب ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد لا یعلم ما فی غد الا اللہ (آنے والے کل میں کیا ہونے والا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) کا کیا مطلب ہے؟ قرآنِ کریم اور حدیث نبویؐ میں اس قسم کے اور بھی اقوال موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، اور اولیائے کرام کی کرامات کے ذریعہ آنے والے کل کے علم کا جاننا ثابت ہے۔

الجواب:

جن آیات اور احادیث نبویؐ میں علم غیب کی نفی ہو رہی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ علم غیب مستقل طور پر اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے انبیائے کرام کو معجزات کے ذریعہ اور اولیائے کرام کو کرامات کے ذریعہ غیب کا علم حاصل ہوتا ہے اور ان حضرات کرام کو یہ علم مستقل نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ بات جان لینی چاہیے کہ احاطۂ علمی بھی صرف اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے اور کلیات و جزئیات میں سے کوئی بھی شئی اس کے علم سے خارج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اللہ قد احاط بکل شئی علما: بے شک اللہ تعالیٰ ہر شئی پر علم کے ذریعہ احاطہ کئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے: وفوق کل ذی علم علیم: ہر صاحب علم کے اوپر ایک علم والا ہے

مولانا جامی فرماتے ہیں:

بیابانوں میں ریگ کی تعداد اور باغوں میں پتوں کی تعداد یہ سب اس کے نزدیک ظاہر اور واضح ہے اور یہ سب اس کے علم میں حاضر اور موجود ہے۔ انتہیٰ۔

خاتم المجتہدین ابنِ حجر مکی "شرحِ ہمزیہ" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر غیب کو کلیتہً مطلع نہیں فرماتا بلکہ مغیبات کی مخصوص جزئیات سے مطلع فرماتا ہے۔ انتہیٰ

مولانا جامی "شرح فص یعقوبیہ" میں فرماتے ہیں:

بعض اوقات میں بعض انسانوں کے لیے کسی آنے والے واقعہ کی اطلاع و انکشاف سے مقصود اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ عبد مکاشف کو کسی ایسے امر خاص کی اطلاع ہو جائے جس کی اطلاع اس کو اللہ تعالیٰ کرا دینا چاہتے ہوں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ولا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الا بما شآء۔

پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک علمت علم الاولین والاٰخرین (میں اولین اور آخرین کا علم جان چکا ہوں) آپ کی اطلاع اور علم کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے اگرچہ کہ یہ بعض اوقات ہی میں ہو۔

اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ اعتراض درست نہیں کیوں کہ علم اولین و آخرین بھی اللہ تعالیٰ کی معلومات کی طرف نسبت کریں تو خود بھی ایک امر خاص ہی ہے۔ اور اگر علم اولین اور آخرین سے عموم تسلیم کر لیں تو حدیثِ شریف سے ثابت شدہ آپؐ کا علم علمِ کلی اور اجمالی ہونا مقام روح میں ہوگا۔ اور جس علم کی یہاں نفی کی گئی ہے وہ مقام قلب میں آپؐ کا علم تفصیلی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا بحر العلوم "مثنوی" کے پہلے دفتر کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

انسانِ کامل بالخصوص قطب الاقطاب اپنی سیر تمام کرنے اور فنا کے بعد بقا کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد اعیانِ ثابتہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس کے اندر یہ استعداد پیدا ہونے کے بعد ہی اعیان منکشف ہوتے ہیں۔ پس جس حال میں کہ اس پر اعیان جاری ہوتے ہیں یا جاری ہوں گے تو اجمالاً منکشف ہوتے ہیں۔ اس وقت اس کے اوپر سعادت ازلیہ اور شقاوت ازلیہ ہر دو آشکار

ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام اعیان ممکنات اپنے تمام احوال کے ساتھ بالتفصیل اس کے اوپر منکشف ہو جاتے ہیں۔ یہ بات تو انسان کے حق میں محال ہے جیسا کہ فصوص الحکم میں سے ثابت ہے:

اور یہ بات (تمام اعیان ممکنات اپنے احوال کے ساتھ تفصیل سے انسان پر منکشف ہونا) کیسے ممکن ہو سکتی ہے اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوات لازم آئے گی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سورۂ مزمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس طریقہ (تقرب بہ ذکر) سے مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ تقرب پیدا کرلے تو یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ اس نوع کے تقرب میں متقرب الیہ کے لیے دو چیزیں چاہیے:

پہلی چیز:۔ زمانوں، مکانوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود ذاکر کے اذکار قلبیہ اور لسانیہ کا علمی احاطہ ہے۔ تاکہ ہر ذاکر کے ذکر لسانی اور قلبی کو معلوم کر سکے۔

دوسری چیز:۔ نزدیک ہونا اور اس کے عقل و ذہن میں سما جانا اور اس کو پُر کرنا اور اس کی صفت کا حکم پیدا کرنا ہے۔ جس کو شریعت کی زبان میں دنو، تدلی، نزول اور قرب کہتے ہیں۔

یہ دونوں صفتیں صرف اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے جو کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے بعض معبودوں کے حق میں اور بعض پیر پرست اپنے پیروں کے حق میں پہلی چیز کو ثابت کرتے ہیں۔ اور ضرورت و احتیاج کے وقت اسی اعتقاد کے ساتھ ان معبودوں اور پیروں سے استعانت طلب کرتے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہ ہوگا اور در حقیقت یہ لوگ اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں اور اشتباہ کا بیان یہاں غیر موزوں ہے۔ اور ان ہی دو چیزوں سے سلوک کا کارخانہ مکمل ہوتا ہے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ بندہ رب کے ساتھ نزدیک ہو جائے۔

نیز شاہ صاحب اسی سورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے یاد کرنے والے کی جانب نزول فرماتا ہے اور قریب ہوتا ہے اور اس کے عقل و ذہن کو پُر کرتا ہے۔ اور اس کے لطائفِ باطنہ پر مستولی اور غالب ہوتا ہے۔ اور اس واقعی اور حقیقی نزدیکی کے ذریعہ اس کی روح کی روح کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔ اور جو

نسبت کہ روح کو جسم کے ساتھ ہے اس نزدیکی کو اس کی روح کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور دوسری مخلوقات
ہر چند کہ روحانیات ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ علم محیط نہیں رکھتی ہیں کہ ہر ذاکر کے ذکر پر مطلع ہو سکیں اور
دوسری بات یہ ہے کہ وہ روحِ ذاکر پر دائمی غلبہ حاصل نہیں کر سکتے ۔ کیوں کہ مخلوق کی حالت یہ ہے کہ جب وہ
کسی ایک کام میں مشغول ہوں تو دوسرے کام کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اُسے
ایک کام دوسرے کام سے غافل نہیں کر سکتا ۔

ان تمام اسناد اور روایات کا ماحصل یہ ہے کہ احاطۂ علمی صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے
جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ۔ اگر کوئی شریک ہوتا تو افضل المخلوقات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جاسوس
اخبار نویس اور مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اور نر کھجور کے خوشہ کو مادہ کھجور کے خوشہ کے ساتھ ملا دینے کے مسئلہ
میں انتم اعلم بامور دنیاکم نہ فرماتے ۔ اور امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور بی بی رقیہؓ
جب حبشہ ہجرت کر گئے تو اُن کی خیریت و کیفیت معلوم کرنے کے لیے بے چین اور مضطرب نہیں رہتے ۔ اور ایک ضعیفہ
خاتون سے ان کے حالات دریافت نہ فرماتے ۔ اور وحی کی آمد سے قبل ہی منافقین کی تہمت اور حضرت عائشہؓ کی برأت
سے مطلع ہو جاتے ۔ اور حضرت عاصمؓ اور دیگر صحابہؓ کرام کو اطراف مکہ اور ستّر صحابہ کو نجد نہیں روانہ کرتے اور یہ حضرات
کفار کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوتے ۔

اور حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند یوسفؑ کے فراق میں آنسو نہیں بہاتے اور نہ آپؑ کی آنکھوں کی روشنی
ختم ہوتی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں پر اعتراض کرتے اور حضرت ہارونؑ کی
موجودگی کے باوجود قوم کے مبتلائے شرک ہونے پر غصہ میں آکر حضرت ہارونؑ کی ریشِ مبارک نہیں پکڑتے اور
ان کے سر کے بالوں کو نہیں کھینچتے اور اُن کی اہانت نہیں کرتے ۔ اور اپنے عصا کے اژدھا ہونے سے بے خبر نہیں رہتے ۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو عصا سمجھا جو فی الحقیقت عصا نہ تھا ، اژدھا تھا اور اپنا راز خود ظاہر
کر رہا تھا ۔ جب ایسا بادشاہ ہی عصا کے راز کو نہیں جان سکا تو چھپے ہوئے جال اور بکھرے ہوئے دانوں کے اسرار
کیا جان سکتا ہے ؟

نیز جاننا چاہیے کہ صور مکشوفہ کا ظہور صاحبِ کشف (وہ شخص جس کے دل میں امور غیبی کے اسرار ظاہر

ظاہر ہو جائیں) کے قابو میں نہیں ہے بلکہ یہ چیز ارادہ الٰہی کے تابع ہے۔ علامہ قیصری "شرح فصوص الحکم" میں فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالےٰ ان صورتوں کے ظہور کا ارادہ فرماتا ہے جن کی نوع اس عالم کے اندر صورت عنصبیہ میں موجود نہیں ہے۔ جیسے عقول مجردہ وغیرہ تو یہ صورتیں اشکال محسوسات کے ذریعہ تشکل وصورت اختیار کر لیتی ہیں ان مناسبات کے ذریعہ جو اُن کے درمیان اور اشکال محسوسات کے درمیان ہوتی ہیں۔ تشے متشکل کے استعداد کے مطابق مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت وحیہ کلبی کی صورت اور دوسری شکل میں ظاہر ہونا۔ جیسا کہ اسلام ایمان اور احسان سے متعلق سوال کی حدیث سے ظاہر ہے جس کو حضرت عمرؓ نے روایت کی ہے۔

اسی طرح باقی ملائکہ سماویہ اور عنصریہ اور جنّات بھی دوسری شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ کہ جنّات کے لیے اجسامِ ناریہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: 'خلق الجان من مارج من نار۔

اور انسانیت کاملہ کے مالک نفوسِ قدسیہ بھی اپنی محسوس شکلوں کے سوا دوسری صورتوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں، حالاں کہ وہ اسی دنیا میں ہیں۔ اپنے بدنوں سے انسلاخ کی قوت کی وجہ سے اور آخرت کی جانب انتقال کے بعد بھی وہ دوسری صورتوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ اس انسلاخی قوت کی زیادتی کے باعث اور جسمانی موانع کے مرتفع ہو جانے کی وجہ سے اور ان نفوس قدسیہ کو تمام عوالم ملکوتیہ میں دخل رہتا ہے جس طرح عالم دنیا کے اندر ملائکہ کا دخل رہتا ہے اور جیسے ملائکہ اہل دنیا کی شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں۔ اور انھیں یہ قوت اور طاقت بھی ہوتی ہے کہ وہ مکاشفین کے خیالات میں خواب وبیداری کی حالت میں ظاہر ہوں۔ جیسا کہ اُن کے خیالات میں ملائکہ اور جنّات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کو 'بُدلاء' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ صور مرئیہ کا ظہور ارادۂ الٰہی کے تحت ہے۔ کبھی مرئی کے ارادہ سے ہے تو کبھی رائی کے ارادے سے۔ اور کبھی دونوں کے ارادے سے اور کبھی دونوں کے ارادہ کے بغیر۔ علامہ قیصری "فصِ یوسفی" کی شرح میں لکھتے ہیں:

جان لیجیے کہ مرئی کا ظہور اپنی اصلی صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں یا اپنی ہی صورت میں کبھی اس کے اپنے ارادہ سے ہوتا ہے اور کبھی رائی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اور کبھی مرئی اور رائی دونوں کے ارادے سے اور کبھی ان دونوں کے ارادے کے بغیر ہوتا ہے۔

پہلے کی مثال یعنی (مرئی کے ارادے سے ظہور کی مثال) انبیاء کرام میں سے کسی نبی کے پاس

فرشتہ کا مختلف صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ظاہر ہونا۔ اور انسانوں میں سے انسان کامل کا بھی بعض صالحین پر غیر کی صورت میں ظاہر ہونا۔

دوسرے کی مثال یعنی رائی کے ارادے سے ظہور کی مثال: فرشتوں اور انسانوں کی ارواح میں سے کسی اور روح کا ظہور کسی انسانِ کامل متصرف کے، اس کو اپنے عالم میں بلانے کی وجہ سے ہو۔ تاکہ اس معنی کا انکشاف ہوجائے۔ جس کا جاننا اس روح کی آمد کے ساتھ مخصوص ہو۔

تیسرے کی مثال یعنی رائی اور مرئی دونوں کے ارادے سے ظہور کی مثال: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے اللہ تعالیٰ کے بھیجنے کی وجہ سے جبرئیلؑ کا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔

چوتھے کی مثال یعنی رائی اور مرئی دونوں کے ارادہ کے بغیر ظہور کی مثال: زید کا عمر کو خواب میں دیکھنا ہے اور یہ دیکھنا دونوں کے ارادے کے بغیر ہو۔

مؤلف "انسان کامل" باب نمبر باسٹھ ۶۲ میں لکھتے ہیں: کہ

اللہ تعالیٰ فرشتہ اسمٰعیل کو فلک قمر کے جمیع املاک پر حاکم بنا رکھا ہے اور اسمٰعیل قمر کی روحانیت کا نام ہے۔ جب اسمٰعیل کسی بھی فرشتے کو کسی امر کا حکم دیتا ہے اور وہ فرشتہ اس حکم کو بجالاتا ہے تو اس کو اپنی کرسی پر بٹھاتا ہے جو تصویر خانہ کے نام سے موسوم ہے۔ پس وہ فرشتہ اس کرسی پر جس صورت میں اس کو نزول کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسی شکل میں متشکل ہو کر بیٹھتا ہے اور وہ اپنی حالت بسیطہ کی طرف ہرگز نہیں لوٹے گا بلکہ اپنی جزوی تشکیل و تصویر ہی پر اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے باقی رہے گا۔ اس لیے کہ ارواح جب مختلف صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں متشکل ہوتے ہیں تو اپنے طور پر اس صورت کو چھوڑ کر اپنی اصلی حالت بسیطہ پر لوٹ کر آنا ممتنع ہے لیکن یہ بات ان کے دائرۂ قوت میں ہے کہ وہ جس صورت میں چاہیں متشکل ہوں بغیر اپنی اس صورتِ اصلیہ کو چھوڑنے کے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان ارواح کے لیے حکمت رکھی ہے اور یہ روحانی صورتیں درحقیقت کلمات اللہ ہیں جو موجودات کے ساتھ قائم ہیں۔ پس جب ارواح دائرۂ علمی سے نکل کر ذاتی روشنی میں آتی ہیں تو وجود میں اپنی ذات کے ساتھ باقی رہتی ہیں۔ پس تمام مخلوقات کے اجسام معدنیات نباتات، حیوانات وغیرہ کے ارواح اسی صورت پر قائم رہتے ہیں جس پر ان کے اجسام رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ جسم زائل ہوجائے تو روح تسبیح پڑھتے ہوئے اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ باقی

رکھے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو فنا کے لیے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ بقا کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور صاحبِ کشف جب کسی امر کے کشف کا ارادہ کرے تو وہ ارواح اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جو اللہ کے کلمات ہیں۔ پس صاحبِ کشف ان ارواح کو ان کی ذاتوں ان کے اسماء اور ان کے اوصاف کے ساتھ پہچان لیتا ہے۔ اس لیے کہ ارواح وجودی میں سے ہر روح ان لباسوں میں ظاہر ہوتی ہے جو جسم پر اوصاف، نعوت اور اخلاق کی حیثیت سے چسپاں تھے یہ وہ جسم ہے جس کی تدبیر ارواح کرتی رہتی ہیں۔ اور اس جسم کی مثال حیوانات، معدنیات، نباتات اور مرکب و بسیط ہے یا اس صورت پر ظاہر ہوتی ہے کہ روح اس صورت کے لیے روح اور معنی ہوتی ہے۔ اور اس صورت کی مثال الفاظ، اعمال، اعراض اور ان جیسی چیزیں ہیں۔ ایسا اس صورت میں ہوگا جب کہ روح عالمِ علمی سے عالمِ عینی و ذاتی میں ظاہر ہو۔ اگر وہ عالمِ علمی ہی میں رہے تو صاحبِ کشف ان ارواح کو انواع خلق کی بہت ساری صورتوں پر قائم دیکھے گا۔ جو اپنے مظہر جسم یا صورت کے لیے اوصاف اور اعمال ہوں گے۔ لیکن اس حالت میں صاحبِ کشف جانتا ہے کہ ان ارواح .... کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اگر ہے تو ان کی حقیقت کے اعتبار سے ہے تو پھر صاحبِ کشف حقیقتِ ارواح سے ان کی حقیقت کے اقتضا کے مطابق جو علوم چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر صاحبِ کشف ان ارواح کو عالمِ عینی و ذاتی میں ظاہر ہونے کے بعد دیکھے تو وہ جانتا ہے کہ اس وقت ارواح کا وجود ارواح ہونے کی حیثیت سے ہی ہے تو صاحبِ کشف ان ارواح سے بات چیت کرتا ہے تو ارواح اپنے علوم و حقائق کے مطابق اس کی بات کا جواب دیتی ہیں۔ اس مشہد میں ان روحوں کے حاضر ہونے کی جگہ میں بعض انبیاء اور اولیاء بعض کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ میں اسی مشہد میں یمن نامی گاؤں میں ۸۰۰ھ ربیع الاول کے مہینے میں تمام نبیوں رسولوں کو اولیاء کو اور ملائکۂ مسخرات غیر مسخرات کو دیکھا اور تمام موجودات کی روحانیۃ کو دیکھا۔ ازل سے ابد تک حقائق امور کا انکشاف ہوا اور میں نے ایسے علوم الوہیت کی تحقیق کی ہے کہ ان کے ذکر کے لیے یہ کائنات کافی نہیں ہے۔ اس مشہد میں تھا جو کچھ تھا نیک گمان رکھو وہاں کی خبروں سے متعلق سوال مت کرو۔ اس تشریح اور توضیح کے سمندر میں بیان کے غوّاص نے ہمارے ساتھ غوطہ لگایا یہاں تک کہ تقدیر نے ہمیں ان موتیوں کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا۔ انتہی۔

امام ربانی مجدّد الفِ ثانی "رسالہ مبدا و معاد" میں فرماتے ہیں کہ:

ایک شخص صوفیوں کے لباس میں ملبوس تھا اور بدعتِ اعتقادی میں مبتلا تھا۔ یہ فقیر اس کے

معاملہ میں تردّد رکھتا تھا۔ اتفاقاً میں دیکھتا ہوں کہ انبیاے کرام جمع ہیں اور اس شخص کے حق میں بیک زبان ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں: لیسَ منّا، ہم میں سے نہیں ہے۔ اس اثنا میں میرے قلب میں یہ بات گزری کہ ایک دوسرا شخص جس کے معاملہ میں فقیر کو تردّد تھا اس کے بارے میں بھی استفسار کر لیا جائے۔ اس کے بارے میں ارشاد ہوا کان منّا، ہم میں سے ہے۔

نیز امام ربّانی مکتوبات کی پہلی جلد میں ۲۵۹ ویں مکتوب میں پہاڑ کی گھاٹی میں بسنے والے اصنام پرست انسانوں کے بارے میں رقمطراز ہیں:

یہ لوگ نہ جنّت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلکہ بعثت اور دوسری زندگی کے بعد ان کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب لے کر جرم کے انداز ہ کے مطابق عذاب دیا جائے گا اور حقوق کی ادائیگی کے بعد ان کو غیر مکلّف حیوانات کے رنگ میں معدوم مطلق اور لاشئ محض قرار دیا جائے گا۔ پھر خلود اور دوام کہاں اور مخلد کون؟ جب یہ غریب اور نادر معرفت کو انبیائے کرام کے محضر میں پیش کیا گیا تو تمام نے تصدیق کی اور قبول فرمایا۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ۔ انتہی۔

یہ بات بھی اسی مقام اور مرتبہ کی خبر دیتی ہے۔

خاتم المجتهدین علامہ ابنِ حجر مکّی بعض اہلِ علم سے "شرحِ ہمزیہ" میں حکایت کرتے ہیں کہ یہ بات معروف اور معلوم ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مزار مبارک میں زندہ ہیں

بے شک اس شخص کے حق میں یہ بات بعید نہیں ہے جس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے شرف و عزّت حاصل ہو۔ اس کو یہ اعزاز و اکرام بھی حاصل رہے کہ اس کے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حجابات اٹھا دئے جائیں۔ پس آپؐ اپنی مزار مبارک میں ہوتے ہوئے بھی اولیائے کرام بیداری کی حالت میں آپؐ کو مزار مبارک میں دیکھ لیتے ہیں۔ اور آپؐ سے گفتگو کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ کہ ان کے اوطان و دیار دور ہوں اور ان کے درجات ایک ہی حالت میں مختلف اور متفاوت ہوں۔

اس عظیم اور باہر کرامت کی وجہ سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ بے شک یہ اولیاء اللہ بھی صحابیٔ رسول ہیں کیوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سے صحبت منقطع ہو چکی اور اگر کوئی شخص آپؐ کو آپؐ کی

وفات کے بعد یا آپؐ کے جسم اطہر کی تدفین سے قبل دیکھا تو وہ صحابی نہیں ہے۔ پس یہ لوگ بھی اسی طرح بطریق اولیٰ صحابی نہ ہوں گے۔

نیز اسی کتاب "شرح ہمزیہ" میں لکھتے ہیں۔ جس کی حکایت حضرت ابن حمزہ، امام بارزی، امام یافعی اور ان کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کی جماعت نے کی ہے۔ کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پس اس کے بعد بیداری کی حالت میں آپؐ کو دیکھا۔ اور آپؐ سے غیب کی اشیاء سے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے اُن کو ان باتوں کی خبر دی اور وہ امور اسی طرح ثابت تھے جس طرح کہ آپؐ نے خبر دی۔

ابن ابی حمزہ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہیں۔ ان باتوں کے انکار کرنے والے کے حق میں یہ بات لازم آئے گی کہ وہ اولیاء اللہ کی کرامات کے انکار کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔

"منقذ الغزالی" میں ہے:

ارباب قلوب کبھی کبھی بیداری کی حالت میں ملائکہ اور انبیائے کرام کی ارواح کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے کچھ آوازیں سنتے ہیں اور ان آوازوں سے کچھ فوائد و مطالب اور اسرار و معانی اخذ کر لیتے ہیں۔

نیز اسی کتاب میں ہے:

قطب اکبر ابو الحسن شاذلی کے وارث و نائب قطب ابو العباس المرسی یہ دونوں حضرات حالتِ بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں۔ بلکہ ابو الحسن شاذلی نے یہاں تک فرمایا کہ میرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک لمحہ کے لیے بھی حجاب واقع ہو تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتا۔

نیز اسی کتاب میں رقمطراز ہیں:

میرے شیخ اور والد شمس الدین محمد بن ابی الحمائل اکثر و بیشتر بیداری کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے اور جب کبھی ان کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو فرماتے تھے، میں اس مسئلہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں پھر اس کے بعد اپنے سر کو اپنی قمیص کی جیب میں داخل کرتے تھے یعنی مراقبہ کرتے پھر فرماتے تھے کہ اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ پس وہ بات اسی طرح ہوتی تھی۔ جس طرح کہ وہ بتلائی جاتی اور کبھی بھی اس سے مختلف نہیں ہوتی۔

لہٰذا ان باتوں کے انکار سے احتراز کر اجتناب کر اس لیے کہ یہ ہلاک کر دینے والا زہر اور سانپ ہے۔

انتہی۔

اس مقام پر کشف کے ذریعہ بارادۂ الٰہی کثرت کے ساتھ ظہور میں آئی ہوئی اشیاء کا جائزہ لینا چاہیے۔

حاصل کلام!

مستقل غیب دانی اور احاطۂ علمی ہر دو صفت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں۔ اور اس صفتِ خاصہ میں کوئی مخلوق اللہ کے ساتھ شریک نہیں۔ علم غیب کے مسئلہ میں بھی بعض عوام افراط و تفریط کا مظاہرہ کرتے ہیں

•••••

فائدہ نمبر ۳۰

علاماتِ انبیاء و اولیاء

صاحبِ تفسیرِ رحمانی فقیہ علی مہایمی "سورۂ فاتحہ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے اپنی کتاب "منہاج" میں فرمایا: انبیاء کرام اور اولیائے عظام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدح وستائش، عزت وعظمت اور محبت والفت فرماتا ہے اور اُن کے امور اور اُن کے رزق کی کفالت فرماتا ہے۔ اور اُن کے دشمنوں سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ان کا دوست ومونس رہتا ہے۔ اور اُن کے نفوس و ذوات کو عزیز رکھتا ہے۔

یہ حضرات بادشاہوں کی خدمت پر راضی نہیں ہوتے ہیں اور دنیا کی نجاست وپلیدی سے اُن کے حوصلے متاثر اور آلودہ نہیں ہوتے اور اُن کے قلوب روشن ومنوّر ہوتے ہیں۔ اور وہ نگاہ ودل سے حقائق کا معائنہ کرتے ہیں اور اُن پر آنِ واحد میں ایسے ایسے علوم ومعارف اور دقائق منکشف ہوجاتے ہیں جن تک دوسروں کی رسائی طویل عمر صرف کرنے کے بعد اور بڑی محنتوں اور ریاضتوں کے بعد ہوتی ہے۔ اور اُن کو شرحِ صدور کی نعمت حاصل رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دنیا کی آزمائشوں اور اس کے آلام ومصائب اور لوگوں کے مکروفریب سے تنگ دل اور مایوس نہیں ہوتے۔

اور اللہ تعالیٰ اُنکی ہیبت وعظمت جابر وظالم اشخاص کے دلوں پر مسلط کردیتا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت والفت ڈال دیتا ہے اور اُن کی گفتگو میں اور اُن کے نفوس میں اور اُن کے کاموں میں اور اُن کے رہنے کے مقامات میں اور اُن کی صحبت میں رہنے والوں بلکہ اُن کی ملاقات کرنے والوں میں برکت عطا فرماتا ہے۔ اور اُن کے لیے بحروبر کو مسخر کردیتا ہے جس کی وجہ سے فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں۔ اور پانی پر چلتے پھرتے ہیں اور آنِ واحد اور قلیل ساعت میں مسافتِ بعیدہ کو طے کرلیتے ہیں۔ اور اُن کے لیے حیوانات کو مسخر فرماتا ہے۔ اور وہ زمین کی کنجیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ پس وہ جہاں کہیں اپنا ہاتھ ماریں اُن کے لیے اس کے اندر خزانہ موجود رہتا ہے۔ اور جہاں وہ ٹھوکر ماریں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑے اور اگر وہ قدر ومنزلت، جاہ وجلال طلب کریں تو حاصل ہوگا۔ جس سے وہ ہر طرح کی حاجت پوری کرلیں

اور اُن کی دعائیں مقبول و مستجاب ہوتی ہیں اور اگر وہ کسی پہاڑ کی جانب اشارہ بھی کردیں تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے اُن پر یہ بھی نعمتِ الٰہی ہے کہ سکراتِ موت کو اُن کے لیے آسان کردیا جاتا ہے۔ اور وہ ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں اور اُن کی طرف روح اور ریحان بھیجے جاتے ہیں تاکہ انھیں امن و امان اور عافیت کی بشارت دیں۔

اور اُنھیں جنّت میں ہمیشہ ہمیشہ رکھا جاتا ہے اور آسمانوں کے فرشتے اُن کی ارواح کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اُن کے جنازہ میں انسانوں کا جمِ غفیر شامل رہتا ہے۔ اور وہ قبر کے فتنے سے مامون اور محفوظ رہتے ہیں اور اُن کے لیے قبر وسیع اور منور کردی جاتی ہے جس سے اُن کی روحیں مانوس ہوجاتی ہیں اور سبز پرندوں میں ان کی ارواح رکھ دی جاتی ہیں اور اُن کا حشر عزت و کرامت کی حالت میں ہوگا اور اُن کے سروں پر تاج رہے گا اور بدنوں پر پوشاک رہے گی اور وہ براق پر فائز رہیں گے۔ اور اُن کے چہرے چمکتے دمکتے رہیں گے اور وہ قیامت کی ہولناکیوں سے مامون و محفوظ رہیں گے۔ اور اُن کا نامۂ اعمال اُن کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور اُن کا حساب بہت آسان اور ہلکا ہوگا۔ اور ان میں سے بعض حضرات کا حساب ہی نہیں لیا جائے گا۔ اور اُن کے میزان ثقیل ہوں گے اور اُن میں سے بعض تو میزان کے پاس رد کے بھی نہیں جائیں گے۔ اور وہ حوضِ کوثر کے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے اور وہ چشم زدن میں پل صراط کے اوپر سے گزر جائیں گے اور دوزخ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہے گا۔ اور وہ اس کی آوازیں بھی نہ سُن سکیں گے۔ اور وہ انبیاء کرام کی طرح گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اُن کو ملکِ دوام سے سرفراز کیا جائے گا۔ اور انھیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رضامندی حاصل ہوگی اور وہ رب العالمین سے ملاقات کریں گے۔

نبی کی حقیقت

سندالعلماء شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی "تفسیرِ عزیزی" میں رقم طراز ہیں:

نبی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک انسان ہے اور ہر انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک قوتِ نظریہ جس سے وہ اشیاء کی حقیقت کو جانتا اور سمجھتا ہے دوسری قوتِ عملیہ جس سے اچھے اور بُرے اعمال صادر ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ براہ راست نبی کی بلا واسطۂ بشر اس طرح تربیت فرماتا ہے کہ نور القدس کی تاثیر نبی کی قوتِ نظریہ میں اس طرح واقع ہوتی ہے کہ اس کی معلومات میں غلطی اور اشتباہ کا امکان ہی نہیں رہتا۔

اور اس کی قوتِ عملیہ میں ایسا ملکہ پیدا فرماتا ہے کہ جس کی وجہ سے نبی سے صالح اعمال انتہائی رغبت کے ساتھ صادر ہوتے ہیں اور وہ انتہائی نفرت کے ساتھ فاسد اعمال سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جب اس کی جسمانی قوتیں حدِ کمال کو پہنچ

جاتی ہیں اور عقل بھی تجربہ و کمال کی حد کو پہنچ جاتی ہے تو اس کو انسانوں کی تعلیم و تربیت اور تکمیل کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ اور معجزات کے ذریعہ اس کی تصدیق کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ معجزہ کبھی اقوال کی جنس سے ہوتا ہے (جیسے قرآنِ کریم) تو کبھی افعال کی جنس سے ہوتا ہے جیسے انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا۔ معجزات کے ساتھ ساتھ نبی کو آیاتِ عقلیہ سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ خواص کے لیے ایمان قبول کرنے کا سبب ہوتے ہیں۔ جس طرح معجزات عوام کے لیے ایمان لانے کا سبب ہوتے ہیں۔

آیاتِ عقلیہ کی چند قسمیں ہیں جن میں سے اخلاقِ کریمہ، علوم صادقہ، بیان شافی، حجّت اور صحبت کے برکات بھی ہیں۔ اور عوام معجزات سے استدلال کرتے ہیں اور کاملین کمالاتِ نبوت سے استدلال کرتے ہیں اور خواص روحانی امراض کے علاج اور ناقص افراد کی تعلیم و تکمیل اور صحبت کے ثمرات و برکات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نبی کی نبوت پر کامل یقین حاصل کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کی حقیقت

بعض اوقات انبیائے کرام ایسی چیز بیان کرتے ہیں جس کو عقل بھی قبول کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کے کمال کی صفات اور بعض اوقات ایسی چیز بیان کرتے ہیں کہ عقل اس کو بہت کم سمجھ پاتی ہے۔ جیسے بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ کا حکم۔ اعمال صالحہ اور اعمال فاسدہ پر ثواب اور عتاب کی تفصیلات کا بیان اور بعض اعمال کی حالت و کیفیت کا بیان جو کبھی نیک ہوتے ہیں تو کبھی وہ برے ہوتے ہیں پس اگر انبیائے کرام کا بیان ہمراہ آیاتِ عقلیہ اور معجزات نہوں تو عقلِ محض اور بالخصوص عوام کی عقل ان باتوں کو تسلیم نہیں کرے گی اور صحبت کا فائدہ بھی متحقق اور ثابت نہ ہوگا۔ بقدر ضرورت نبی کا معنی اور مفہوم جان لیا گیا ہے تو اب تصدیق کا معنی بھی جان لینا چاہیے۔

صدیق کا معنی

صدیق وہ ہے جس کی قوتِ نظری، نبی کی قوتِ نظری کی طرح کامل ہوگی۔ اوائل عمر ہی سے دروغ گوئی اور منافقانہ بات چیت اس کے مزاج میں نہ ہوگی اور اس سے دینی مقامات میں اخلاصِ کامل کا ظہور ہوگا اور اس کے مزاج میں اصلاً حظِ نفس کی آمیزش نہ ہوگی۔ اور صدیق کی یہ بھی علامتیں ہیں کہ وہ اپنے عزم و ارادہ میں تردد نہیں کرے گا۔ اور نماز میں دائیں اور بائیں جانب متوجہ نہ ہوگا۔ خواہ کتنا ہی عظیم ترین حادثہ پیش آجائے اور اس کے ظاہر و

باطن میں تضاد نہیں ہوگا اور وہ کسی شخص پر لعن طعن نہیں کرے گا اور خواب کی تعبیر خوب تر جاننے والا ہوگا۔

شہید کا معنی

شہید وہ ہے جس کا قلب مشاہدہ کی نعمت سے بہرور ہوگا۔ اور جو چیز انبیائے کرام کے ذریعہ پہنچتی ہیں وہ اُس کو اس انداز سے پہنچتی ہیں کہ اس کا قلب اس چیز کو قبول کر لیتا ہے۔ گویا وہ اس چیز کی حقیقت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اسی لیے دین کی راہ میں جان قربان کر دینا اس کے نزدیک بہت ہی سہل ہوتا ہے۔ گو کہ ظاہری اعتبار سے مقتول نہ ہوا ہو اور اس کی قوتِ عملیہ کمال میں نبی کی قوت کے قریب قریب ہوتی ہے۔

صالح کا معنی

صالح وہ ہے اس کی دونوں قوتیں (نظری اور عملی) انبیائے کرام کے کمال کے مرتبہ سے کمتر ہوتی ہیں۔ لیکن کمالِ متابعت کی وجہ سے وہ اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک وصاف کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور اپنے باطن کو فاسد اعتقادات اور مذموم اخلاق سے دور رکھتے ہوئے ذکر الہٰی سے اس قدر آراستہ کیا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے اندر کسی دوسری چیز کی شمولیت کی گنجائش نہیں رہتی۔

ہر چند کہ ولی کا نام ان تینوں گروہوں کو شامل ہے۔ لیکن زیادہ تر اس لفظ کا اطلاق صالحین پر کیا جاتا ہے۔ اور جو چیزیں کہ ان چاروں گروہوں کو شامل ہیں۔ وہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور اُن کے رزق کی کفالت احسن نہج سے فرماتا ہے کہ وہ دیگر انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور ان کو دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور غربت و اجنبیت میں ان کا مونس وغم خوار رہتا ہے۔ اور ان کے نفوس میں غیریت اور حمیت ودیعت فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ امراء و سلاطین کی خدمت پر راضی نہیں ہوتے اور ان کے عزائم اور حوصلوں کو بلند فرماتا ہے دنیا کی پلیدیوں اور بداخلاقیوں سے راضی نہیں ہوتے اور ان کے دلوں کو منوّر فرماتا ہے۔ اور ان حضرات کو ایسی چیزوں کا علم حاصل رہتا ہے جو اُن کے علاوہ اربابِ فکر ونظر کو شدید جدوجہد اور عمر طویل صرف کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور اُن کے سینوں کو کشادہ فرماتا ہے۔ دنیا کی محنتوں، مشقتوں اور اس کی مصیبتوں سے اور رشتہ داروں کے فوت ہونے سے اور دیگر تکلیفوں سے اور سختیوں سے و مصیبتوں سے تنگدل نہیں ہوتے۔

نیز ان حضرات کے اندر ایک ہیبت وعظمت اور جلالت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے سرکش لوگوں کے دل بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور ان کے کلام میں برکت، ان کے نفوس میں برکت، ان کے افعال میں برکت

اُن کے اماکن میں برکت، اُن کے ہم نشینوں میں برکت، اُن کی اولاد و نسل میں برکت، اُن کی زیارت کرنے والوں میں برکت پے در پے ظاہر فرماتا ہے اور اپنے نزدیک ان حضرات کو ایک ایسا مقام بخشتا ہے جس کی وجہ سے ان کی دعائیں مقبول و مستجاب ہوتی ہیں۔ بلکہ جو کوئی ان کا وسیلہ لے تو اس کی حاجت پوری فرماتا ہے۔

اور جو علامات و خصوصیات کہ ان حضرات کو عالم برزخ میں اور مواقف قیامت میں اور عالم ملکوت میں دی جاتی ہیں کہ وہ اس قبیل سے نہیں ہیں کہ عام مسلمان ان سے استدلال کر سکیں۔ اِلّا یہ کہ ان عوالم کے مشاہدے کے بعد ہی استدلال اور تصدیق کر سکیں۔

●

ذیل میں مجددِ جنوب حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کے دو فتووں کا ترجمہ فارسی متن کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک فتویٰ جو مُردے کے کفن پر قرآنی آیتیں، اسمائے الٰہی لکھنے اور کفن میں مشائخ طریقت کا شجرہ رکھنے سے متعلق ہے۔ آپؒ نے یہ فتویٰ اپنے شاگردِ رشید و خلیفۂ سعید مولانا مولوی شاہ عبدالحی قادری واعظ بنگلوری کے استفسار پر تحریر فرمایا ہے۔

دوسرا فتویٰ اذان اور اقامت میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کا کلمہ سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں کو مس کرنے کے متعلق ہے جس کو آپؒ نے میر محی الدین صاحب کے استفسار پر لکھا ہے۔

ابو النعمان بشیر الحق قادری

کفن پر الم نشرح تحریر کرنا

از تحریر سورۂ الم نشرح بر دامنی کفن زبان استفسار رفتہ بود۔

کرم الطوار

در تحریر سورۂ الم نشرح بر دامنی کفن از سنّتِ نبوی وکتب فقہی یافتہ نشد بلکہ صاحب نصاب الاحتساب می نگارد کہ نوشتن اسمائے اللہ تعالیٰ یا آیتے از کلام اللہ بر کفن مردہ غیر مشروع است ومنہی عنہٗ

انتہیٰ

ولی بخش صدیقی ... اسما ...

بہاری در زاد آخرت از در المختار نقل می نماید اگر عہد نامہ بر جبہ یا بر عمامہ یا کفن مردہ نوشتہ شود امید است کہ خدائے تعالیٰ مغفرت او کند۔ انتہیٰ۔

فیہ ایضا مروی است کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بر کفنِ سلمان رضؓ نوشتہ بود

وفدت علی الکریم بغیر زاد
من الحسنات والقلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شیٔ
اذا کان الوفود علی الکریم

آپ نے عورتوں کے کفن کے دامن پر سورۂ الم نشرح تحریر کرنے سے متعلق سوال کیا تھا۔؟

کرم فرما!

دامنِ کفن پر سورۂ الم نشرح لکھنے سے متعلق سنّت نبویؐ اور فقہ کی کتابوں سے کوئی سند نہیں ملتی۔ بلکہ صاحبِ نصاب الاحتساب نے یہ لکھا ہے کہ مردہ کے کفن پر قرآنِ کریم کی کوئی آیت طیبہ یا اسمائے الٰہی کا لکھنا غیر مشروع (وہ کام جو شریعت کے موافق نہ ہو) اور منہی عنہٗ (وہ کام جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہو)

ہاں! مولا بخش صدیقی بہاری نے در مختار کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسمائے الٰہی اور آیاتِ قرآنی کے علاوہ دیگر چیزیں مثلاً عہد نامہ کو اگر مردہ کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کی مغفرت فرمائے گا۔

اس میں یہ بھی مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت سلمان رضؓ فارسی کے کفن پہ یہ شعر لکھا تھا:ـــ

وفدت علی الکریم بغیر زاد
من الحسنات والقلب السلیم

وایضاً مروی است کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ از امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ حدیث العمر سراج الجنۃ شنیدند وبخطِ حضرت علیؓ گرفتند و وصیت نمودند کہ در کفن خود نہند تا یوم القیٰمۃ دستاویز باشد۔

وتفسیر عزیزیہ است گویند عارفی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم را نویسانیدہ وصیت فرمود کہ در کفن من بگذارید مردم از وجہ آں پرسیدند۔ گفت شنیدہ ام کہ گدائے بر دروازۂ کلانِ بلند ایستادہ سوال کرد چیزے اندک باو دادند۔ رفت وتیشہ آورد و دروازہ را ہدم کردن آغاز نہاد۔ صاحبِ خانہ برآمد وگفت چہ می کنی؟ گفت یا دروازہ را لائق بخشش خود کن یا بخشش را لائق دروازہ وچوں ایں آیت دروازۂ کتاب است۔ روزِ قیامت مرا دستاویزے است محکم از و معاملۂ رحمت را درخواست نمایم۔

فان الزاد قبح کل شئی
اذا کان الوفود علی الکریم

کریم کے دربار میں حسنات اور قلب سلیم کے توشہ کے بغیر آپہنچا ہوں بے شک توشہ لے جانا بری بات ہے جب کہ کریم کی بارگاہ میں جا رہے ہو۔

نیز مروی ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بہ حدیث سنی العمر سراج الجنۃ (عمرؓ جنت کا چراغ ہیں) تو حضرت علیؓ سے اس حدیث کی تحریر لے کر اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دی جائے۔ تا کہ قیامت کے روز میرے پاس دستاویز رہے۔

تفسیر عزیزیہ میں مرقوم ہے کہ ایک اللہ والے بزرگ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دی جائے۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو عارف باللہ نے کہا:

میں نے سنا ہے کہ ایک فقیر نے ایک عالی شان مکان کے عالی شان دروازے پر سوال کیا۔ گھر والوں نے کوئی حقیر اور معمولی چیز لا کر اُسے دے دی۔ فقیر واپس آیا اور ایک کدال لے جا کر اس گھر کا عالی شان دروازہ گرانا شروع کر دیا۔ مالک مکان گھر سے باہر نکل آیا اور فقیر کی اس حرکت کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا: دروازہ کو

ازمولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ

دررسالۂ مطبوعہ یک جزوی کہ دریں بلاد مروج بود مروی است کہ شجرۂ پیرانِ طریقت را اندرونِ قبر درمحرابے نہند تا بنجاست و آلائش بدن میت آلودہ نگرد

پس ازیں اسناد و روایات ظاہر شد کہ الم نشرح را کہ سورۂ قرآنی است برکفن نوشتن روا است

آری بہ نیتِ شرح صدر و رفع تنگیٔ گور اگر در قبر بطور نہند کہ باآلائشِ بدنی آلودہ نگردد گنجائش دارد ۔ ؞

کو اپنی بخشش وعطا کے لائق بناؤ یا پھر اپنی بخشش کو اس عالی شان دروازہ کے لائق بناؤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چوں کہ کتاب اللہ کا دروازہ ہے ۔ میں کل قیامت کے دن اللہ تعالےٰ سے اس کے رحم وکرم کی درخواست کروں گا ۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ مشائخ طریقت کے شجرہ کو قبر کے اندر محراب میں رکھیں تاکہ میّت کے بدن کی نجاست و آلائش سے آلودہ نہ ہو ۔

ان اسناد اور روایات سے واضح ہوا کہ میت کے کفن پر سورۂ الم نشرح کو لکھنا جائز ہے

ہاں! شرح صدر اور قبر کی تنگی کو دور کرنے کی نیت سے قبر میں اس طرح رکھیں کہ بدن کی نجاست سے آلودہ نہ ہو تو جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے ۔ ؞

اشہد ان محمداً رسول اللہ کا کلمہ سُننے کے وقت آنکھوں پر انگوٹھا رکھنا۔

از مسئلہ نہادن ناخنِ انگشتان بر چشم ہا حین استماع کلمہ اشہد انّ محمداً رسول اللہ، استفسار بعمل آمدہ بود

کرم اطوار

ایں روایت را صاحبِ معارج نوشتہ است بعضے علما باستحباب ایں عمل رفتہ اند۔ و بعضے ازیں عمل منع کردہ و بوضعیّت روایت معارج سخن کردہ اند۔

تفصیل ایں مبحث چیزے از شرح نام حق باید جست بہر حال بعامل ایں عمل سندے ہست اگرچہ ضعیف باشد۔

علمائے نامدار موافق صحیح بخاری و صحیح مسلم عمل می نمایند و اجابت اذان سازند چناں چہ در شرح مشکوٰۃ دہلوی در باب الاذان کیفیتِ اجابتِ اذان و از اعمال غیر مشروعہ مروّجہ اذان بیشتر نشان می دہند۔

کرم فرما!

آپ نے اشہد انّ محمداً رسول اللہ کا کلمہ سننے کے وقت آنکھوں پر انگوٹھے اور انگلیاں رکھنے کا مسئلہ دریافت کیا تھا۔؟

اس روایت کو معارج النبوۃ کے مولف نے نقل کیا ہے۔ بعض علمائے کرام اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں اور بعض نے اس عمل سے منع کیا ہے اور صاحبِ معارج کی روایت کے ضعیف ہونے پر بحث کی ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل کا کچھ حصہ شرح نام حق میں ملاحظہ کیجیے۔ بہر کیف اس فعل پر عمل کرنے والے کے لیے ایک سند تو ہے اگرچہ کہ وہ ضعیف کیوں نہ ہو۔

نامور علماء صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد حدیثِ شریف کے موافق عمل کرتے ہیں اور اذان کا جواب دیتے ہیں۔ شرح مشکوٰۃ شریف باب الاذان میں اذان کا جواب دینے کی کیفیت اور اذان سے متعلق پھیلے ہوئے غیر شرعی اعمال کی خاصی تفصیل موجود ہے۔

ترجمہ و تلخیص

مولوی حافظ ابو النعمان محمد بشیر الحق قریشی قادری استاذِ دار العلوم لطیفیہ ویلور

مجددِ جنوب، سلطان المرشدین
حضرت مولانا مولوی الحاج شاہ محی الدین
سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ
نے اپنے تلامذہ و خلفاء، مریدین و معتقدین اور متعلقین و متوسلین کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند مکتوبات کا ترجمہ حاضر ہے ۔۔

مکتوب بنام سعید دارین محمد نظر محی الدین صاحب قاضی شہر نیلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ سلام و دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کے مکرر مکتوب جو ۲۳ ر ۲۶ رجب المرجب سنہ ۱۲۷۳ھ کی تاریخوں میں تحریر کئے گئے ہیں۔ دستیاب ہوئے اور مضامین مندرج سے مطلع کئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک نیز نیلور سے برخوردار برہان الدین صاحب کا مکتوب بھی نظر نواز ہوا۔ جس کے ذریعہ بھی آں سعادت آثار اور دیگر اشخاص کے احوال وکوائف سے آگاہی ہوئی۔

تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ سلطان محمود غزنوی باوجود کمال دنیاداری اور عظیم سلطنت کے امور مملکت کے نظم ونسق کے خاطر غزنی سے اپنے دار السلطنت خراسان گیا تو وہاں سلطان المقربین حضرت ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ کے احوال سُنا اور آپ سے ضمنی ملاقات کرنے کو پسند نہیں کیا اور دار الامارت واپس آیا اور اس کے بعد بالخصوص شیخ ابو الحسن خرقانی کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ اور آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ حالاں کہ یہ مسافت تقریباً دو ماہ کی تھی۔

کیا بات ہے کہ آپ سعادت آثار دودمانِ سیادت وکرامت کے ساتھ قرابت رکھنے کے باوجود ہم فقراء کو دنیوی اغراض کے ضمن میں رکھے ہوئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عزیز دل وجان حاجی محمد قادر محی الدین صاحب مدمجدہٗ وزاد قدرہٗ ہمارے متعلقین کے سرپرست ہیں۔ لیکن ہم فقراء کو ان کے معاملات میں ان کی جانب سے پہل کے بغیر دخل دینا تو کھولی حماقت ہے۔ ان کے استفسار و پیش قدمی کے وقت فقیر کو واقع کے اظہار اور طرفین کی خیر خواہی سے قاصر نہ سمجھیں۔ آپ کے خاندان کے لوگوں، برخورداروں اور تمام دوستوں کو سلام و دعا سنائیں اور فقیر کو فراموش نہ کریں۔ اللہ کی نصرت وتائید تمہارے ساتھ رہے۔ ..

مکتوب بنام نواب قادر علی خان بہادر ناگپوری۔ خلف الصدق نواب صدیق علیخان بہادر مغفور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام مسنون کے بعد قلب سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ مورخہ ۱۹ ر صفر سنہ ۱۲۷۲ھ کا التفات نامہ جو انتہائی لطف و کرم کے ساتھ فقیر کے نام تحریر کیا گیا ہے نظر نواز ہوا اور آپ کے جد امجد اور ہمارے جد امجد شیخ محترم کی دیرینہ و قدیم محبتوں اور الفتوں کی یاد تازہ کر دیا۔ محبت نامہ سے درویشوں کے ساتھ الفت و محبت کے آثار کی بو باس مشام جان میں پہنچی تو قلب خوشیوں اور مسرتوں سے سرشار ہوا۔

اہل اللہ اور صالحین کی جماعت کو محبوب رکھنے والے شخص کے لیے یہی بشارت کافی اور وافی ہے المرء مع من احبہ (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت و الفت ہوگی) اور اس جماعت کے ساتھ انس و محبت رکھنے والے اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کے لیے یہ خوش خبری سنائی گئی ھم قوم لا یشقی جلیسھم ولا یخیب انیسھم۔

اللہ تعالیٰ آپ میں اور آپ کے ہر کام میں خیر و برکت عطا فرمائے اور آپ کے ساتھ خیر و بھلائی اور احسان و کرم کا معاملہ فرمائے۔

یہ التفات و توجہ جو آپ ہم دور افتادہ فقراء کی جانب فرماتے ہیں اور انتہائی خلوص و محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے ہیں امید ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی عنایت و الطاف کا ذریعہ ہوگا اور اس کی رضا و خوشنودی اور رحمت و رافت کا ذریعہ ہوگا۔ انہ قریب مجیب۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اور آپ اس فانی لذتوں، چکنی و شیریں غذاؤں، پراگندہ تعلقات، رنگین و منقش لباس، جاہ و عزت کی طلب، شان و شوکت کی محبت جن کو باد فنا اڑا لے جائے گی، جن کو فنا کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ان چیزوں سے فریب نہ کھائیں اور باقی رہنے والی ذات جل جلالہٗ کی محبت و جمعیت کی بو باس ہمارے مشام جان میں پہنچائے اور اس مختصر سی دنیا کی گرفتاریوں اور بندشوں میں نہ الجھیں جو قبر میں ساتھ دینے والی نہیں ہے اور موت کی یاد اور آخرت کے احوال ہمارے پیش نظر رکھے۔ کار این دست وغیر این ہمہ ہیچ: یہی تو اصل کام

ہے باقی سب فضول اور ہیچ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آں والا مرتبت کے ظاہر کو شریعت مطہرہ کے ارکان کا عامل اور ملت زھرہ کے احکام کا پابند بنائے اور آں ذی شوکت کے باطن کو دنیا وما فیہا سے رہائی وخلاصی بخشے جو کہ خدا کی ملعون ہے۔ این کارِ دولت است کنوں تا کرا رسد : یہی تو اصل نعمت ہے۔اب کسی کے ہاتھ پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قائم رکھے اور آپ کی بقاء سے اسلام کی شان وشوکت اور قوت وطاقت کو باقی رکھے۔

مکتوب بنام
نواب دلیر خان بہادر دلیر جنگ۔ نواب شاہ نور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد! قلب سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ کا التفات نامہ جو انتہائی خلوص والفت کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ خلعت مرسلہ کے ساتھ دستیاب ہوا اور خیریتوں اور مسرتوں کے حسن انصرام کی نوید سے مطلع کیا۔ مجازی حقیقی اس کے مقابلہ میں راحتِ بے پایاں عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو اگر تم دین کے احکام پر دس فی صد حصہ بھی عمل کرنا ترک کر دیں تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ تمہارے بعد ایک ایسی جماعت آئے گی کہ اگر وہ دین کے احکام پر دس فی صد حصہ بھی عمل کرلے تو نجات پائے گی۔

مسلمانوں کی غربت واجنبیت کے ایسے زمانہ میں شرعی احکام کے نفاذ کی خبر ماتم زدہ مسلمانوں کے کانوں پہنچے، یہ تو فرحت بخش اور جانفزا خبر ہے۔

دولت وغنا کے باوجود عالم شباب میں خدا کی رضا کی طلب میں منہمک رہنا اور فقراء کی جانب میلان رکھنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہی تو دولت کا کام ہے۔ معلوم نہیں اب یہ نعمت کس کے ہاتھ

پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور وسیلہ سے ہم سب کو کلیتہً اپنا لے۔ ؎

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

ظاہر کو شریعتِ مطہرہ سے آراستہ رکھنا اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیوست رکھنا یہ اتنا عظیم کام ہے معلوم نہیں پھر کون صاحبِ دولت ان دو نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔ آج کے دور میں ان دو نعمتوں کا جمع ہونا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر استقامت حاصل ہونا بھی نادر الوجود ہے اور کبریت احمر بھی زیادہ عزیز ترین ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ اپنے کمال لطف وکرم سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر ظاہراً اور باطناً استقامت عطا فرمائے گا۔ بحبیبہ وآلہ الامجاد۔

مکتوب بنام الحاج شاہ محمد صاحب قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ سلام ودعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب مکررہ ۲۵ رشوال المکرم اور ۸ ربیع الثانی کو دستیاب ہوئے اور فرحت ومسرت کا باعث بنے۔ آپ نے دائرۃ الوجود اور اس کے رسائل طلب کیا تھا۔ خوشی پر خوشی حاصل ہوئی۔ اس دورِ غفلت نشان میں جس شخص کو دیکھیے وہ دنیا ہی کا طلب گار ہے۔ آخرت کا طلبگار عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ خدا طلبی تک کیا پہنچ سکتے ہیں۔ ایسے زمانہ میں خدا طلبی سے متعلق آپ نے جو کچھ اشارہ کیا تھا بہت خوب لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے باطن میں خدا طلبی کا جذبہ استقرار پایا ہے۔ برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں رہا کرتی ہے۔

فقیر رسائل اور دائرۃ الوجود تحریر کر رہا ہے۔ انشاء اللہ مکمل ہونے اور طبع ہونے کے بعد آپ کو روانہ کرے گا۔ یہ ایسا وقت ہے کہ ضلع بارامحل خالی ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں وہ کب معمور ہوگا۔

حاصل کلام! غیر موجودگی کے زمانہ میں رابطۂ نامہ کو جو قلوب کے قرب پر مبنی ہے عظیم ترین خیال کریں تاکہ موانع کے ارتفاع تک قربِ قلوب ہی پر اکتفا کیا جاسکے۔

اس قرب کے باوجود جسمانی قربت اور صحبت کی خواہش کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ کیوں کہ ہر طرح کی نعمت جسمانی قربت اور صحبت ہی سے مربوط ہے۔ حضرت اویس قرنی جو خیر التابعین ہیں قرب قلبی کے باوجود قربت بدنی و صحبت نبوی سے محروم رہے تو ایک ادنیٰ صحابیؓ کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے جس کو قرب و صحبت کا شرف حاصل رہا۔ اور ان کا پہاڑ کی مقدار میں سونا صدقہ کرنا ایک ادنیٰ صحابی کے مٹھی بھر گیہوں کے صدقے کے ثواب کی برابری اور ہمسری نہیں کر سکا۔ لہذا کوئی بھی چیز ہو وہ صحبت کی برابری اور ہمسری نہ کر پائے گی۔ اللہ کی نصرت اور حمایت تمہارے ساتھ رہے، تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام نواب دلیر خان بہادر دلیر جنگ۔ نواب شاہ نور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد قلب سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ التفات نامہ اواخر رجب ۱۲۷ھ میں موصول ہوا۔ اور خیریت و کیفیت سے آگاہ کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس خرچ و انفاق کے اندر کوئی غرض اور مقصد نہیں ہے جس سے دل میں خیال گزرتا ہے کہ یہ انفاق پورے خلوص کے ساتھ فی سبیل اللہ ہے۔ ریا و سمعت اور دیگر کدورات ماسوائے سے خالی رہنے کی وجہ سے بہت خوب معلوم ہوا۔ اور دل سے دعائیں نکلیں۔ یہی تو اصل دولت ہے۔ اب کس کے ہاتھ پہنچے گی اور کمال رغبت کے ساتھ قبول ہوگی۔ اللہ تعالےٰ آپ میں اور آپ کے ہر کام میں خیر و برکت عطا فرمائے اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک سے آپ کی عافیت اور سلامتی چاہی گئی ہے۔

راہِ خدا میں انفاق اور خرچ خلوص دل کے ساتھ ہو تو آخرت میں اجر و ثواب ملنے کے علاوہ دنیا میں بھی کم از کم دس گنہ زیادہ فائدہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: من جاء بالحسنة فلهٗ عشر امثالها (جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں۔)

شیخ فریدالدین عطارؒ "تذکرۃ الاولیاء" میں فرماتے ہیں کہ ایک روز رابعہ بصریؒ نے دو روٹی تیار کی۔ ایک

اپنے لیے اور ایک اپنے مہمان کے لیے۔ ایک سائل آیا اور کہا میں بھوکا ہوں۔ تو انہوں نے اس کو اپنی روٹی دے دی۔ اس کے بعد ایک دوسرا سائل آیا اور فریاد کیا میں کل سے بھوکا ہوں تو انھوں نے اس کو مہمان کی روٹی بھی دے دی۔ مہمان نے کہا: اے رابعہ یہ کیا ہے؟ آپ نے میری روٹی بھی سائل کو دے دی؟ فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوداگری کی ہوں۔ اسی اثنا میں ایک خاتون کی جانب سے اٹھارہ روٹیوں کا ھدیہ آپہنچا۔ رابعہ متعجب ہوگئیں اور سوچنے لگیں کہ میرے انفاق میں تو کامل خلوص تھا اور دو روٹیوں کا عوض بیس۲۰ روٹیوں سے کم نہیں ہونا چاہیے پھر کیا بات ہے کہ روٹیاں اٹھارہ۱۸ ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خاتون کی خادمہ غلطی سے دو نان چھوڑدی تھی۔ اس کے بعد خاتون نے باقی دو روٹیاں بھی رابعہ بصری کی خدمت میں روانہ کردیا۔

نیز خلوص کی زیادتی اور مقدار کے اعتبار سے دنیاوی اور اخروی اجر و ثواب بھی زیادہ اور بے حساب ہو جاتا ہے ارشاد ربانی ہے: یضاعف لمن یشاء (جس کو چاہے دوگنا اور اضافہ کردیتا ہے)

اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ ہم تمام مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے تاکہ پورے اخلاص کے ساتھ اعمال کو انجام دیں اور دنیا و مافیہا جو خدا کی ملعون ہے اس سے فریب نہ کھائیں۔ اور موت کی یاد اور آخرت کے احوال کو پیش نظر رکھیں۔ اور باقی رہنے والی ذات کی محبت و جمعیت کی بوباس سے ہماری مشام جان کو معطّر رکھیں۔

صاحب زادگان اور تمام متعلقین کی خدمت میں سلام مسنون و دعائیں موصول باد۔

اللہ تعالیٰ آپ کو باقی رکھے اور آپ کی بقا سے اسلام کی شان و شوکت باقی رکھے۔ آمین

مکتوب بنام محی الدین علی خان صاحب مہکری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ ۲۳ر محرم الحرام سنہ ۱۲۶۴ھ کا تحریر کردہ مکتوب گرامی نظر نواز ہوا۔ اور یاد آوری سے ممنون کیا۔

آں جناب پر یہ حقیقت واضح ہے کہ رب العالمین جنین کی پرورش ناف کے راستہ سے فرماتا ہے اور کسی کے

طلب کے بغیر شیریں دودھ کو بچّہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کا رزق فراہم کرتا ہے۔ اور جب ناف کا راستہ بند کر دیتا ہے تو منہ کا راستہ کھول دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ اگر کسی حکمت و مصلحت کے تحت ایک دروازہ بند کر دیتا ہے تو اپنے فضل و کرم سے دوسرا راستہ کھول دیتا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد زریں کے دل میں کبھی نبوت کا خیال بھی نہیں تھا۔ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سرورِ انبیاء اور خاتم الاصفیاء بنا دیا۔

نیز نواب بہادر اور سلطان کے آباء و اجداد کے دل میں کبھی سلطنت کا خیال تک نہ گزرا لیکن اللہ نے اپنے جود و کرم اور احسان سے نواب بہادر اور سلطان کو سرداروں اور رئیسوں کا قائد اور سربراہ بنا دیا اور یہ دونوں رئیس اپنی اولاد کے لیے ریاست کے خواہاں اور جویاں تھے۔ لیکن حکیم مطلق ان کی خواہش کے برخلاف ریاست کی زمام دوسروں کے ہاتھوں میں تھما دیا اور ان کی اولاد کی پرورش و برداخت مخالفوں کے ذمہ سونپ دیا۔

حاصل کلام! ہر ایک کی پرورش اس کے حوصلہ کے مقدار کے مطابق فرماتا ہے۔ اور اس کے حمل کے اندازہ کے مطابق محمول فرماتا ہے۔ بحریؒ نے سچ کہا ہے: ؎

اوپیو جو پالیتا ہے گل کو	کانٹے کو کرم کرے جو گل کو
اوپو نچ رکھے آپس نظر میں	کویل کے بچے کوے کے پرہ میں

ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ آں مخدوم اپنے امورات اور اپنے علائق کو کارسازِ حقیقی کو تفویض فرمائیں نواب خود ہی روشِ بندہ پروری سے خوب واقف ہے۔ اور ما کان یغنی عنھم من اللہ من شیئ الاحاجۃ فی نفس یعقوب قضٰھا وانہ لذو علم لما علمنٰہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (یوسف)

(وہ جو کچھ انھیں اللہ سے بچا نہ سکتا۔ ہاں! یعقوبؑ کے جی کی ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بے شک وہ صاحبِ علم ہے ہمارے سکھائے سے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔) والی اس آیتِ کریمہ کی وجہ سے عقل عرضی کے حکم سے کسی سردار کے حسب استصواب یا اس کے بغیر ہی جلد درخواست بھیج دیں۔ مقصود حاصل نہ ہونے کی صورت میں دیگر عرائض بھی پیش کر دیں اور سردار کو نہ بھیجیں۔ کیوں کہ فرنگی عقلا اور دیگر مجازی حکماء اپنے اصول و ضابطہ کے مطابق بغیر سند بلکہ قوی سند کے بغیر بھی اہلِ نیاز کی حالت پہ توجہ نہیں دیتے ہیں۔ جیسے کہ حاکم حقیقی بھی آہ و زاری اور فریاد کے بغیر بخشش و عطا اور مہربانی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

جب تک حلوہ فروش کا لڑکا روتا نہیں اس کی بخشش وعطا کا سمندر بھی جوش میں نہیں آتا۔ یہ چند کلمات ہیں جو اضطراب اور اضطرار کے متقضاد کے باعث زبان قلم سے صادر ہو گئے ورنہ آں مخدوم کو کوئی نصیحت کرنا حضرت لقمانؑ کو حکمت سکھانے اور سوادب کی راہ پہ گامزن ہونے کے مترادف ہے۔

باقی احوال و کوائف جناب عظیم الدین صاحب کی زبانی سُن لیجیے گا اور وہاں کے تمام عزیزوں اور بزرگوں کی خدمت میں یہاں کے عزیزوں اور بزرگوں کی جانب سے سلام مسنون اور دعا کا ہدیہ پہنچے۔

مکتوب بنام مولوی حاجی غلام رسول صاحب چودھری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد! خاطر شریف پر واضح ہو کہ ۲ ر جمادی الاول ۱۲۸۳ھ کا تحریر کردہ التفات نامہ نظر نواز ہوا۔ اکبر صاحب اکیس ۲۱ روز کی مدت میں توقف کے ساتھ ناگپور سے ویلور آ پہنچے اور وہاں کے رفقاء و احباب کے احوال و کوائف سے آگاہی دی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

فقیر آں جناب کے مکاتیب گرامی خصوصاً "جواھر الحقائق" کے مطالعہ کے بعد کے التفات نامہ سے مشرف ہوا۔ لیکن دو تین جواب کا سراغ نہیں پا رہا ہے۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔

کتاب "زاد المسافرین" مطالعہ میں آئی اور آج کے روز مطالعہ سے فارغ ہو کر واپس دے چکا ہوں۔ اس علاقہ میں اس بزرگ مصنف کا وجود مسلمانوں کے لیے غنیمت ہے۔ اللہ موصوف کو قائم رکھے اور ان کے ذریعہ اسلام کی قوت کو باقی رکھے۔

کتاب "جواھر السلوک" اللہ تعالیٰ کی مدد سے بحسن و خوبی مکمل ہو گئی۔ اب بابا میاں نامی ایک تاجر تجارتی منفعت کے حصول کی خاطر مولوی غلام قادر صاحب کی معرفت مدراس ہی میں طبع کروا رہے ہیں چناں چہ چار یا پانچ جز طبع ہو چکے ہیں۔ غالباً شعبان کے اواخر یا رمضان کے اواخر تک طبع ہو جائے گی۔ اللہ کرے یہ کتاب آپ کی نظر سے گزر جائے اور ہم کو اپنی خود نمائی سے رہائی عطا کر دے۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر

اگر خدا نے چاہا تو عید الفطر کے بعد فصل الخطاب کی طباعت کا آغاز ہوگا۔ دل میں بہت سی باتیں

باتیں ہیں۔ لیکن قلم ان کی ترجمانی سے قاصر ہے۔

عمر بگذشت حدیث درد من آخر نشد
شب بآخر شد اکنوں کوتاہ کنم افسانہ را

عمر گزر چکی میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی۔ رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں اپنا افسانہ مختصر کر رہا ہوں۔ اللہ تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

اکبر صاحب غالباً گیارہ جمادی الاخریٰ ناگپور سے بمبئی اور بمبئی سے مرکب دخانی پہ بیپور اور بیپور سے دو روز مدراس میں اور پانچ روز مدراس میں مقیم رہ کر مدراس سے ویلور حملہ اکیسں ۲۱ روز میں آ پہنچے اور ویلور میں چھ روز قیام کر کے چینجی گئے ہوئے پندرہ روز ہو چکے۔ ہنوز ویلور لوٹ کر نہیں آئے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ مولانا مولوی محمد اسلم صاحب کی تصنیف "زاد المسافرین" طبع ہونے کے بعد بذریعہ رجسٹری ارسال کریں۔

بقیہ "طلاقِ ثلاثہ" صفحہ نمبر ۱۱۴ کا :-

کرنا ہوگا۔ حضرت امام زہری رح جیسے بلند پایہ امام اہلحدیث کا یہ فتوی ہر شخص کی عبرت و نصیحت اور راہِ حق کو اختیار کرنے اور بے جا مداخلت سے اجتناب کرنے کے لیے کافی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم تمام کو اہل سنّت والجماعت کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ اُمّت کے احکام پر عمل پیرا ہو سکیں۔

در راہِ باطل تاختم جانِ جہاں را باختم
اکنوں کہ حق بشناختم استغفر اللہ العظیم

ذیل کا یہ مضمون
حضرت مولانا صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ کی نوک قلم سے نکلا تھا جو پچیس ۲۵ سال پہلے کے "اللطیف" ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ یہ دُرِّ نایاب قارئینِ کرام کی نذر ہے۔

ادارہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے انتہا نوازشات فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو انسانِ کامل بنایا اور اسے بے شمار نعمتوں سے سرفراز۔ اس کی ہدایت و رہبری کے لیے وقتاً فوقتاً پیغمبروں کو مبعوث فرماتا رہا اور آخر میں پیغمبر آخر الزماں کو رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں جلوہ افروز فرمایا اور آپ کی برگزیدہ اُمت میں برگزیدہ ہستیوں کو مرتبۂ ولایت سے سرفراز کیا۔ علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن عطا فرمایا۔ اسی نعمتِ عظمیٰ پر دلی تاثرات کو منظرِ عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

تاریخ کی برگزیدہ ...

تاریخ دہرائی جاتی ہے اور اسی مقدس ہستیوں کے واقعات قلم بند کئے جاتے ہیں تاکہ یہ گوہر ہائے صدف زمانے کے حوادثات کا شکار نہ بن جائیں۔

صاحبِ "جواہر السلوک" اپنی تصنیفِ لطیف میں ایک مقام پر رقم طراز ہیں کہ صاحبِ کمال اور ولیٔ معظم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی جنگل پہاڑ پر جا بیٹھے اور اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ یہ طریقہ سنّتِ مطہرہ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ حضرت سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم برابر مسجد میں امامت فرماتے تھے لوگوں میں رہ کر تبلیغ بلیغ کرتے اور میدانِ جنگ میں سپہ سالار ہوتے تھے اور عبادت و ریاضت بھی سب سے زیادہ کرتے حقیقت میں یہی طریقت ہے۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کے ذریعہ اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ پیشِ نظر مضمون میں چند واقعات ایسے ہیں جن سے اللہ کے مقرب بندوں کے علم باطن اور کشفِ کامل کا مظاہرہ ہورہا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان قدرت الٰہی کے جلوے مشاہدہ کرنے کی بصیرت پیدا کرے۔

گلشن مصطفویؐ کے خوشہ چین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ رحمۃ اللہ علیہ جن کی زندگی اپنے جد سرور کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مطہرہ کے مطابق رہی۔ تازیست اسی پر ثابت قدم رہے۔ آپ کے زرّین دور میں علم کو بے انتہا تقویت پہنچی۔ جہالت کی تاریکی کو مٹا کر گھر گھر علم کی روشنی پھیلائے اور اس ملک کرناٹک میں الحاد و زندقہ کی جڑ اکھیڑ کر خالص توحید کو پھیلایا اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کر کے سنّت مطہرہ کو جاری فرمایا۔ حضرت شاہ محی الدین ذوقیؔ "لطائف ذوقی" میں اپنے پدرِ بزرگوار کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت کا وجود مسعود اگر اس ملک میں نہ ہوتا تو یہاں کے اکثر لوگ بدعت و الحاد میں مبتلا ہو جاتے حضرت کی ذاتِ بابرکات سے علم اس قدر پھیلا کہ جنوب کے گوشہ گوشہ میں آپ کے فیض یافتہ شاگرد بکھر گئے۔

آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ نواب والاجاہ نے آپ کی خدمت میں سالانہ بارہ ہزار روپیوں کی آمد کا پروانہ جب پیش کیا تو آپ نے اس کو نذرِ شمع فرمادیا۔ آپ کے فرزندِ عزیز حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری عرف حضرت شاہ محی الدین ذوقیؔ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ علم کو بامِ عروج پر پہنچایا اور شرک و بدعت کا سختی سے قلع قمع کیا۔ کثیر التعداد تصانیف آپ کی نوکِ قلم سے وجود میں آئیں۔ آپ کی خالصۃً لوجہ اللہ کوشش سے سینکڑوں ہزاروں لوگ گمراہی سے بچ گئے۔

انہیں صاحب دل اور روشن ضمیر بزرگوں کے علم باطن کے متعلق یوں روایت بیان کی جاتی ہے کہ کوئی دو سو سال قبل حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادے نے بیک وقت ایک شب خواب میں دیکھا کہ سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ صحنِ مسجد مکان حضرت قطبِ ویلور میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت شاہ محی الدین ذوقیؔ رحمۃ اللہ علیہ حضور سرکارِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں قطبیت کے درجہ کے طلب گار ہوئے تو آپ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

جب آپ بیدار ہوئے تو صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ رات کا خواب بیان کرنے جوں ہی آپ آگے بڑھے تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ جب قطبیت کے درجے سے بڑھ کر دو درجے حاصل تھے تو تمہیں اس سے بڑھ کر طلب کرنا چاہیے تھا۔ جو بشارت فرزند کو ہوئی والد بزرگوار بھی مشاہدہ فرما رہے تھے۔

خاندانِ والا شان میں تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد جب کہ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا ایک شب آپ اور آپ کے فرزند حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری مشہور بہ حضرت مکی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر کا حال باطن میں مشاہدہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص جو معمر اور نحیف تھا۔ مکانِ حضرت قطب ویلور کے روبرو قلعۂ ویلور اور خندق کے بازو ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؒ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کو اپنا وظیفہ بنا رکھا تھا۔ ہر وقت یہی کہا کرتا تھا کہ "یا میرے پیر قربی، یا میرے پیر قربی"۔ جس شب اس کا انتقال ہوا اس شب حضرتِ موصوف اور آپ کے فرزند نے بیک وقت خواب میں دیکھا کہ درگاہِ شریف کا دروازہ کھلا اور حضرت قربیؒ باہر آئے اور اس کو اندر لے گئے اور دروازہ بند ہوگیا۔ جب یہ دونوں خواب سے بیدار ہوئے تو مؤذ... اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ آپ نے فوراً ملازم کو اس کا حال دریافت کرنے بھیجا تو معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی سے کون واقف نہیں۔ یہ وہ شان دار زمانہ تھا کہ اشاعتِ علم کے ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی تھی۔ اللہ اور رسول کے سچے عاشق حج بیت اللہ کے بعد جب روضۂ اقدس ﷺ پر حاضری دینے تشریف لے گئے اور آپ نے سلام پیش کیا تو سینکڑوں لوگوں کے سامنے وعلیکم السلام کا جواب ملا آپ کے دست حق پرست پر عرب و عجم میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔

آپ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ۱۲۸۹ھ میں جب آپ کا وصال مدینہ میں ہوا اور آپ کے صاحب زادے بھی اس وقت وہیں تھے تو ایک روز قندھار سے ایک مسافر حضرت مکان آیا اور مسجد میں قیام کیا۔ اس نے اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کیا اور بھوکا رہ گیا۔ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ اس شب خادمہ کے

خواب میں آکر غصّہ سے فرمانے لگے کہ مسجد میں وہ مسافر بھوکا رہ گیا اور کسی نے اس کی خبر نہ لی۔ اس نے عرض کی کہ حضرت وہ کون ہے۔ فرمایا کہ فلاں سید قندھاری۔ خادمہ نے کہا کھانا تو حاضر ہے مگر سالن نہیں۔ فرمایا کہ چٹنی ہی سہی۔ خادمہ خواب سے بیدار ہو کر کھانا سالن تیار کر کے صبح کی اذان کے بعد خوان اس قندھاری کے سامنے پیش کیا۔ اس نے حیرت سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ اس نے صورتِ واقعہ بیان کی۔ مسافر نے کہا اس کی تصدیق تو کر لی جاتی تو اس نے جواب دیا اس کی ضرورت نہیں۔ آپ تو موجود ہیں کہ نہیں۔

حضرت مولانا ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور واقعات ''انوارِ اقطابِ ویلور'' میں تفصیل سے آچکے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا حیران کن واقعہ ہے جو پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے۔ مارچ ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا کہ ایک روز صبح کے دس بجے میں کسی ضرورت کے تحت آفس سے حضرت قبلہ کے حجرے میں گیا۔ دیکھا کہ آپ جھولے سے دروازے کی چوکھٹ تک جلد جلد ٹہل رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جوں ہی میں اندر داخل ہوا مجھے دیکھ کر آپ مسند پر جا بیٹھے اور آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: حضرت پیر! آج سے تین دن قبل میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ بیوی ماں کی ردا سے اتر اٹھا لیا گیا ہے اور ان کا وقت قریب ہے۔ ان کے لیے میرا دل رو رہا ہے۔

حضرت قبلہ سے چھوٹی بہن، جن کو بیوی ماں پکارتے تھے، جو چند دنوں سے علیل تھیں، وہ حضرت مولانا ابو صالح سید شاہ احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، جاگیردار عرس ورنگل کی زوجہ تھیں۔

صبح کے ساڑھے دس بجے تھے۔ میں نے کہا کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔ آپ گھر جا کر ناشتہ کرلیں۔ لہٰذا آپ گھر تشریف لے گئے اور میں آفس کو آگیا۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ کسی خاص ضرورت کے تحت مجھے پھر گھر جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ کرسی پر بیٹھے ہیں اور بہن پلنگ پر ہیں۔ دونوں بھائی بہن کے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت قبلہ کو ان کی موت کا یقین تھا۔ اس لیے کہ ان کی موت کی بشارت ہو چکی تھی اور بہن کو یقین ہو چکا تھا کہ بیماری کی وجہ سے ان کی موت قریب ہے۔

یہ ایک ایسا ٹریجک منظر تھا جس کی وجہ سے خود بخود میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ موت کی بشارت اور بہن کی خطرناک علالت سے میں پہلے ہی سے واقف تھا لہٰذا اس درد انگیز منظر سے مستثنیٰ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ حسب بشارت علیلہ ایک ہفتہ کے اندر انتقال پر ملال ہو گیا۔　　بزرگانِ دین کے ان واقعات سے کوئی تعجب نہیں کہ مسلسل ہر زمانے میں ایسے سینکڑوں واقعات اور کرامات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں کو علمِ باطن سے نوازتا ہے۔ اب بھی ان بزرگوں کے تصرفات، برکات اور فیوضات کا لامتناہی سلسلہ جاری وساری ہے۔

والطیبون للطیبٰت

مولانا سید شاہ عثمان صاحب قادری عرف فصیح پاشاہ۔ ایم اے، ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس کائنات میں انسان بھی ایک مخلوق ہے۔ اس مخلوق کی گوناگوں خوبیوں کی بدولت اس کو اشرف المخلوقات کہتے ہیں۔

انسان دو طرح کی صفات کا مجموعہ ہے۔ ایک حیوانی اور دوسرا ملکی۔ ملکی صفات وہ ہیں جو فرشتوں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی عبادت کرنا، ریاضت کرنا اور اللہ کے حکم کی پابندی کرنا۔ دوسری جو جانوروں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی کھانا پینا اور ازدواجی زندگی بسر کرنا وغیرہ۔

انسان میں جیسے جیسے فرشتوں کے عادات واطوار زیادہ ہوتے ہیں وہ خدا کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے حیوانوں کے عادات واطوار زیادہ ہوتے ہیں وہ قرب الٰہی سے دور ہوجاتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے جوانی کی عبادت، اکل حلال اور پاکیزہ زندگی اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے جس نے جوانی میں ضبطِ نفس سے کام لیا اور اللہ کی اطاعت میں مصروف رہا وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہے۔

آغازِ جوانی میں سب سے پہلے انسان اس سوچ میں ڈوب جاتا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو کس طرح سنوارے۔ آیا ایک ادیب یا عالم یا فن کار بنے یا پھر دیگر کاروبار کے ذریعہ اپنا معاش حاصل کرے۔

جب یہ اپنے نصب العین میں کسی قدر کامیاب نظر آتا ہے تو اس کے بزرگوار اس کے لیے ازدواجی زندگی کا انتظام کرتے ہیں۔ اس کے لیے اچھا جوڑا تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نکاح وشادی کا انتظام کرتے ہیں کہ وہ ازدواجی زندگی شریعت کے مطابق گزار سکے۔ نکاح وشادی کا یہ اقدام بہت ہی غور وفکر کے بعد کیا

جاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ خیال دامنگیر ہوتا ہے کہ آیا اس رشتے سے آنے والی زندگی خوش گوار ہوگی یا نہیں؟

قرآنِ کریم کا فیصلہ ہے الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت والطیبات للطیبین والطیبون للطیبٰت۔ گندی عورتیں گندی عورتوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ پاک صاف عورتیں پاک صاف مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہوتے ہیں

جب قرآن ہی کا یہ فیصلہ ہے تو ہمارے لیے اپنی زندگی کو پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ اللہ کے فیصلہ کے مطابق ہمیں پاک وصاف جوڑا ملے۔

ذرا غور کریں پاک صاف زندگی کیسی ہوتی ہے، جس کی بناء پر ہمیں پاک صاف جوڑا مل سکتا ہے۔

ڈاکٹر سید وحید اشرف صاحب اپنی کتاب "تصوف" میں لکھتے ہیں:

"اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس عقائد، اصول اور اعمال انسانی فطرت کے مخالف نہیں ہیں۔ جو چیز فطرت کے مخالف نہیں ہوگی وہ عقل کے خلاف بھی نہ ہوگی۔ مثلاً نکاح کرنا، تجارت صنعت وحرفت کی مشغولیت، کھانا پینا اور سماجی وسیاسی زندگی میں شریک ہونا یہ تمام باتیں انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ اسلام ان امور میں ہمیں جائز اور ناجائز طریقوں سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ آدمی مجرد رہ کر جنگل میں جاکر پوجا پاٹ میں زندگی بسر کردے۔ دین فطرت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر انسان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرکے ہدایت پا سکتا ہے۔"

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پاک زندگی طیب زندگی اسلام کے اصولوں پر عمل کرکے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ انسان پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے قرآن کے فرمان کے مطابق پاک مردوں کے لیے پاک عورتیں اور پاک عورتوں کے لیے پاک مرد کے اصول پر عمل کرے۔ جب وہ اس اصول پر عمل کرے گا تو اللہ بھی اس کا مددگار ہوگا اور طیبوں کو طیبات سے ملا دے گا۔

پاک زندگی کا عملی نمونہ ہمارے سامنے پیغمبروں اور بزرگانِ دین کا ہے۔ جن کی پاک زندگیوں کی وجہ سے ان کو پاک بیویاں ملیں اور جو پاک بیویاں تھیں ان کو پاک باز شوہر ملے۔

خطبۂ نکاح کے موقع پر ہم ان پیغمبروں اور ان کی نیک ازواج کو یاد کرتے ہیں تاکہ ہماری زندگی بھی انھیں کے نمونے پر چلے۔

نیک مرد نیک عورت پانے کے لیے پہلے خود کو نیک بنانا ضروری ہے۔

انسان کی زندگی میں روٹی کپڑا اور مکان تین اہم ضروریات ہیں جن کی وجہ سے انسان فکرمند رہتا ہے نیک اور پاک زندگی گزارتے ہوئے ان تینوں چیزوں پر قابو پالینا بہت ہی کم لوگوں کے بس کی بات ہے لیکن یہ ناممکن نہیں ہے۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں دست بکار دل بیار۔ "روضۃ الریاحین" میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ قبرستان کی قبریں شق ہوگئیں ہیں اور تمام مُردے باہر نکل کر کسی چیز کے چُننے میں لگے ہوے ہیں۔ لیکن ایک آدمی اپنی قبر کے باہر خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کے پاس چلا گیا اور پوچھا کہ یہ تمام آدمی کیا چُن رہے ہیں؟ اور تُم کیوں نہیں چُن رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: جو لوگ صدقہ وخیرات اور دعائے مغفرت اور کلماتِ طیبہ کا ثواب اصحابِ قبور کو بھیجتے ہیں ان کے انوار وبرکات کو یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں اور میرے خاموش بیٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ایک صالح لڑکا ہے جو فلاں بازار میں حلوے کی تجارت کرتا ہے اور اس کا روزانہ معمول ہے کہ قرآنِ شریف کا کچھ حصہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچاتا ہے جس کی وجہ سے میں ان برکات کے چُننے سے مستثنیٰ ہوں۔

اس واقعہ سے بتانا یہ مقصد ہے کہ ایامِ جوانی میں ہی انسان کو نیکی کما کر رکھ لینا چاہیے تاکہ آخرت میں کام آسکے۔ یہاں یہ بھی واضح کرنا ہے کہ اگر جوانی کی اولاد ہوگی تو بڑھاپے میں ہمارے لیے دنیا میں کام آئیگی اور بعد ہمارے مرنے کے ہمارے لیے ایصالِ ثواب کرے گی۔ جیسے تم اپنی جوانی میں اپنے باپ کے لیے کیا کرتے تھے۔

نیک مردوں کے لیے نیک بیویاں کس طرح ملتی ہیں اس کو دکھانے کے لیے تاریخ کا یہ واقعہ پیشِ ناظرین ہے:

تاریخ کی مستند کتابوں میں حضرت ابوصالح جنگی دوست جو حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ کے والدِ بزرگوار ہیں، کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ عالمِ جوانی میں ایک دن دجلہ کے کنارے تشریف فرما تھے۔ چاند کی روشنی میں ایک سیب بہتا ہوا نظر آیا۔ اس کو آپ نے پکڑ لیا اور بھوک کی شدّت کے سبب کھا لیا۔ جب آپ مکان کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں خیال آیا کہ میں نے اس سیب کی قیمت ادا نہیں

کی ۔ آپ صبح کو بیدار ہو کر مالکِ سیب کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ۔ اور دریا کے کنارے چلنے لگے ۔ آخر کار باغ آ گیا جس میں بے شمار سیب کے درخت تھے ۔ مالکِ باغ کا نام حضرت عبداللہ الصومعی الزاہد ہے جو اپنے وقت کے ولیٔ کامل تھے ۔ آپ نے اُن کے پاس جاکر سارا قصہ سنایا اور سیب کی قیمت دریافت کی ۔ عبداللہ الصومعی الزاہد نے کہا اس سیب کی قیمت بہت زیادہ ہے جو تم سے ادا نہ ہو سکے گی ۔ لیکن آپ نے قیمت کی ادائیگی کا پختہ ارادہ کر لیا ۔ تو سیب کی قیمت یہ قرار پائی کہ اس باغ کی ایک سال تک رکھوالی کریں ۔ آپ نے مالک کے حکم کے تحت باغ کی رکھوالی شروع فرما دی ۔ جس کی میعاد ایک سال تھی ۔ مگر دو سال ہو گئے مالکِ باغ نے آپ سے کہا : اے ابو صالح تمہاری خدمت کا بدلہ میں تمہیں دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میری ایک لڑکی ہے جو اندھی، گونگی، بہری اور لولی ہے ۔ تم اس سے نکاح کر لو ۔ آپ نے منظور فرما لیا اور شادی ہو گئی ۔ لیکن خلوت میں جب آپ نے اس لڑکی کو دیکھا تو وہ گویا چاند تھی ۔ آنکھیں بالکل درست اور مناسب گویا ایک حور کہیں جو جنّت سے آئی تھی ۔ آپ کو بڑا تعجب ہوا ۔ اور دوسرے دن خسر سے اس بیان کی وجہ دریافت فرمائی ۔ حضرت عبداللہ الصومعی الزاہد نے فرمایا : دیکھو بیٹا ! اس لڑکی نے کبھی کسی غیر محرم کو نہیں دیکھا اس لیے وہ اندھی تھی ۔ اس نے خلاف شرع کوئی بات نہیں کہی اس لیے وہ گونگی تھی اور کبھی فحش بات نہ سنی اس لیے وہ بہری تھی اور کبھی گناہ کی طرف چل کر نہ گئی اس لیے وہ لولی تھی ۔

اس لیے میں نے سوچا آپ جیسے صالح مرد کا عقد اس مقدس خاتون سے کر دیا جائے تو بہت بہتر جوڑا ہوگا ۔

اس واقعہ سے ہمیں سبق ملا کہ پاکیزہ رزق کے بدلے پروردگار عالم نے پاکیزہ بیوی عطا فرمایا جن کی اولاد میں سردارِ اولیاء پیدا ہوئے ۔

جب اولیاء اللہ کا یہ مرتبہ ہے تو پیغمبروں کا کتنا بلند و بالا مرتبہ ہوگا ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کتنی بڑی ہوگی ۔

ان سب واقعات سے بتانا یہ مقصد ہے کہ اگر ہم میں ان بزرگانِ دین جیسی صفات اور عمل ہو تو اللہ کے فرمان کے مطابق ہمیں نیک بیویاں ملیں گی ۔

حدیثِ شریف میں آیا ہے : الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحہ : دنیا کی

افضل العلماء مولوی شاہ محمد انوار اللہ قاضی قادری لطیفی ایم اے؛
استاذ دارالعلوم لطیفیہ و گورنمنٹ قاضی ضلع شمالی آرکاٹ۔ حضرت مکان ویلور

طلاق عربی لفظ ہے۔ جس کے معنے اردو زبان میں کھولنے اور چھوڑنے کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں مرد کا اپنی عورت کو اپنے نکاح سے خارج کردینا ہے۔ واضح ہو کہ مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے مہر، تعہّد، نان نفقہ اور حُسنِ معاشرت شرط ہے۔ اور عورت کی طرف سے عفّت و عصمت پاک دامنی و نیک چلنی اور فرماں برداری عہود و شرائطِ ضروریہ ہیں۔ جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابلِ فسخ ہوجاتے ہیں، ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹ جانے کے بعد قابلِ فسخ ہوجاتا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز نہیں جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں، بلکہ حاکمِ وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑ سکتی ہے۔ جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کرسکتی ہے اور یہ کمی اختیار اسکی فطرتی شتاب کاری اور نقصانِ عقل کی وجہ سے ہے۔ لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار میں معاہدۂ نکاح باندھ سکتا ہے

ایسا ہی عورت کی طرف سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے۔ سو یہ فطری قانون ہے لہٰذا ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رُو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اور اس محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے۔

قال اللہ تعالیٰ التی تخافون نشوزھن فعظوھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ان اللہ علیاً کبیراً o وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یرید اصلاحاً یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیماً خبیراً

"یعنی جن عورتوں کی طرف سے ناموافقت کے آثار ظاہر ہو جائیں پس تم ان کو نصیحت کرو اور خواب گاہوں میں ان سے جدا ہو اور ان کو مارو یعنی جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آئے پس اگر وہ تمہاری تابعدار ہو جائیں تو بھی تم ان کے طلاق اور سزا دینے کی راہ مت نکالو، بے شک خدائے تعالیٰ صاحب علم صاحب خبیر ہے۔

اور پھر اگر میاں بیوی کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف بیوی کی طرف سے مقرر کرو اگر منصف صلح کرانے کے لیے کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں باہمی موافقت دے دے گا بے شک اللہ تعالیٰ علم والا خبر والا ہے۔"

شریعت نے مرد کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ طلاق دے کر رشتۂ نکاح کو ختم کر دے مگر اس حق کا استعمال کرنے اور رشتۂ نکاح کاٹنے سے پہلے اس پر بہت سی پابندیاں بھی لگا دی ہیں اور حتی الامکان اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے۔ شریعتِ اسلامی نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ یہ ایک ناپسندیدہ چیز ہے اس لیے اس اختیار کو اس وقت استعمال کرنا چاہیے کہ جب کہ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

چناں چہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (ابوداؤد - ابن ماجہ)

"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

وعن معاذ ابن جبل قال، قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معاذ ما خلق اللہ شیئاً

علی وجہ الارض احب الیہ من العتاق ولاخلق اللہ شیئاً علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (دارقطنی)

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معاذ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اور روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو طلاق دینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہو۔"

عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امراۃ سألت زوجھا طلاقاً فی غیرما باس فحرام علیہ رائحۃ الجنۃ۔ (مسند ابوداؤد، مسند احمد اور دارمی)

"حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔"

وعن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تطلقوا النساء الا من ریبۃ ان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات۔ (بزاز طبرانی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہیں دینا چاہیے مگر یہ کہ ان کے چال اور چلن مشتبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تک عورتوں سے کھلی ہوئی بے حیائی نہ دیکھو طلاق نہ دو۔

طلاق خدائے تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے ناپسند ہے کہ اس رشتہ کے کٹ جانے کے یہ معنی صرف یہی نہیں ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے! بلکہ اس کی وجہ سے نہ جانے کتنے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ خاندان اور معاشرہ میں بغض و عداوت کی ایک مستقل بنیاد پڑ جاتی ہے۔ مثلاً ایک رشتۂ نکاح کی وجہ سے میاں بیوی کے کتنے اعزا اقارب ایک دوسرے قریب ہو جاتے ہیں۔ ان میں مہر و محبت پیدا ہوتی ہے۔ کتنے بیگانے یگانے ہو جاتے ہیں۔ طلاق کے ذریعہ مذکورہ امور یک لخت ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اب مہر و محبت کی بجائے بغض و عداوت کی بنیا دپڑ جاتی ہے ان کی یگانگت بیگانگی سے بدل جاتی ہے پھر دونوں کی شادی کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اگر بچے ہوں تو پھر ان کی پرورش اور دیکھ بھال کا سوال کھڑا ہو جاتا ہے

غرض یہ ایک طلاق کے ذریعہ معاشرہ میں کئی مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں!

اس لیے فقہا نے صراحت کی ہے کہ بے وجہ طلاق کا استعمال سخت ناپسندیدہ ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اتفقوا علی ان الطلاق مکروہ فی حالۃ استقامۃ الزوجین بل قال ابوحنیفہ یتحرماہ (المیزان)

"تمام علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ بغیر معقول وجہ کے طلاق دینا ناپسندیدہ ہے اور امام ابوحنیفہ نے تو اُسے حرام ہی قرار دیا ہے۔" اسی طرح محقق ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں: لا یخفی ان کلامھم فیھا سیانی من التحلیل بصرح بانہ محظور مما فیہ من کفران النعمۃ النکاح۔

(فتح القدیر)

جلیل القدر فقہا کے کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ (بے وجہ) طلاق دینا ممنوع ہے اور یہی بات درمختار میں بھی ہے۔ ان الاصل فی الطلاق ھو الحظر مما فیہ من قطع النکاح الذی تعلقت بہ المصالح الدینیہ للحاجۃ۔ (ہدایۃ اوّلین)

طلاق کے سلسلہ میں ممانعت ہی اصل ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ اس رشتۂ نکاح کو توڑا جاتا ہے جس سے دینی اور دنیوی امورِ حکمت و مصلحت وابستہ ہے۔ اس طلاق کی اجازت ضرورت کی وجہ سے ہے۔

مشہور حنبلی عالم ابن قدامہؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی طلاق حرام ہونے کی ایک روایت نقل کی ہے۔ وعنہ انہ حرم لانہ یضر بنفسہ و زوجۃ وقد قال علیہ السلام لا ضرر ولا ضرار

(الکافی)

چوں کہ طلاق مرد اور عورت دونوں کے لیے ضرر رساں ہے۔ اس لیے امام احمد ابن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ حرام ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا ضرر ولا ضرار۔

اسلام نے طلاق کی بغضیت اور کراہیت کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اس مبغوض اور محظور کے ارتکاب سے ممکن حد تک اجتناب کیا جائے اور مباح (طلاق) کا استعمال انتہائی شدید ضرورت اور ناگزیر حالت میں ہو۔ اسی بنا پر طلاق کا جو طریقہ شریعت نے مقرر کیا ہے اس میں اس بات کی پوری پوری رعایت رکھی ہے۔ کہ آدمی کو بار بار اس فیصلہ پر غور کرنے کا موقع ملے۔ اسی لیے حالتِ حیض میں طلاق دینا

ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے۔ اگر غلطی سے کوئی ایسا کرے تو اس کو لوٹا لینا چاہیے۔ پھر اگر طلاق دینے کی رائے پر قائم ہو تو اسی میں طلاق دینی چاہیے جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس کی حکمت اور نکتہ بھی ظاہر ہے کہ ناپاکی کی حالت میں عورت قابلِ رغبت نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت میں اس کا کافی امکان ہے کہ شوہر کے دل میں اس کی جانب رغبت پیدا ہو جائے اور طلاق دینے کا خیال ہی ختم ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کا احساس اور جذبہ پیدا ہو جائے۔

عن عبداللہ بن عمرؓ انہ طلق امراۃً لہ وھی حائض فذکر عمرؓ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتغیظ فیہ رسول اللہ ثم قال لیراجعھا ثم یمسکھا حتّٰی تطھر ثم تحیض فان بدالہ ان یطلقھا فلیطلقھا طاھراً قبل ان یمسھا فتلک العدۃ التی امر اللہ ان تطلق لھا النساء (بخاری)

حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کہ اس کی ناپاکی کے ایام تھے طلاق دے دی تو اُن کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپؐ نے اس پر سخت برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا۔ حکم فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو چاہیے کہ وہ اس طلاق سے رجعت کرے اور بیوی کو اپنے پاس اپنے نکاح میں رکھے۔ یہاں تک کہ ناپاکی کے ایام ختم ہو کر طہر کے ایام آجائیں اور پھر اس طہر کی مدت ختم ہو کر دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اور پھر اس طہر کے ایام ختم ہو کے دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اس کے بعد پھر وہ طہر کی حالت میں آجائے تو اس حالت میں اگر وہ طلاق دینا مناسب سمجھے تو اس طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہی وہ مدت ہے جس کے بارے میں قرآنِ مجید میں حکم دیا گیا ہے:

فطلقوھن لعدتھن

اس واقعہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کو رجعت کرنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو حیض کے ایام میں طلاق دینا ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ لیکن یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہوتی تو رجعت کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور آپؐ رجعت کا حکم دینے کے بجائے یہ فرماتے کہ طلاق واقع نہ ہوئی۔

تین طلاق دینا سخت گناہ ہے

اسی طرح بیک وقت تین طلاق دینا سخت گناہ ہے۔ اور قرآن مجید کے بتلائے ہوئے طریق طلاق کے خلاف ہے اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دے کر رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے آیت کریمہ نازل ہوئی: الطلاق مرّتان: یعنی ایسی طلاق دو بار ہے۔ جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ پھر اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت برضا خود کسی خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے کے لیے وہ حلال نہیں ہو سکتی۔ حضور اقدس صلعم نے اس نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی شرط فرمایا ہے اور اس اشتراط سے ہماری یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ وہ عورت خاص حلالہ کی غرض سے دوسرے سے نکاح کرے گی بلکہ نکاح تو ہمیشہ کی آبادی کی غرض سے کرے۔ مگر اتفاقاً اگر وہاں بھی طلاق ہو جائے تو شوہر اوّل سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرماتا ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہٗ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ایک سے زیادہ طلاقیں دینی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں نہیں بلکہ متعدد دفعات اور مختلف وقفوں میں دی جائیں۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ سخت غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا! یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا اس کتاب اللہ کے ساتھ گستاخانہ کھیل اور مذاق ہے، جس میں طلاق کا طریقہ اور قانون پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک صحابی رض کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس آدمی کو قتل نہ کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے۔

عن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امراتہ ثلث تطلیقات جمیعاً فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عزوجل وانا بین اظہرکم حتی قام رجل فقال یارسول اللہ الا اقتلہ۔ (نسائی)

اور امام طحاوی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رض کے پاس آیا، اس نے کہا۔ کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: ان عمک عصی اللہ فاثم واطاع الشیطان: تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور شیطان کی پیروی کی۔

علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو شخص ایسا آتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں تو اُسے آپ مارتے تھے اور اس کی طلاق کو نافذ کر دیتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہے۔ آپؓ کے خیال میں مجھ پر کیا چیز عائد ہوتی ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا: وہ تین طلاقوں کے ذریعہ تجھ سے آزاد ہو گئی اور ستانوے ۹۷ طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے تمسخر اور استہزاء کیا۔ (موطا امام مالکؒ)

دار قطنی میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے ڈالیں۔ اس کے لڑکوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ اب کوئی راستہ ہے یا نہیں؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکالتا۔ اس کی بیوی تین طلاق سے بائن ہو گئی اور نو سو ستانوے ۹۹۷ طلاقوں کا گناہ تمہارے باپ کی گردن پر رہا۔

سنن بیہقی میں ہے کہ اس شخص نے عمران بن حصین سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں۔ تو حضرت عمران نے فرمایا: اثم بربہ وحرمت علیہ امراتہ: اس نے گناہ کیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

ان تمام روایات کو عمیق و گہری نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اس نے بیک وقت تین طلاقوں کے دینے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ اور اس سے باز رہنے کی کتنی سخت ہدایت کی ہے مگر اس کے باوجود مسلم معاشرہ میں بُرا اثر پیدا ہو رہا ہے۔ یقیناً تین طلاق دینے والے کا یہ فعل شریعت کی نظر میں انتہائی مذموم اور قبیح ہے۔ اور یہ خلافِ سنّت کھلی بدعت اور صریح گناہ کا کام ہے۔ اور شریعت کے تفویض کردہ اختیار کا غلط اور بے جا اور بے محل استعمال ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اس نازک اور اہم مسئلہ کو سمجھیں۔ ناگزیر مجبوری اور سخت ضرورت کے وقت اپنے اختیار طلاق کو استعمال کریں۔ جس طریقہ پر شریعت نے اسے استعمال کرنے کو مباح قرار دیا ہے اور بیک وقت تین طلاقیں ہرگز نہ دیں۔ جو خلافِ سنّت ہیں۔ ایسے کرنے والے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اگر مرد کے لیے طلاق بالکل ناگزیر ہے تو اُسے طلاق کا شرعی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

(۱) صرف ایک طلاق دی جائے یعنی شوہر بیوی سے کہے میں نے تجھے طلاق دی

(۲) طلاق دو گواہوں کی موجودگی میں دی جائے۔

(۳) طلاق حالتِ طہر میں دی جائے۔ یعنی اس زمانہ میں دی جائے جس میں شوہر نے اس سے صحبت بھی نہ کی ہو۔

(۴) ایک طلاق دینے کے بعد عدّت گزرنے دی جائے۔ عدّت تین حیض ہے۔ اگر ماہواری آرہی ہو اور اگر حمل ہے تو اس کی عدّت وضع حمل ہے اور اگر ماہواری نہ آتی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ عدت کے اندر شوہر رجوع کرسکتا ہے۔ رجوع کے لیے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے رجوع کرلیا۔ رجوع بھی دو گواہوں کی موجودگی میں ہو تو بہتر ہے۔

(۵) عدّت کے اندر رجوع نہیں کیا تو عدّت گزرتے ہی طلاقِ بائن ہوجائے گی۔ مرد کو اب رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔ لیکن زوجین اپنی رضامندی سے تجدیدِ نکاح کرسکتے ہیں۔

اور طلاق کا یہ طریقہ بہتر ہے۔ کہ اس میں مرد کو بار بار اپنے فیصلہ پر غور کرنے کا موقع ملے گا اور اس کا یہ عمل سوچا سمجھا اور غور وفکر کیا ہوا ہوگا۔ جس میں نہ تو جذبات اور نفسانیت کارفرما ہوں گے اور نہ اسے وقتی غصّہ اور کسی فوری داعیہ کا نتیجہ کہا جائے گا۔ اور نہ اس کے بعد دونوں کو اس حرکت پر پچھتاوا ہوگا۔

فالحسن ان یطلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ واحدۃ فی طہر لم یجامعہا ویترکہا حتیٰ تنقضی عدتہا لان اصحابہ رض کانوا یستحبّون ان لا یزیدوا فی الطلاق علی واحدۃٍ حتیٰ تنقضی العدۃ۔ (ہدایہ اولین)

طلاق کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دی جائے۔ وہ بھی اس وقت جب کہ عورت پاک ہو (حیض میں نہ ہو) اور اس نے ایام گزارنے کے بعد ابھی تک صحبت نہ کی ہو پھر ایک طلاق دے کر یونہی چھوڑ دیا جائے۔ یہاں تک کہ مدّت پوری ہوجائے اور یہ طریقہ اس لیے بہتر ہے کہ صحابہ کرامؓ خود اس کو پسند کرتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دیں اور عدّت پوری ہونے دیں۔

تین۳ طلاقوں کا حکم

کچھ لوگ اس طریقے کے خلاف ایک سانس میں تین۳ طلاقیں دے ڈالتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط اور

اسلامی تعلیمات اور معاشرتی زندگی کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہوگا۔ باوجود اس کے یہ حقیقت اچھی طرح لازماً ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں چاہے بیک لفظ دی جائیں یا متعدد الفاظ میں یہ طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد رجعت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ خاوند رجعیت کے اختیار ہی سے محروم ہوجاتا ہے۔ شریعت کا یہ وہ مسئلہ ہے جس پر اہل سنّت والجماعت، ائمہ اربعہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کا اتفاق ہے اور یہی رائے دیگر اکابر ائمہ فقہ وحدیث مثلاً اوزاعیؒ، نخعیؒ، زہریؒ، ثوریؒ، اسحاقؒ، ابوثورؒ اور امام بخاری رحمہم اللہ کی ہے۔ بلکہ جمہور صحابہؓ، تابعینؒ اور تمام ائمہ سلف وخلف اسی کے قائل ہیں ہاں البتہ جو سنت والجماعت سے خارج ہیں اور ائمہ اربعہ کی تقلید نہیں کرتے ایسے لوگ اس کے مخالف ہیں اور اُن کے اختلاف کی کوئی حقیقت تو نہیں مگر لمحۂ فکریہ ضرور ہے۔ جو سوادِ اعظم مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت کرکے انھیں قرآن وسنّت اور اجماع کی راہ سے باز رکھ رہے ہیں۔

طلاقِ ثلاثہ کے واقع ہونے کے بعد مطلقہ عورت کو بغیر حتی تنکح زوجاً غیرہ کے اسی مرد سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اور اس کارروائی کو اپنا ایک نمایاں کارنامہ ظاہر کرتے ہیں جو درحقیقت قرآن وسنّت کے خلاف ہے۔

حضرت امام نوویؒ "شرحِ مسلم" میں لکھتے ہیں: قد اختلف العلماء فی من قال لامراتہ انت طالق ثلاثاً فقال الشافعی ومالك وابوحنیفه واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف تقع الثلث: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے تین۳ طلاقیں ہیں تو اس کے حکم کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ شافعی، مالک، ابوحنیفہ احمد اور سلف اور خلف کے تمام علماء جمہور کی رائے یہ ہے کہ تینوں۳ طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

علامہ ابنِ ہمامؒ "شرح ہدایہ" میں لکھتے ہیں وذهب جمهور من الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه تقع الثلث۔ (فتح القدیر)

جمہور صحابۂ کرامؓ حضرات تابعین اور بعد کے ائمہ مسلمین کا یہ خیال ہے کہ تینوں۳ طلاقیں پڑجائیں گی۔

علامہ عینیؒ "شرحِ بخاری" میں رقم طراز ہیں وذهب جماهیر العلماء من التابعین ومن بعدهم منهم الاوزاعی والنخعی، والثوری وابوحنیفه واصحابه ومالك والشافعی

وابوالثور وعبید وآخرون کثیرون علی من طلق امراتہ ثلاثًا وقضی ولکنہ باثم۔

(عمدۃ القاری)

تابعین میں جمہور علماء اور ان کے بعد کے لوگ مثلاً اوزاعیؒ، نخعیؒ، ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، مالکؒ شافعیؒ اور ان کے اصحاب، احمد اور ان کے اصحاب، اسحاق، ابوثور، عبید اور بہت سے دوسرے (ائمہ فقہ) کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ پڑیں گی، لیکن طلاق دینے والا گناہ گار ہوگا۔

حاصل کلام مرد کو ہر صورت میں طلاق احسن اور بہتر طریقے کو اپنانا چاہیے۔ لیکن طلاق احسن کے خلاف کسی نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدیں تو تینوں طلاق پڑجائے گی اور اس لیے پڑجائے گی کہ ہر مرد کو تین۳ طلاق دینے کا اختیار ہے۔ اب وہ اپنے اختیار کو صحیح طریقے پر استعمال کرے یا غلط طریقہ پر، اس کے عمل کا اثر تو بہرحال پڑنا ہی چاہیے۔

جیسے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے، لیکن اس حال میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ مگر اس عمل کا اثر ضرور مرتب ہوگا۔

عن ابن شھاب عن سھل قال فطلقھا ثلث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (ابوداؤد)

سہل نے کہا کہ (عویمر نے) تین طلاقیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرمایا۔

عن عائشہ رضی اللہ عنھا ان رجلاً طلق امراتہٗ ثلاثۃً تزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاوّل قال حتّٰی یذوق عسیلتھا کما ذاق الاوّل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا۔ پھر اس نے بھی (قبل جماع) طلاق دے دی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا (شوہر) بھی اس طرح کا مزہ چکھ لے جس طرح پہلے (شوہر) نے چکھا ہے۔ اس روایت کو امام بخاری

نے من جواز الطلاق الثلث کے باب میں ذکر کیا ہے اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں یکجائی طلاقیں واقع ہو جاتی تھیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اتنا معروف و مشہور تھا کہ حضرات صحابہؓ اس کے جواب کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کو ضروری نہ سمجھتے تھے۔

اَنّ رجلا جاء الی عبد اللہ ابن مسعودؓ فقال انی طلقت امراتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعودؓ فما قیل لک قال قیل لی انہا قد بانت منک فقال ابن مسعودؓ صدقوا ھو ما یقولون۔ (موطا امام مالک)

ایک شخص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں۔ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا: اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا؟ اس نے جواب دیا مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت تجھ سے جدا ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا: لوگوں نے سچ کہا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے، جیسا لوگ کہتے ہیں۔

اس قسم کی احادیث بہت ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ حضرات ... نے بحثیں کی ... حضرات صحابہ کرامؓ کی رائے نقل فرمائی ہیں۔ اس کی تفصیل "شرح معانی الآثار" ... ب فقہ و فتاویٰ میں موجود ہے۔ علامہ تیمیہ کے جدّا مجد علامہ ابوالبرکات عبد السلام نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔

وھذا کلہ یدل علیٰ اجماعھم علی صحتہ وقوع الثلث بکلمة الواحدة۔ (منتقی الاخبار)

اور مذکورہ ساری باتیں بیک لفظ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے میں صحابہ کرامؓ کے اجماع کو بتاتی ہیں۔

طلاق ثلاثہ کے بعد رجعت درست نہیں

مذکورہ بالا روایتوں سے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کے پیشِ نظر حضرات محدثین، ائمہ کرام اور بعد کے علماء و فقہاء نے تین طلاقوں کو تین ہی مانا ہے۔ چاہے وہ بیک لفظ دی گئی ہوں یا بیک مجلس اور اگر کسی عالم نے اس اجماع کے خلاف فتویٰ دیا تو محدثین اور فقہا کی ایک جماعت نے اُسے نا قابلِ اعتبار تحریر فرمایا ہے۔

علامہ زرقانی نے "شرح موطا امام مالک" میں لکھا ہے: والجمھور علی وقوع الثلث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلا ان خلافہ شاذ لا یلتفت الیہ۔

علمائے جمہور کی رائے یہ ہے کہ تینوں ہی (طلاق) ٹھہرے گی بلکہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہنا شاذ ہے۔ جس کی طرف دھیان نہیں دینا چاہیے۔ علاوہ ازیں کئی محدثین نے علامہ ابن عبدالبرؒ سے بھی زیادہ سخت رائے دی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی رائے دینا اہل سنت والجماعت کے متفقہ مسلک کے خلاف ہے اور کچھ کہنا بدعت ہے۔ اس لیے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔

علامہ عینی شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں: وقالو من خالف فیہ فھو شاذ لاھل السنۃ وانما تعلق بہ اھل البدعہ ومن لا یلتفت الیہ لشذوذہٖ من الجماعۃ۔ اس مسئلہ میں جنھوں نے اختلاف کیا ہے وہ اہل سنّت کی رائے کے لحاظ سے شاذ ہے۔ یہ اہل بدعت اور ان لوگوں کی رائے ہو سکتی ہے جن کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے کیوں کہ ان لوگوں نے اہل سنت والجماعت سے علاحید گی اختیار کی نیز محقق امام ابن ہمام اور علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: لاحاجۃ الی الاشتغال بالادلۃ علی ردّ قول من انکر وقوع الثلث جملۃ لانہ مخالف الاجماع کما حکاہ فی معراج و لذا قالوا لو حکم حاکم بان الثلث بفم واحدۃ لم ینفذ حکمہٗ لانہ لا یسوغ فیہ الاجتھاد لانہٗ خلاف والاختلاف

(فتح القدیر البحر الرائق)

جو لوگ بیک وقت تین طلاقوں کو پڑھاتے سے انکار کرتے ہیں ان کے رد میں دلائل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیوں کہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے اس بنا پر فقہا نے کہا ہے کہ اگر کسی جج نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ایک وقت میں دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیوں کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور اس لیے بھی کہ اُسے علمی اختلاف نہیں کہا جا سکتا بلکہ مخالفت کہنا ہی مناسب ہے۔

مشہور و معروف محدّث حضرت امام زہری علیہ الرحمہ کا فتوی مصنف بن عبدالرزاق میں نقل کیا گیا ہے۔ امام زہری نے فرمایا کہ، اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور کسی نے فتویٰ دیا کہ رجعت کر لو اس بنیاد پر طلاق دینے والے نے رجعت کر لی اور مطلقہ سے وطی کی تو جس شخص نے فتویٰ دیا اُسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ مرد اور عورت کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی اور اس ناجائز وطی پر تاوان بھی برداشت

(بقیہ صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ ہو)

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

مولوی ابوالحسن محمد رمضان القادری کلیان پوری استاذ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

انسانی زندگی کی تہذیب وتمدن، عروج وارتقاء کا معیار اتفاق اور اتحاد پر موقوف ہے۔ نیز اگر یہ کہا جائے کہ "اتفاق واتحاد" تہذیب وتمدن اخوت ومساوات کا مرکز ہے تو مضائقہ نہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں مذہبی اختلافات اپنے عروج پر ہیں وہیں سماجی، معاشرتی اور خانگی اختلافات بھی آج کے دور میں کہیں اس سے بڑھ کر ہی ہیں۔ اتفاق واتحاد ایک ایسی چیز ہے جس کے پسندیدہ ہونے پر کائنات کے تمام انسانوں کا خواہ وہ کسی بھی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے کیوں نہ ہوں اتفاق ہے۔ اس میں دو رائے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن تجربات اور مشاہدات یہ بتلاتے ہیں کہ اتفاق واتحاد کے مفید اور ضروری ہونے پر سب کے اتفاق کے باوجود ہو یہ رہا ہے کہ انسانیت فرقوں، گروہوں اور پارٹیوں میں بکھری ہوئی نظر آرہی ہے۔ پھر ہر فرقہ کے اندر فرقہ اور پارٹی کے اندر پارٹیوں کا لامحدود سلسلہ ایسا ہے کہ صحیح معنوں میں دو آدمیوں کا اتفاق بھی ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔

مسلمانوں میں یہ فرقہ بندی اسلام جیسے مقدس اور پاکیزہ دین کے لیے ایک بدنما داغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ نیز ان مسائل کے اختلافات نے اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید کہ اسلام کے دشمنوں نے اتنا نقصان نہ پہنچایا ہوگا۔

قرآن پاک نے فقط وعظ ہی بیان نہیں کیا، بلکہ اس کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا ایک عادلانہ اور منصفانہ اصول بھی بتلایا ہے۔ جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً قرآن حکیم کا یہ پیغام

لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃ: یعنی بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔ قرآن نے ہمیں رسول اللہ کی پیروی کرنے کی دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ آپ احادیثِ کریمہ کا مطالعہ کرکے دیکھیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے اتفاق واتحاد کا گہوارہ کتنے حسین انداز سے بیان فرمایا ہے۔

ولجارك عليك حق، ولنفسك عليك حق، ولابويك عليك حق فاتوكل ذی حق حقه او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: یعنی تمہارے پڑوسی کا تم پر حق ہے، اور تمہارے اپنے اوپر تمہارا حق ہے، تمہارے والدین پر تمہارا حق ہے، تمہارا ہر ایک کا حق کو تم دے دو۔

یہ ایک طویل حدیث شریف کا ٹکڑا ہے درجہ ذیل فقط ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

ایک صحابیِ رسول عبادات وریاضات میں اس قدر منہمک رہا کرتے تھے کہ ساری رات تہجد گزار اور دن بھر روزہ دار۔ نہ انھیں اپنے بیوی بچوں کا خیال آتا تھا اور نہ ہی اپنے ملاقاتی یا تن بدن کا خیال رہتا تھا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو فوراً اس صحابی کو بلایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ نصیحت فرمائی کہ: میں تمام دنیا کے انسانوں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا ہوں اور اس کا متقی بندہ ہوں مگر اس کے باوجود رات کے کچھ حصہ میں آرام کرتا ہوں اور کچھ حصہ میں عبادت بھی کرتا ہوں۔ ہر ماہ میں چند روزے بھی رکھتا ہوں اور چند دنوں افطار بھی کرتا ہوں، اس کے بعد اس صحابی سے فرمایا: کہ تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں اور بیوی بچوں کے بھی حقوق ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کا حق تم ادا کرو۔

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر ہم سب کے حقوق کو انصاف کے ساتھ ادا کریں گے تو اتفاق واتحاد کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ رہے گا اور سماجی، اقتصادی اور خانگی ماحول بھی خوش گوار اور پُر لطف بنے گا۔

پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کے درمیان اسی عنوان کے تعلق سے ایک نسخۂ اکسیر اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

یعنی تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ بندی مت کرو۔

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کتاب اللہ هو حبل اللہ

الممدود من السماء الی الارض ۔ یعنی کتاب اللہ، اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے (ابن کثیر) قرآن کو رسی سے تعبیر کیا گیا ہے چوں کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ایک جگہ اس مفہوم کو اس طرح سے واضح کیا گیا ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ امنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودًّا ۔ یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ آپس میں ان کی دوستی اور محبت پیدا فرما دیتا ہے ۔

ایمان ایک ایسی لازوال نعمتِ عظمیٰ ہے کہ جس کو حاصل کر لینے کے بعد مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کا سنگم بن جانا چاہیے ۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ فاروقِ اعظمؓ جس وقت اسلام سے دور تھے اس وقت اسلام اور اہلِ اسلام کو اپنی نظروں سے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے ۔ معاملات تو در کنار کی بات تھی ۔ لیکن جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو بلال حبشیؓ اور صہیبؓ رومی جیسے مسلمانوں کو گلے سے لگا لیا اور دیکھنے والی نگاہوں نے ان سب کو ایک ہی صف میں دیکھا ۔ ؏

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسلام نے مسلمانوں کو موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور ان کے دلوں سے کدورتیں اور بغض و عناد ختم کر دیا ۔ پروردگارِ عالم نے اس نعمت کا بطور احسان اس طرح بیان فرمایا :

اِذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فألّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا وکنتم علیٰ شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منھا

(ترجمہ) اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غارِ دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا (کنز الایمان)

اسلام کی بدولت مسلمانوں کے درمیان عداوت دور ہوئی اور آپس میں دینی محبت پیدا ہوئی حتیٰ کہ اوس و خزرج کی وہ مشہور لڑائی جو ایک سو بیس سال سے جاری تھی، جس کے سبب سے رات دن قتل و غارت گری کی گرم بازاری تھی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مٹا دی ۔ اور جنگ کی آگ

ٹھنڈی کردی اور جنگجو قبیلوں میں الفت و محبت کے جذبات پیدا کردئے۔

قرآن کا آفاقی پیغام ان داعیوں کو متنبہ کر رہا ہے جو امت مسلمہ میں نا اتفاقی کی بیج بونے میں کوشاں ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فرقوا دینھم وکانوا شیعًا لَسْتَ منھم فی شیءٍ انما امرھم الی اللّٰہ ثم یُنَبِّئُھُم بما کانوا یفعلون: وہ جنھوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہوگئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ انھیں بتادے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (کنز الایمان)

تفسیرِ نعیمی میں ہے یہ مثال یہود اور نصاریٰ کی ہے۔

حدیثِ شریف میں ہے کہ یہود اکہتر (۷۱) فرقہ ہوگئے ان سے صرف ایک ناجی باقی سب ناری ہوں گے۔ اور نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے ایک ناجی باقی سب ناری ہوں گے۔ سوا اور میری امّت میں تہتّر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے وہ سب کے سب ناری ہوں گے سوائے ایک کے جو سواد اعظم یعنی بڑی جماعت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے جو میری اور میرے صحابہؓ کی راہ پر ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے:

مَنۡ دَعَا اِلٰی ھُدًی کان لہٗ من الاجر من الاثم مثل آثام من تبعہٗ لا ینقص ذالک من اجورھم شیئًا ومن دعا الی ضلالۃٍ کان علیہ من الاثم مثل آثامھم شیئًا

جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کے لیے ہدایت پر چلنے والوں کا ثواب کے مثل ثواب ہوگا۔ اس کے ثواب میں کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر گناہ کی تمام مرتکبین کے مثل گناہ ہوگا۔ اس کے گناہ سے کچھ کمی نہ ہوگی۔ اس حدیث شریف کی رو سے ان اشخاص کے لئے عبرت ہے جو سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہیت کی غار میں ڈھکیلنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ اور ان اشخاص کے لیے عزّت ہے جو اللہ اور رسول ؐ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق تبلیغ دین حق کے لیے کوشاں ہیں۔

اسلام ایک عالمی اتحاد کا علمبردار ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ معاشرے کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور خوش حالی اور امن کی فضا قائم کریں۔

اگر ہم حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر ہماری نظروں کے سامنے آسکتی ہے کہ یہ اختلافات

ہماری جہالت اور خودغرضی کا بھی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل مثال موضوع کے خلاف نہ ہوگی۔

ایک بازار میں چار اندھے بھیک مانگ رہے تھے۔ جس میں ایک سعودی عرب سے تعلق رکھنے والا تھا، دوسرا ایرانی، تیسرا ترکی اور چوتھا ہندوستان سے تعلق رکھنے والا تھا۔ ایک آدمی نے ان چاروں کو ۵ روپئے دئے اور کہا کہ جاؤ پانچ روپے کی کوئی چیز لے کر آپس میں تقسیم کرلو۔ پانچ روپے کا نوٹ لے کر چاروں آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ پانچ روپے میں کیا خریدیں؟ عرب نے کہا میں 'عنب' کھاؤں گا، ترکی نے 'روزم' اور ہندوستانی نے 'لاکھیں' اور ایرانی نے "انگور" کھانے کی خواہش ظاہر کی (لاکھیں، انگور، عنب، روزم) یہ چاروں نام ایک ہی چیز کے ہیں۔ جسے ہم انگور کہتے ہیں۔ لیکن نام الگ الگ ہیں۔ اس اختلاف سے اندھے آپس میں جھگڑنے لگے اور اپنی اپنی زبان کے مطابق ہر ایک اصرار کرنے لگا کہ جس چیز کو میں پسند کرتا ہوں وہی لانا۔ آخر کار اس بے مطلب جھگڑے پر ایک ہوشیار اور پڑھا لکھا آدمی آگیا اور ان کے جھگڑے کی وجہ دریافت کی۔ اس کے بعد یہ آدمی ان اندھوں سے کہا کہ ۵ روپے مجھے دو یہ مسئلہ آسان ہے میں بازار سے ہر ایک کی پسند کے مطابق چیز لاؤں گا۔ تم سب خوشی خوشی کھا لینا۔ چناں چہ اندھے راضی ہوگئے وہ پیسہ اس آدمی کے حوالے کردیا۔ یہ شخص بازار سے انگور لایا اور ہر ایک کو دے دیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی زبان میں انگور کا طالب تھا۔ اور انگور مل گئے یہ سب خوش ہو گئے۔ اور جھگڑا بھی ختم ہو گیا۔ وہ اندھے پھل کی وجہ سے جھگڑ رہے تھے مقصد چاروں کا ایک تھا ہوشیار، دانش ور جھگڑتے نہیں بلکہ امن چاہتے ہیں۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے مسلمانوں کے مابین اختلافات وانتشار کو الفت ومحبت میں تبدیل فرما کر اتفاق واتحاد کا پرچم لہرادے۔ آمین بجاہ حبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مولوی حافظ عبداللہ خان مجاہد باپلہ (آندھرا) استاذِ دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کے جو کچھ ملتا ہے یا نہیں ملتا ہے سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے۔ اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کو ہم تک پہنچنے کے لیے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ذریعہ اور راستے ہیں۔ پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس عالم وجود میں اسباب کی کار فرمائی بالکل نہیں ہے بلکہ کار فرما اور موثر صرف اللہ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے امید یا خوف رکھنا اور اسی سے دعا کرنا بس اسی طرزِ عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکّل ہے۔ توکل کی اصلی حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کرنا توکّل کے لیے لازمی نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور ہر دور کے عارفینؒ کاملین کا توکل یہی تھا یہ سب حضرات اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلہ کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا۔ اسباب کے استعمال میں بھی وہ اللہ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہلِ توکل کی مثالیں اپنے کلام پاک میں جگہ جگہ بتائی ہیں۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (پ ۲۸ رکوع ۱۷) اور جو شخص بھروسہ کرے اللہ پر پس اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (۴: ۸)

پس جب آپ رائے پختہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرلیں اور اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ وعلی اللہ فلتوکلوا ان کنتم مومنین (۶: ۴۸) اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان لکم فمن ذالذی ینصرکم من بعد وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون (۳: ۴۸) اے مسلمانو! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا تو پھر کوئی بھی تم پر غلبہ پانے والا نہ ہوگا اور اگر تم کو چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون تمہاری مدد کرے گا۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر توکل کرے توکل کرنے والوں کی طرح۔

علامہ عبدہٗ نے آیت بالا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے: کسی کام کا عزم اگرچہ غور و فکر، رائے مشورہ اور ساز و سامان کے بعد ہوتا ہے تاہم یہ کامیابی کی ضمانت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق بہرحال درکار ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کچھ خارجی موانع اور عوائق پیدا ہو جائیں اور وہ کام پورا نہ ہو سکے۔ اس لیے مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرے اور اس کی طاقت و رحمت پر اعتماد کرے جس نے بھی نعم المولیٰ ونعم الوکیل کی حقیقت کو کما حقہ سمجھ کر اس پر ایمان لایا اور یقین کامل رکھا اور یہ جانا کہ ہر شئے رجوع الی اللہ ہونے والی ہے اور اسی سے متعلق ہے یقیناً ایسا انسان کبھی حیران و پریشان نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ رحمت و عنایتِ ایزدی اس کے شاملِ حال ہوگی اور اس کا دل دنیا سے بے نیاز ہو کر بے جا تدابیر کی پریشانیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور ان اسباب پر یقینِ کامل ہوگا کہ خالقِ کائنات جتنی چیزیں مقدر فرما دی ہیں وہ ضرور ملیں گی۔

چناں چہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح روزی دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ) بعض سطحی النظر یہ سوچ سکتے ہیں کہ پرندوں کی طرح مفت روزی ملے گی۔ حالاں کہ مضمونِ حدیث اس پر بالکل دال نہیں ہے۔ امام ذہبیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ اس میں اسباب ظاہری کو ترک نہ کیا جائے کیوں کہ اس میں پرندوں کو رزق دینے کی صورت یہ بیان کی گئی کہ وہ صبح کو آشیانوں سے خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے واپس ہوتے ہیں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ اپنے آشیانوں میں پڑے رہتے ہیں اور ان کا رزق آسمانوں سے برس جاتا ہے۔

بعض لوگ اسباب کو ترک کر دینے اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر بیٹھ جانے کو توکل خیال کرتے ہیں حالاں کہ یہ توکل نہیں تعطل ہے اور نظامِ عالم میں سنت اللہ کی خلاف ورزی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بھوکا شخص سامنے رکھے ہوئے کھانے کو منہ میں نہ ڈالے اور یہ سوچے کہ خود بخود حلق میں چلا جائے گا یا اولاد کا خواہش مند شادی نہ کرے اور یہ گمان کرے کہ بغیر ازدواجی زندگی کے اولاد ہو جائیگی اس کا یہ خیال حماقت اور دیوانگی سے تعبیر کیا جائے گا۔ بہرحال توکل عمل کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا تعلق قلب سے ہے اور عمل کا اعضا و جوارح

سے ہے اور دونوں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ امام ترمذیؒ انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یا رسول اللہؐ میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں یا کھلا چھوڑ دوں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اعقلھا وتوکلھا باندھ دو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ یعنی توکل میں تدبیر کی ممانعت نہیں۔ ہاتھ سے تدبیر کرے اور دل سے اللہ پر توکل کرے اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر متوکل علی اللہ کون ہوگا؟ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے باوجود دوسرے ہی دن اپنے کاندھوں پر کپڑے کی تھان رکھ کر بازار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جب حضرت عمرؓ اور حضرت عبیدہؓ نے آپؓ سے پوچھا اے صدیق اکبرؓ کدھر جا رہے ہو تو آپؓ نے جواب دیا اپنے بال بچوں کے لیے فکرِ معاش کرنے بازار جا رہا ہوں۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے کلی طور پر واضح ہو رہا ہے کہ توکل اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے سبب پر اس کے نتائج اور حصول مقصود کے لیے کامل بھروسہ کرے۔ اگر اسباب لایعنی اور بے ضرورت شئی ہوتی تو یقیناً خالقِ کائنات اس کی تخلیق نہ فرماتا۔ اور بلا اسباب ہر چیز عطا فرما دیتا۔

آئیے قرآنی آیات کے بعد ایک دو احادیث سے بھی توکل اور متوکلین کی فضیلت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستّر ہزار بغیر حساب کتاب کے جنّت میں داخل ہوں گے وہ ایسے بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے اور شگون بد نہیں لیتے اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

اس حدیث کا صحیح طور پر مطلب سمجھ لینے کے لیے یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلعم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہلِ عرب اور دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابلِ اصلاح برائیوں کے علاوہ حدیث میں مذکورہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں جب وہ خود یا ان کے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی آسان ترکیب ہے۔ اسی طرح جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے جن میں نفع ونقصان ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اگر شگون برا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راس نہیں آئے گا اس لیے پھر اس کو نہیں کرتے۔ الغرض منتر اور شگون کو بھی نقصان سے بچنے کی آسان تدبیر سمجھتے تھے۔ پس اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ جنّت میں بے حساب جانے والے بندگانِ خدا وہ ہوں گے جنھوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگونِ بد کے غلط طریقوں کو چھوڑ دیا ہو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدّر فرمایا اسی پر راضی رہے اور آدمی کی محرومی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر فرمایا اسی سے ناراض ہو۔ (احمد۔ ترمذی)

(بقیہ صفحہ 221 پر ملاحظہ ہو)

ایک دفعہ آقائے کائنات ؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو مٹی میں لیٹے ہوئے دیکھا۔ دایاں ہاتھ سر کے نیچے تھا (قربان جائیے شیرِ خدا ؓ کے اس فقر و خاکساری پر) سرکار ؐ نے جب انھیں اس حال میں دیکھا تو فرطِ محبت سے پیار بھرے لہجے میں فرمایا: اٹھو! اے ابوتراب!! اس طرح یہ لقب مشہور و مقبول ہوگیا۔ آپ ؓ کی شجاعت تو بے مثل روایت بن چکی تھی۔ اسی عظیم ہستی سے متعلق چند واقعات، جن سے آپ ؓ کی شجاعت، کردار، ایثار، عدل، ذہانت و ظرافت کا پتہ چل سکے۔ قارئین "الطیف" کے پیشِ خدمت ہے۔

حضرت علی ؓ نے کبھی بھی بت کی پرستش نہ کی۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے نوجوانوں میں سے تھے پختہ عمر لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ تھے اور خواتین میں حضرت خدیجہ ؓ تھیں۔ ہجرت کے وقت حضور ؐ نے اپنے بستر مبارک پر حضرت علی ؓ کو ہی منتخب فرمایا اور اپنی چادر مبارک اتار کر ان کے اوپر ڈال دی۔ کفار مکہ جنھوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ دیکھا اور یہی سمجھا کہ حضور ؐ ہی خوابیدہ ہیں۔ حالاں کہ انھیں کے سامنے سے گزر چکے تھے اور قدرت کا کرشمہ یہ کہ سب کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہ واقعہ حقیقتِ محمدی ؐ سے وابستہ ایک اہم نکتہ بن کر رہ گیا۔ جو اس وقت کا موضوع نہیں ہے۔ یہاں حضرت علی ؓ کا انتخاب اہمیت رکھتا ہے۔ ہجرت کے بعد حضرت علی ؓ تین ۳ دن تک مکہ میں رہے۔ اور حسب حکم نبوی ؐ امانتیں واپس کرتے رہے۔ بعد میں آپ ؓ نے

اسی راہ سے ہجرت کی جس راہ سے حضورؐ کا گزر ہوا تھا۔ سرورِ کائناتؐ کے نقشِ قدم کی نورانی ضیاپاشی رہگذر کی نشان دہی کر رہی تھی۔ اور نئی منزل کی طرف لے جا رہی تھی۔

بیاہ : حضرت علیؓ کا نکاح خاتونِ جنت جگر گوشۂ رسولؐ فاطمہ بتولؓ سے ہجرت کے دوسرے سال ماہ محرم کے شروع میں ہوا۔ اس وقت آپؓ کی عمر شریف ۲۱ سال اور ۵ ماہ تھی اور بی بی فاطمۃ الزہراؓ کی عمر شریف ۱۵ سال ۵½ ماہ تھی۔

اس عقد کے سلسلہ میں شمس التواریخ ج:۴ میں ایک دل چسپ واقعہ نقل ہے جو آج کے اسلامی معاشرہ کے لیے قابلِ اتباع ہے۔ نقل ہے کہ بیت المعمور میں تمام ملائکہ کو جمع کر کے ان دوادرداح کا عالمِ قدس میں نکاح کر دیا گیا تھا۔ اور بذریعہ وحی حضورؐ کو حکم ہوا کہ زمین پر اس کی تکمیل کر دی جائے۔ اس کی صورت یوں ظہور میں آئی کہ حضرتؐ کی خدمت میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی جانب سے حضرت عمرؓ نے پیام پیش کیا۔ جب حضرت عمرؓ نے درخواست پیش کی تو حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ درخواست تو حضرت علیؓ کو خود روبرو پیش کرنی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو حکمِ نبویؐ سنا دیا۔ اور ساتھ چلنے کو کہا۔ حیا کے باعث حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ دربارِ نبویؐ میں پہنچے نیچی نگاہ کئے ہوئے آئے اور خاموش بیٹھ گئے۔ عرضداشت کی جرأت نہ کی۔ حضورؐ نے کچھ لمحے گزرنے کے بعد حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور پیار بھرے لہجے میں ہمت افزائی کی۔ کہو علیؓ! کیا کہنا چاہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے دبی ہوئی آواز میں بی بی فاطمۃ الزہراؓ کا ہاتھ مانگا۔ حضورؐ نے پہلا سوال یہ کیا کہ: مہر کیا دو گے؟ حضرت علیؓ نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضورؐ نے یاد دلایا کہ تمہارے پاس زرہ نہیں ہے؟ (یہ حطیبہ نام کی زرہ حضورؐ ہی کی دی ہوئی تھی) فرمایا اسی کو بیچ کر رقم لے آؤ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے خاصی قیمت فوراً دے کر اس زرہ کو خرید لیا۔ اور وہ رقم حضورؐ کی نذر کر دی۔ اس میں سے کچھ رقم اٹھا کر حضورؐ نے کچھ خورمے منگوائے اور نکاح پڑھ دیا۔ سارے اصحابؓ جمع تھے۔ اپنی قرۃ العین کے اس نکاح کی خوشی میں حضورؐ نے طبق میں رکھے ہوئے خورمے کو اپنے دستِ مبارک سے اصحابِ کرامؓ کے درمیان اچھال دیا۔ اور فرمایا: لوٹ لو۔ اصحابؓ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے خورمے چننے لگے۔ ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ کے خلاف فوراً شکایت کی یا رسول اللہؐ! انھوں نے میرے ہاتھ لگا ہوا خورمہ چھین لیا ہے۔ کیا یہ ان کے لیے جائز ہے؟ حضورؐ نے انتہائی مسرت کے لہجے میں فرمایا: اس وقت کسی کے منہ سے بھی چھین کر کھالے تو میں

اجازت دیتا ہوں۔

بی بی فاطمہؓ

حضرت عباسؓ نے فرمایا بی بی فاطمۃ الزہراؓ کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی جب کہ کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر ہو رہی تھی۔ حضورؐ کی بعثت کے ڈیڑھ سال بعد سیلاب میں کعبہ کی دیواریں گر گئیں، اس لیے دوبارہ تعمیر ہوئیں۔ اس وقت حضورؐ کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی۔ بعثت کے تقریباً ایک سال بعد سیّدہؓ کی ولادت ہوئی۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ منبر پر سے فرمایا: فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے اُسے رنج دیا اس نے مجھے رنج دیا۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ کو آتے دیکھا تو فرمایا: بالکل حضورؐ کی چال کے مشابہ ہے

حضرت عائشہؓ بنتِ طلحہؓ نے اُمّ المومنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے بات چیت کے انداز میں فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو حضورؐ کے مشابہ نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ جب کسی سفر پر جانے یا جنگ کے لیے جاتے تو آخری کام جو ادا فرماتے وہ یہ تھا کہ فاطمہؓ سے جا ملتے اور واپس آتے تو پہلا کام یہی ادا کرتے اور پھر ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے۔ آپؓ (بی بی فاطمہؓ) کی وفات ۳ رمضان ۱۱ ہجری شب سہ شنبہ (حضورؐ کے پردہ فرمانے کے چھ ماہ کے بعد) ہوئی۔

جنگِ بدر

جنگ بدر ۲ سنہ ہجری میں واقع ہوئی۔ اسلامی تاریخ کے دھارے کا رُخ بدلنے والا یہ معرکہ اتنا اہم تھا کہ خدا کے رسولؐ (فداہ ابی وامی روحی وجسدی، مالی وولدی) نے العرش کے مقام میں ساری رات بارگاہِ ایزدی میں محوِ مناجات رہے۔ اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں ہوگی دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور تین سو تیرہ (۳۱۳) جاں بازوں کے ذریعہ مقابلے پر اُترے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہاں علم بردار رہے۔ صبح ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا۔ اپنی تلوار ذوالفقار حوالے کیا اور جنگ کے بعد ہمیشہ کے لیے بخش دی۔

واللہ یوید بنصرہ من یشاء ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار

جنگِ اُحد

۳ سنہ ہجری شوال میں ہوئی تھی۔ جس میں حضورؐ کی مقررّ کی ہوئی حد کو فوج فتح کے جوش میں پار کر کے آگے بڑھی تو کفاّر نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضورؐ کے چار دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حضورؐ کو سہارا دیا۔ طلحہؓ بن عبیداللہ بھی آن پہنچے۔ حضورؐ کے سر میں چار حلقے گھس گئے تھے۔ حضرت صدیق دوڑے ہوئے آئے آگے بڑھ کر دانت سے حلقے کھینچ لیے۔ جب خون نکلا تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے والدِ ماجد مالکؓ بن سنان اپنے لبوں سے سارا خون چوس کر نگل گئے۔ حضورؐ نے فرمایا: جس کے خون میں میرا خون سرایت کر گیا ہو اُسے جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی۔ مصعب بن عمیرؓ علم بردار رہے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لے لیا۔

جنگِ خندق

۵ سنہ ہجری شوال میں واقع ہوئی۔ جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خداداد کمال کا مظاہرہ کیا۔

جنگِ خیبر

۷ سنہ ہجری محرم میں واقع ہوئی۔ مدینہ کے شمال مشرق میں ستر میل پر یہودیوں کی آبادی تھی۔ حضرت علیؓ آشوبِ چشم سے مجبور تھے۔ حضورؐ نے اپنے متبرک لعابِ دہن سے شفا بخشی اور جنگ پہ روانہ کیا۔ روایت مشہور ہے کہ اسّی من وزن والا درِ خیبر جو چالیس آدمی اٹھا نہ سکتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو ایک ہاتھ سے اکھیڑ کر اسی کو ڈھال بنا لیا اور مسلمانوں کے لیے راستہ کھل گیا۔

اہلِ عرب کے مزاجوں کا کیا کہنا؟ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حاصل شدہ فتوحات کی تفصیل یہاں ضروری نہیں۔ مختصر یہ کہ موجودہ روس میں واقع کیسپئن سمندر کے ساحل پر کئی وسیع مقامات نیشاپور، بلخ، طخارستان، ارمینیا، آذربائیجان، طبرستان وغیرہ شامل تھے۔ حضرت معاویہؓ کی سربراہی میں افریقہ میں سوڈان، مصر، قبرص (یونان) ترکی، روڈیشیا تک رقبہ پھیل چکا تھا۔ ان مفتوح ممالک کے تمدن اور معاشروں کا اثر اسلامی زندگی پر پڑنے لگا۔ مالِ غنیمت کثرت سے آنے لگا۔ عربوں نے پہلی مرتبہ خوش حالی دیکھی تو ہوس کا شکار ہونے لگے۔ نئی مزاج والے عربوں سے سابقہ ہو گیا۔ اب

وہ صحرا نشین، جفاکش سادہ مزاج عرب نہ رہا۔ دولت کے نشے میں عیش پسند ماحول بن گیا۔ ملوکیت کے مسائل اُبھرنے لگے۔ اُن کے لازمی تقاضوں میں منطقی نتائج ظہور پذیر ہونے لگے۔ ان حالات میں حضرت علیؓ نے نہایت ہی پُر اثر اور مقبول رول ادا کیا۔ اعتدال پیدا کر کے متنازعہ فرقوں کے جذبوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ باوجود ان تمام کوششوں کے حضرت عثمانؓ کی جعلی مہر کے ذریعہ کچھ ایسے حالات رونما ہو گئے جن سے شورش شروع ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مسجد جا نہ سکے۔ امام مقید ہو چکے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے ساتھ شام چل نکلنے کی پیش کش کی۔ تو جوارِ نبیؐ چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ حسبی اللہ نعم الوکیل کہا اور تلاوتِ قرآنِ پاک میں مشغول ہو گئے۔ اسی شغل میں ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ سنہ ہجری بروز جمعہ نوّے سال کی عمر شریف میں جامِ شہادت نوش فرمایا: خون کے چھینٹے اس آیت پر گرے: فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔

مسلمان منتظر تھے کہ سربراہی کے لیے کون آگے بڑھے۔ مصریوں کا حضرت علی کرم اللہ وجہٗ پر اصرار ہوا، لیکن آپؓ نے گریز کیا اور باغوں میں روپوش ہو گئے۔ آخر کار ذمہ داری لینی ہی پڑی۔ ۱۹ ذی الحجہ ۳۵ سنہ ہجری "حرمتِ مسلم" پہ پہلا خطبہ دیا۔ ان تاریخی واقعات کو یہاں اختصار سے دہرانے کا مقصد اس پس منظر کو پیش کرنا ہے کہ اسلامی تاریخ کے ایک انتہائی نازک وقت پر آپؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تھی خونِ مسلم ارزاں ہو چکا تھا، اسلام اور اس کے عظیم الشان اصولوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ تعلیم و تبلیغ کا دریا ٹھنڈا ہو گیا اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا انتقام لینے کا سودا سر پہ سوار تھا۔ ہر مجلس میں موضوع گفتگو یہی تھا۔ مختلف افراد پہ گروہوں پہ الزام دھرے جا رہے تھے۔ ایک مشکل کا حل ہوتا تو دوسری مشکل سامنے آن کھڑی ہوتی تھی۔ قصاص کا مطالبہ کرنے والوں میں ایسے بد تھے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے خون تو کیا پسینہ بھی نہیں بہایا تھا۔ ایک رم دس ہزار کی فوج نیزے بلند کر کے پکار اٹھی جو قصاص لینا ہے ہم سے لے لو۔ ہم سب قاتل ہیں۔ دوسرے صحابہؓ بھی آئے جن میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے حضرت عائشہؓ کو بھی شریک کر لیا اور بصرہ گئے۔ حضرت علیؓ کو خبر ملی تو آپؓ مدینے سے عراق تشریف لائے۔

آخر کار مقابلہ ہوا۔ حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہوئی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ تیرہ ہزار مقتول ہوئے اب مصیبت یہ پیش ہوئی کہ مالِ غنیمت کا مطالبہ پیش ہوا۔ حضرت علیؓ نے صاف رد کر دیا۔ اس لیے کہ حضرت

طلحہؓ اور زبیرؓ کا مال ہے۔

سبائیوں نے عرض کیا کہ آپؓ نے ان کے خون کو حلال کیوں کر کہا جب کہ ان کے مال کو حرام قرار دینا تھا۔ حضرت علیؓ نے للکارا۔ تم میں کون پسند کرتا ہے کہ عائشہؓ اُن کے حصّہ میں آئے؟ اس ایک جملے نے سب کو ٹھنڈا کر دیا۔ سارے کے سارے خاموش ہو گئے۔ پھر حضرت عائشہؓ کو پورے احترام کے ساتھ چالیس خواتین اور بارہ ہزار کی رقم دے کر مدینہ کو رخصت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے بھی یہ توضیح کر دی کہ جو کچھ غلط فہمی اور شکوہ شکایت رہے ہے ان سب کو بھلا دیا جائے۔ جنگِ جمل ایک ایسا پانی تھا جس میں اُبال آیا اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ وقت کی نزاکت، معاملہ کی صداقت، برہم مزاجوں کی جسارت، امتِ محمدیہؐ کی سر براہوں کی حرمت و حفاظت، اتفاق کی شدید ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علیؓ کا یہ لچکدار رویّہ کتنا بے مثال اور سبق آموز رہا۔

جنگِ صفین

لیکن جنگِ صفین جو ۳۶ سنہ ہجری میں شروع ہوئی دو متوازی اصول کی جنگ تھی۔ دورانِ جنگ کا ایک واقعہ ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس ایک خارجی آیا اور کہنے لگا اگر حکم ہو تو حضرت علیؓ کا سرِ مبارک حاضر کر دوں حضرت معاویہؓ نے فوراً کہا: یہ میرا اور علیؓ کا معاملہ ہے۔ جو اس معاملہ میں مداخلت کرنا چاہے وہ مجھ سے مقابلہ کرتا جائے۔ اس جنگ میں حضرت طلحہؓ زخمی ہو کر گھائل ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ کا وادی السباع میں عمر بن جرموز کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جب حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ کی لاش کو خون میں لتھڑے ہوئے پڑا پایا تو گرد و غبار سے صاف کیا اور کہا اللہ سے فریاد کرتا ہوں اپنی ذرا ذرا سی باتوں میں تمنّا کرتا ہوں کہ کاش بیس۲۰ سال پہلے میں دنیا سے رخصت ہو جاتا! حضرت زبیرؓ کا سر مبارک لے کر جب قاتل حضرت علیؓ کی خدمت میں آیا تو آپؓ نے آنے نہ دیا اور کہا اس کو جہنم کی خبر دینا۔ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ ابن صفیہؓ (زبیرؓ) کا قاتل جہنمی ہوگا۔

جنگِ صفین کے بعد دَور نہایت پُرفتن ہو گیا۔ حضرت علیؓ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو بارہ ہزار کی فوج نے علاحدگی اختیار کر لی۔ اس جنگ کے اثرات دُور دُور تک رونما ہونے لگے۔ عراق اور شام خاص طور پر اس کے زیرِ اثر ہوئے۔ عراق کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے حصّے میں آئے۔ یہ لوگ ایک پابند نظام کے عادی نہیں تھے لہٰذا قوانین و ضوابط

کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ایک بار اپنی ریش مبارک کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ خون سے رنگ دی جائے گی۔ عبدالرحمٰن ابن عمرو عرف ابن ملجم، دوسرے برک بن عبداللہ التیمی اور تیسرا عمر بن بکر التیمی تین۳ خارجی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو قتل کرنے کا ذمہ لیا، برک نے حضرت امیر معاویہؓ کے قتل کا ذمہ لیا، اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاص کا ذمہ لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ لوگوں کو مسجد میں نماز کے لیے جگانے لگے تو ابن ملجم نے وار کر دیا۔ یہ کہتے ہوئے لاحکم الا اللہ لیس لک و لا صحابک یا علی: (حکومت اللہ کی ہے نہ تمہاری نہ تمہارے مصاحبوں کی) ابن ملجم پکڑا گیا۔ خون سے ریش مبارک لال ہو چکی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے جعدہؓ بن ہبیر بن ابی وہب کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا اور کہا اگر میں مر جاؤں تو ابن ملجم کو قتل کر دینا۔ زندہ رہوں تو مجھے معلوم ہے کیا کرنا ہے؛ قصاص لینا یا معاف کرنا۔ قیدی سے حسنِ سلوک کرو۔ الگ الگ کسی عضو کو نہ کاٹنا (اس کو مثلہ کہتے ہیں مثلاً ناک، کان الگ الگ کاٹنا) وقتِ سحر شہادت ہوئی۔

۴۰ ہجری عمر شریف تریسٹھ۶۳ برس، عہدِ خلافت چار سال نو ماہ رہا۔ نماز جنازہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کیا ہم حسنؓ سے بیعت کر لیں۔ جواب دیا نہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ حضورؐ کی پیشین گوئی ثابت ہوئی خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد اللہ ملک جس کو چاہے دے دیگا۔ شیعوں نے حضرت علیؓ کو نبی مانا۔ الٰہ بنا دیا۔ عبداللہ ابن سبا نسلاً یہودی تھا، پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؓ کی امامت فرض ہونے کا اعلان کیا۔

اس کا ماخذ اور سرچشمہ یہودیت ہے۔ جب حضرت علیؓ کو خبر ملی تو ان کو دو گڑھوں میں نذرِ آتش کیے جانے کا حکم دیا۔ ابنِ سبا کو جلا وطن کیا۔ جب شہادت کا واقعہ پیش آیا تو ابنِ سبا نے کہا: علیؓ مقتول ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح آسمان پر چلے گئے ہیں اور بادلوں میں چھپے ہیں۔ جب بجلی کڑکتی ہے تو کہتے ہیں ان کی آواز ہے۔ اور بول اٹھتے ہیں السلام علیک یا امیر المؤمنین۔

حضرت علیؓ نہایت حاضر جواب تھے۔ اور اس میں بلند نظری کی جھلکیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ آپؓ کے دورِ خلافت میں ایک خارجی نے آپؓ سے دریافت کیا: کہ کیا بات ہے جو آپؓ کے دور میں جنگِ جمل، جنگِ صفین جیسے فتنے سر اٹھائے، جو پیشتر خلفاء کے دور میں نہیں تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فوراً ارشاد فرمایا: متقدمین

خلفار کے دور میں ایسے فتنے نہیں تھے اس لیے کہ ہم ان کے مشیر تھے اور اس وقت آپ جیسے مشیر ہیں۔ خارجی لاجواب ہوگیا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ہمراہ تھے۔ اور اتفاق سے دونوں کے درمیاں چل رہے تھے۔ چوں کہ آپؓ دونوں سے پستہ قد تھے۔ حضرت صدیقؓ نے ظریفانہ انداز میں فرمایا: کہ آپؓ لنا کے نون کے مانند نظر آتے ہیں۔ (ل ن ا) آپؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ سچ تو ہے۔ لیکن نون کو نکال دیجیے اور دیکھ لیجیے کیا رہ جاتا ہے۔ (لا) تو گویا لنا کی اہمیت ن ہی سے تو ہے۔ دونوں اس جواب سے محظوظ ہوئے۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا: کیا خدا سچ مچ موجود ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ایک لمحہ خاموش رہے اور جواب میں فرمایا: فرض کرلیں کہ خدا نہیں ہے۔ لیکن ہمارے تسلیم کرلینے سے کیا ہرج ہے برخلاف اس کے اگر سچ مچ خدا ہے اور ہم نہیں مانیں تو ضرور گرفت ہے۔ اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ مان لیں۔ حاضرین اس منطق سے نہایت محظوظ ہوئے۔

آپؓ کا ایک مشہور قول ہے کہ

"دشمن کو احسان کے ہتھیار سے مسخر کرو"۔

آپؓ کے اس قول کی صداقت ذیل کے واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپؓ نے ایک نہایت طاقتور کافر کو مغلوب کرلیا اور سینہ پر سوار ہوکر قریب تھا کہ اسے (آپؓ) تلوار سے ہلاک کردیتے کہ وہ کافر آپؓ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علیؓ سہم گئے۔ ہاتھ جو تلوار کے ساتھ بلند ہوچکا تھا، نیچے کرلیا۔ کافر کے سینے سے اٹھ گئے اور فرمایا: جا تجھے اس وقت چھوڑ دیا۔ کافر حیرت زدہ تھا اور کچھ سمجھ نہ سکا: پوچھا: میں تو جان سے ہاتھ دھو چکا تھا اس جان بخشی کا سبب جان سکتا ہوں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے پُرتمکین لہجے میں فرمایا: میری تجھ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ تجھ سے اگر دشمنی ہے تو صرف اس لیے ہے کہ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے۔ لیکن جب تُو نے میرے چہرے پر تھوکا تو مجھ پر نفس غالب ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں اگر تجھے ہلاک کرتا تو میری ذاتی غرض بھی اس میں شامل ہوجاتی۔ اس لیے نفس پر غالب آکر میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ پھر کبھی تیری خبر لوں گا اور وہ صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوگا۔ کردار کی اس بلندی اور دینِ محمدی کے لیے اس اخلاص سے کافر شدید متاثر ہوا اور فرطِ ندامت سے مشرف بہ اسلام ہوا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فصیح البیان تھے، حکیم تھے، شجاع تھے، بلاغت کا دریا ان کی زبان سے رواں تھا۔ قلب پر اثر کرنے والے قوی دلائل، ضرب المثل، فقروں کی حکمت۔ غرض تاریخ کی کتابوں کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمانوں میں اور نسلوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے زیادہ جامع الکمالات کوئی نہیں تھا۔ آپؓ کے خطبات اور رسائل اقوال محفوظ ہیں۔ حضورؐ کا قول کتنا صادق ہے "انا مدینۃ العلم و علیؓ بابھا"

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ایک دفعہ فرمایا: اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے اونٹ بھر دوں۔ یہ علم الاسرار عطیۂ مصطفیٰؐ تھا۔ بقول حضرت امام زین العابدین کے یہی علم اُن کو وراثت میں حضرت حسینؓ سے ملا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت حسنؓ کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے ملا۔

ایک دفعہ ربیعہؒ نے خانوادۂ اہلِ بیت کے ایک چراغ کو گفتگو کرتے سُنا اور بے ساختہ فرمایا: کہ "یہ طرزِ گفتگو تو انبیاء کی اولاد کا ہی ہو سکتا ہے"۔ پوچھا: کون ہیں تو جواب ملا کہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ ہیں۔ اسی وراثت کے مالک خانوادۂ اہلِ بیت (جس کے امیر و صدر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تھے) کے چشم و چراغ ہی تھے جنھوں نے دینِ محمدی کی خدمات کو انجام دیا اور ہر اس دَور میں جب تاریکی کے بادل اس دین پر منڈلانے لگے تو یہی افراد تھے جنھوں نے کمربستہ ہو کر دین کے علم و معیار کو گرنے سے بچایا تھا۔ اور اس کو تازہ حیات بخشی۔ انھیں میں محی الدین لقب پانے والے مخدومنا و مرشدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی ہیں۔ برصغیر ہند اور مشرقِ بعید میں دعوتِ اسلام پھیلانے والے اشراف و سادات ہی تھے۔ جیسے مبلغ اعظم امیر سید علی بن شہادت الہمدانی، انھیں کا سلوک و خلق تھا جو باعثِ کشش بنا۔ ہند اور جاوا کے راجا اور سلاطین مسلمان ہوئے۔ انڈونیشیا کی تاریخ میں مذکور ہے کہ سلطان برکات حضرت حسین بن علیؓ کی ذرّیت سے تھے۔ اور شافعی تھے۔ بورنیو کا شمالی علاقہ سارا واک، ملیشیا اور فلپائنس میں جو کثرت سے مسلمان پائے جاتے ہیں چودھویں صدی کے نصف آخر میں سادات علویہ کی ایک جماعت کا کارنامہ تھا۔ نیز جزائر القمر سے لے کر افریقہ کے مڈگاسکر اور موزمبیق تک دعوت اسلام دینے والے سادات علویہ ہی تھے انھیں روحانی مربیوں نے وقت کی ضرورت کے تحت دینی تعلقات کی پاکیزگی اور روحانی ترقی، اصلاحی باطنی تعلق مع اللہ، فکرِ آخرت، تقویٰ، رجا، اتباعِ سنّت، ایمان و احسان، علم و معرفت، صدق و صفا، صبر و توکل، ریاضات، ترکِ شہوت، وجد و ایثار، خلق و کردار کی تعلیمات کی حفاظت کی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے خانوادے اور خانقاہیں مقرر فرماتے۔ ان سارے علوم و اسرار وراثت نبویؐ کے سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہیں۔ ••

(حوالہ: شمس التواریخ: ج ۴ اور المرتضیٰ (از ابوالحسن علی ندوی)

محدّثِ دکن
حضرت سیّد عبداللہ شاہ

• ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شریف لکچرار عربی، شعبہ عربی فارسی و اردو۔ مدراس یونیورسٹی

حیدرآباد دکن کی چارسو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ابتداہی سے علومِ دینیہ کا مرکز و طریقت کا گہوارہ رہا ہے۔ علمائے کرام و مشائخین عظام نے اپنے اپنے عہد میں نہ صرف عوام بلکہ سلاطین وقت کو بھی دین کے معاملات میں بے راہ روی سے بچایا اور اُن کو روحانی آسودگی بخشی۔

دکن میں زوالِ حیدرآباد تک بھی علم دین، طریقت، عقائدِ صحیحہ کی روشنی پھیلانے والی کچھ شمعیں فروزاں تھیں۔ لیکن زوالِ حیدرآباد کے کم و بیش ڈیڑھ دہے بعد یہ شمعیں رفتہ رفتہ خاموش ہوتی گئیں۔

سقوطِ حیدرآباد کے بعد قابلِ احترام شخصیتوں میں بحرالعلوم حضرت عبدالقدیر صدیقی، حضرت بادشاہ حسینی۔ حضرت محمد حسین۔ حضرت حسام الدین فاضل، حضرت یحییٰ پاشاہ قادری حضرت ابوالوفا افغانی، حضرت فرید پاشاہ قادری، حضرت سید صابر حسینی، حضرت شیخن احمد شطاری رحمہم اللہ عنہم جیسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں۔ مگر اس فہرست باوقار میں گوشہ نشینی کے باوجود جس شخصیت کا نام سرِ فہرست آتا ہے وہ ایک پیرِ طریقت، عارف باللہ و عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلند پایہ محدّث و فقیہ اور نامور مصنف جس کو عالمِ اسلام میں بلا تخصیص محدّثِ دکن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام و نسب، مولد و منشاء اسمِ گرامی سید عبداللہ شاہ، کنیت ابوالحسنات اور لقب محدّثِ دکن۔ ۱۰ ذی الحجّہ بروزِ جمعہ

۱۲۹۲ھ مطابق 1875ء عیسوی حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین سادات سے ہیں۔ چالیسویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ سے اور چوالیسویں پشت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویا میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ دکن کا رُخ کریں۔ چناں چہ تعمیلِ حکم میں آپ مکہ معظمہ سے عہدِ عادل شاہی میں بیجاپور تشریف لائے اور بفرمانِ شاہی نلدرگ ضلع عثمان آباد میں فروکش رہے اور نلدرگ کی جامع مسجد میں خطابت اور امامت و امورِ شرعیہ کی ذمہ داری سنبھال لی۔ بادشاہِ وقت نے آپ کی جلالتِ علمی اور خدمات عالیہ کے اعتراف میں آپ کو بیش بہا انعامات سے سرفراز کیا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت سید مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ عہدِ طفولیت میں ہی بغرضِ حصولِ علم نلدرگ سے حیدرآباد تشریف لائے اور علوم متداولہ کے ساتھ علوم شرعیہ بھی حاصل کیا۔ فطرت کی طرف سے ان کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ غیر معمولی ذکاوت و فطانت اور مشاہیرِ وقت کی صحبتوں نے اکسیر کا کام کیا اور قلیل عرصہ میں فقہ و حدیث میں براعت حاصل کرلی۔ آپ کو حضرت مسکین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی فیض حاصل تھا۔ اور سلوک کی کئی منزلیں طے کرنے کے بعد خلافت سے نوازا گیا۔ آپ کی والدہ بھی ایک خدا رسیدہ خاتون تھیں جو باخدا بزرگ حضرت شہزادہ قادری عرف ہونٹ کٹے شاہ صاحب کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔

تحصیلِ علم

حضرت قبلہ کی نشو و نما ایسے ماحول میں ہوئی کہ جہاں ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ رواج کے مطابق حضرت قبلہ کی تعلیم کا باضابطہ آغاز تسمیہ خوانی سے ہوا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی ایک طرف والدِ محترم اپنے وقت کے جیّد عالم تھے تو دوسری طرف والدۂ ماجدہ بھی ایک خدا رسیدہ خاتون تھیں ان دونوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خوب توجہ فرمایا اور پھر کامل و شفیق اساتذہ کی صحبتوں نے نورٌ علیٰ نور کا کام کیا۔ آپ نے جن اساتذۂ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں قابل ذکر حضرت انوار اللہ خان الملقب بہ فضیلت جنگ (بانی جامعۂ نظامیہ) جن سے تفسیر، ہیئت، شرحِ جامی و دیگر علومِ متداولہ سیکھے مولانا مفطور علی خان جو اپنے وقت کے مشہور معقولی اور فلسفی تھے اُن سے علم معقول و منطق پڑھا۔ مولانا حبیب الرحمان سہارن پوری سے فقہ و اصولِ فقہ پڑھا۔ مولانا حکیم عبد الرحمان سہارن پوری سے علمِ

حدیث و ادب پڑھا۔ غرض کہ علوم نقلیہ و عقلیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہ گیا تھا کہ جس کی سیر نہ کی ہو۔

درس و تدریس

آخری زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے بلامعاوضہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا۔ عوام و خواص سب ہی آپ سے مستفیض ہوتے تھے۔ معمر و کاروباری حضرات کی سہولت کی خاطر نصف شب تک حدیث، فقہ و دیگر دینی علوم کا درس دیتے تھے۔ حضرت قبلہ کا طریقۂ تعلیم و طرز تفہیم کچھ ایسا تھا کہ جو بھی ایک مرتبہ آپ کے درس میں شریک ہوتا پھر کہیں اس کو تشفی نہ ہوتی۔ سکندر نامہ کے اشعار کی تشریح میں کئی مضامین بڑی تحقیق اور عمدگی سے سمجھاتے تھے۔ آپ کے تبحر علمی اور طریقۂ تدریس کی شہرت سن کر جامعۂ نظامیہ کے ناظم اعلیٰ نے آپ کا بحیثیتِ استاد تقرر فرماکر بذریعہ تار آپ کو اطلاع دی۔ اس وقت آپ ضلع مومن آباد میں اپنی ہمشیرہ کے ہاں کسی تقریب میں تشریف لے گئے تھے۔ تار کی وصولی پر آپ نے ناظم اعلیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ اس وقت تک میں نے یہ تعلیم بلامعاوضہ ہی دی ہے اور مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ زندگی بھر اسی طرح خلق اللہ کی خدمت کرتا رہوں۔

شاہانہ تعلقات سے پرہیز

آپ کے ایک شاگرد رشید جو عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے اور بادشاہ وقت کے مصاحب تھے، بادشاہ وقت کے سامنے آپ کی بہت تعریف و توصیف کی۔ جس کی تائید دیگر مصاحبین نے بھی کی۔ اس پر بادشاہ نے شرفِ ملاقات کا اظہار کیا۔ جب شاگرد رشید نے حضرت قبلہ کی خدمت میں اس خیال سے کہ خوشنودی و تقرب حاصل ہو۔ یہ تفصیلات سنائیں تو شاگرد کی باتیں سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ: بابا! فقیروں کو بادشاہوں سے کیا سروکار اگر آپ میری خوشنودی چاہتے ہیں تو آئندہ وہاں کبھی میرا تذکرہ نہ کرنا۔ یہ سن کر شاگرد رشید پر رقت طاری ہوگئی اور یہ سلسلہ وہیں ختم ہوگیا۔ اور بادشاہِ وقت سے ملاقات بھی نہ ہوئی۔

بیعت و ارادت

جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے کہ حضرت قبلہ کے والد کو حضرت مسکین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ اسی مناسبت سے آپ نے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مسکین شاہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت فرمائی۔ لیکن ظاہری علوم کے حصول میں ایسے منہمک تھے کہ جس کی وجہ سے حضرت مسکین شاہ صاحب کی

خدمت میں رہنے کا بہت کم موقع ملا۔ علومِ ظاہری کو حاصل کرنے کے بعد جب آپ باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو اسی زمانہ میں آپ کے شیخ کا وصال ہوگیا۔ اس تشنگی کو پورا کرنے کی غرض سے آپ حضرت سید محمد بادشاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوبارہ بیعت کرکے اُن کے حلقۂ ارادت میں شریک ہوکر سلوک نقشبندیہ طے فرمایا۔

پیرومرشد کا احترام

آپ اپنے پیرومرشد کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ تقریباً بیس سال تک اپنے مرشد کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی۔ جب کہ آپ کے مکان سے پیرومرشد کی قیام گاہ تقریباً ۴ میل دور تھی۔ اس کے باوجود بالالتزام بغیر کسی سواری کے پیدل جاتے اور آتے تھے۔ نمازِ فجر باجماعت ادا کرکے پیرومرشد کی خدمت میں حاضر ہوکر ذکر و مراقبہ، نمازِ اشراق اور چاشت کے بعد قریب دس بجے اپنے مکان واپس ہوتے تھے۔

خلافت

اندرون و بیرون حیدرآباد حضرت بخاری شاہ صاحب رح کے بے شمار مرید تھے۔ لیکن آپ کی شریعت پر استقامت ذکر و اوراد پر مواظبت، اتباعِ سنّت و مجاہدات شاقہ کی وجہ سے آپ پر اپنے شیخ کی خاص نظرِ کرم تھی اور ان ہی اوصاف کی بناء پر آپ کو خلافت سے سرفراز کیا گیا۔ پیرومرشد کی حیات تک آپ نے کسی کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل نہیں کیا۔ جب کوئی بیعت کے لیے آتا تو ازروئے ادب اپنے شیخ سے رجوع کردیتے تھے۔ شیخ کے وصال کے بعد بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کے باعث ہند و پاک کے لاکھوں طالبانِ خدا اس سرچشمۂ فیض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ ایک اندازے کے مطابق آخری زمانۂ حیات تک آپ کے مریدین کی تعداد پانچ لاکھ سے تجاوز کرگئی تھی۔

طریقۂ بیعت و ارادت

یوں تو حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کا سہولت بخش وقت مستورات کے لیے گیارہ بجے دن سے ۲ بجے تک اور مردوں کے لیے ظہر سے عصر تک مقرر تھا۔ (ظہر کی نماز باجماعت تین ۳ بجے ہوتی تھی۔ جس کا سلسلہ لمہ اب بھی جاری ہے) لیکن جس وقت بھی طالبانِ حق آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی خواہش کرتے تو آپ اسی وقت اپنا دستِ کرم بڑھا کر انھیں داخلِ سلسلہ فرمالیتے تھے۔ جس کے لیے کسی قسم کے تکلفات کی چنداں ضرورت نہیں

ہوتی تھی۔ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ و قادریہ میں مرید فرماتے تھے۔ آپ کے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ مریدی کے وقت استغفار و کلمہ شریف پڑھا کر ارشاد ہوتا "میں آپ کو حضرت سیدی عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ و حضرت سیدی خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی میں دیا" اس پر مرید ہونے والا جواباً کہتا کہ "میں نے قبول کیا" پھر ارشاد ہوتا کہ "میں نے قادری و نقشبندی دو طریقوں میں آپ کو مرید کیا" پھر حسب ذیل وصیت فرماتے۔

"میری پہلی وصیت یہ ہے کہ نمازِ پنجگانہ پابندی سے پڑھا کرو۔ (مرد ہو تو نمازِ باجماعت کی تاکید فرماتے۔) قرآن مجید کی تلاوت بالالتزام کیا کرو۔ روزانہ کسی وقت بھی کم از کم دو سو مرتبہ درود شریف پڑھا کرو۔ زبان کو روک کر خیال کو دل کی طرف لے کر "اللہ اللہ" اس طرح کہنا کہ دل سے "اللہ اللہ" ادا ہوتا ہوا معلوم ہو۔ اس کے لیے وضو اور طہارت کی ضرورت نہیں۔ ہر وقت چلتے پھرتے، کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر حال میں جاری رکھنا۔ عادت نہ ہونے سے بھول ہو جاتی ہے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن جب یاد آجائے پھر ایسے ہی عمل شروع کر دینا۔ اس کے علاوہ فرصت کے وقت آنکھ بند کر کے قبلہ رُخ بیٹھ کر "اللہ اللہ" کا ذکر کم از کم دو ہزار مرتبہ کرنا۔ اس کا بہترین وقت بعد نمازِ فجر ہے۔ یہ پہلا سبق ہے اِس کا نام 'لطیفہ قلب' ہے۔ اس طرح مریدین سے اولاً سلوک نقشبندیہ طے کرایا جاتا ہے۔

لیل و نہار

فجر کی نماز کے ساتھ ہی رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ سب سے پہلے مریدوں کو توجہ دی جاتی تھی۔ اس سے فارغ ہوتے ہی بلا لحاظ مذہب و ملت اہلِ غرض جن میں مرد عورت، جوان بوڑھے سب ہی شامل ہوتے تھے۔ آپ کے گرد جمع ہو کر اپنے مسائل پیش کرتے۔ آپ سب کے مسائل بغور سماعت فرماتے اور دل جوئی فرماتے۔ کسی کو اوراد و وظائف کی تلقین کی جاتی تو کسی کو تعویذ وغیرہ دی جاتی۔ یہ سلسلہ صبح ۹ بجے تک جاری رہتا۔ نمازِ اشراق ادا فرما کر گھر تشریف لے جاتے۔ رفع ضروریات کے بعد ناشتہ تناول فرماتے۔ اس کے بعد مستورات کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جن میں بعض بغرض بیعت اور اکثر اپنی دکھ بھری داستان سُناتیں یہ سلسلہ کوئی دو بجے تک جاری رہتا۔ اس کے بعد نمازِ ظہر کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔ بعد ادائیگی ظہر مریدوں سے سلوک کے متعلق کیفیت سماعت فرماتے رشد و ہدایت میں مشغول رہتے۔ اہلِ غرض حضرات کو ان کے حسبِ حال ہدایات یا سفارشی

رقعات عنایت فرماتے۔ اس کے بعد موقع ہوتا تو مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یا خطبات حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سماعت فرماتے۔ نمازِ عصر کے بعد سے مغرب تک مراقب رہتے۔ بعد نماز مغرب و اوابین مکان تشریف لاکر رات کا کھانا تناول فرماتے اور اس کے بعد مریدین کے خطوط کے جوابات لکھواتے اور دور دراز کے معتقدین جو حاضر خدمت ہونے سے مجبور ہوتے ان کو بذریعہ خطوط ہی مرید بنا کر القائے نسبت و ذکر و شغل کی تعلیم دیتے پھر دس بجے شب نماز عشاء کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔ بعد نماز عشاء کاروباری افراد اور دیگر ضرورت مند حضرات کو حسب استطاعت افہام و تفہیم فرماتے۔ یہ سلسلہ رات بارہ بجے تک جاری رہتا۔ اس کے بعد مکان لوٹتے اور قلیل استراحت فرما کر پھر تہجد کے لیے بیدار ہوجاتے اور فجر تک ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ اور مسجد کو جانے سے قبل اتباعِ سنّت میں قلیل وقفہ کے لیے بستر پر لیٹ جاتے اور پھر بدستور مصروفیات کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔

اتباعِ سنّت

دیگر مشائخ نقشبندیہ کی طرح آپ بھی سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ خلوت و جلوت، سفر میں ہو کہ حضر میں، ہر وقت اتباعِ سنّت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ یہ آپ کی کرامت تھی کہ چھوٹی سی سنّت بھی خواہ موکدہ ہو کہ غیر موکدہ آپ سے چھوٹتی نہیں تھی۔ غرض کہ آپ کی ذات اخلاق نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین پیکر تھی۔ عجز و انکساری، حلم و بردباری، صبر و قناعت، بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت آپ کے اخلاق حمیدہ کے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ عجز و انکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ نماز کسوف دعائے فرماتے ہوئے کہا اے میرے اللہ! آپ کے بندوں نے مجھ گنہ گار کو اس لیے اپنا پیر بنایا ہے کہ اگر کل قیامت میں آپ اپنی رحمت سے مجھ عاصی کو بخش دیں تو یہ کہہ سکیں کہ جب آپ نے اتنے بڑے گنہ گار کو بخش دیا تو ہم کو بخش دے۔ اس لیے اے میرے اللہ، اے میرے مولیٰ اپنی شانِ غفاری کے صدقہ میں اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہم سب کو بخش دے۔

صبر کی ایک اعلیٰ مثال آپ نے اس وقت پیش کی جب کہ آپ عشاء کی امامت کے لیے مصلیٰ پر تشریف لائے۔ اس کے نیچے ایک بچھو بیٹھا ہوا تھا۔ جس نے آپ کو ڈنک مارا تھا۔ آپ بے چین ہوکر تھوڑی دیر کے لیے وہیں لیٹ گئے اور فرمایا: الحمد للہ! آج مجھے ایک سنّت کی ادائیگی کا نادر موقع ملا اور یہ حدیث شریف سنائی کہ ایک دفعہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح نماز کے وقت بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کم بخت نمازی کو چھوڑتا ہے! نہ بے نمازی کو! اس کے بعد آپ نے حسبِ معمول امامت فرمائی۔

آپ کی شفقت بھی بے مثال تھی۔ آپ ہر ایک کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے کہ ہر ایک یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ حضرت قبلہ سب سے زیادہ اسی کو عزیز رکھتے ہیں۔ اس طرح کے ان گنت واقعات آپ کے اخلاقِ حسنہ کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن طوالت کے خیال سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خلفائے کرام

پانچ لاکھ سے زیادہ مریدوں میں سے صرف آٹھ کو خلافت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ تمام خلفاء کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ شب و روز اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے اور علم و فیض سے مستفیض ہوتے تھے۔ اپنے شیخ کی کامل توجہات نے ان سبھوں کو کندن بنا دیا تھا۔

خلفاء کی فہرست حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ حضرت مولانا ابو البرکات سید خلیل اللہ شاہ صاحب (خلفِ اکبر و جانشین محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ)

۲۔ حضرت مولانا سید شاہ رحمت اللہ صاحب

۳۔ مولانا سید عبد الرؤف صاحب مسافر رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۔ حضرت مولانا محمد عبد الستار خاں صاحب۔ (سابق پروفیسر و صدر شعبۂ عربی فارسی جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد۔)

۵۔ مولانا غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ مولانا حافظ صدیق حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۷۔ عالی جناب صاحب زادہ لطف علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۸۔ عالی جناب عبد الرزاق صاحب۔

تصانیف

آپ کی تصانیف کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ زجاجۃ المصابیح: عربی میں: (پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔) ۲۔ مواعظ حسنہ (دو جلدوں میں) ۳۔ فضائل نماز۔

(بقیہ صفحہ 193 پر ملاحظہ فرمائیں)

قاضی بدر الدولہ

کی شخصیت اور اردو خدمات

• ڈاکٹر سید صفی اللہ — شعبۂ عربی و فارسی اور اردو ۔ مدراس یونیورسٹی

قاضی الملک قاضی بدر الدولہ محمد صبغۃ اللہ انیسویں صدی کے ایک جید عالم دین تھے ۔ اور اس عربی النسل خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو نویں صدی ہجری کی ابتدا سے ہندوستان میں مسلسل علمی ادبی، دینی اور ملّی خدمات انجام دے رہا ہے۔[1]

۵ محرم ۱۲۱۱ھ م ۱۱ جولائی ۱۷۹۶ء کو دوشنبہ کے دن شہر مدراس میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر، نواب عظیم الدولہ کے دیوان اور اپنے وقت کے ممتاز وجید عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔

قاضی صاحب نے جس وقت آنکھ کھولی آپ کو مدراس میں اچھی خاصی علمی فضا ملی ۔ صوبۂ کرناٹک پر والاجاہی خاندان کی حکمرانی تھی۔ نواب محمد علی والاجاہ کے دربار کی علمی شان عروج پر تھی۔ مولوی امین الدین احمد خان، سید شاہ عبدالقادر مہربان فخری، ملا عبدالعلی بحر العلوم، مرزا ظفری گورگانی، حکیم تجمل لکھنوی، مولانا باقر آگاہ اور خود قاضی صاحب کے والد مولانا محمد غوث شرف الملک بہادر وغیرہ سے مدراس کی علمی فضا میں بڑی چہل پہل تھی۔ قاضی صاحب پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ آپ نے ذہن اور حافظہ غضب کا پایا تھا۔ آٹھ ہی سال کی

---

[1] محمد معصوم ابن شمس العلماء قاضی عبید اللہ مرحوم ۔ قاضی عبید اللہ اور گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مدراس کے اردو مخطوطات : پیش لفظ ۔ ص : ۳

عمر میں قرآن مجید ختم کرلیا۔ اس کے بعد تبرکاً مولانا عبدالعلی بحرالعلوم سے 'میزان الصرف' کا درس لیا۔ پھر مولوی جعفر حسین سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا خود مطالعہ کیا۔ حدیث و سیرت پر بھی بہت ساری کتابیں دیکھ ڈالیں۔ علوم نقلیہ و عقلیہ کے لیے خود اپنے والد سے رجوع ہوئے حج سے پہلے مدراس میں عبدالغفار شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے۔ جب حج کے لیے مکّہ تشریف لے گئے تو وہاں شیخ محمد جان نقشبندی سے بھی باطنی توجہات حاصل کیں۔

آپ نے مختلف مجتہدان وفن سے اسناد بھی حاصل کی تھیں۔ مثلاً مولوی ابراھیم رامپوری سے موطا، امام مالک اور صحاح ستّہ کی روایت کرنے کی اجازت حاصل کی تھی جس کی بنا پر آپ کا سلسلۂ سند شیخ عبدالحق محدّث دہلوی سے جاملتا ہے۔ شیخ ابوعبیدہ محمد بن محمد علام المکیؒ سے حدیث مسلسل بالاولیت اور حدیث مسلسل بالمصافحہ کی سندیں حاصل کیں۔ سید عبدالوہاب بن سید محمد شاکر الموصلی سے کتابوں کی روایت کی سند حاصل کی۔ حج کے موقعہ پر مدینۂ منورہ میں شیخ حرم نبویؐ داؤد باشاہ سے بھی سند حاصل کی قاری شیخ منصر زبیدی اور قاری شیخ علی بن سید عبداللہ الحموی البغدادی سے قرأت اور تجوید کی سند حاصل کی۔

بدرالدولہ کو جو علمی ماحول ملا تھا وہ تو بہت ہی شان دار تھا لیکن اس دور کے ملّت کے عام افراد کا جو حال تھا وہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ جہل و گمراہی، انھیں ترقیٔ معکوس کی طرف لئے جارہی تھی۔ پورا معاشرہ فضول رسموں اور طرح طرح کی بدعتوں کا شکار تھا۔ چھوٹی چھوٹی رسموں کے نام پر اسراف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ان کی حالت بد سے بدتر ہوگئی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کی حالت دین تو دین دُنیوی معاملات میں بھی ابتر ہوگئی تھی۔ قاضی صاحب نے اسے شدّت کے ساتھ محسوس کیا۔ آپ صرف عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک گداز دل کے مالک بھی تھے۔ ایسا دل جس میں اصلاح ملّت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس لیے ملّت کی اس ابتری نے آپ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اپنی ساری زندگی اور اپنی ساری تصانیف کو تعلیمی و اصلاحی مقاصد کے لیے وقف کردیا اور[۱] بڑے ہی حسن و خوبی کے ساتھ پورا بھی کیا۔ جنوبی ہند میں آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے غلط رسموں اور بدعتوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ قوم میں صحیح علم پھیلانے کی آپ کو اس قدر فکر دامن گیر تھی کہ منصبی ذمہ داریوں اور دینی فرائض کی ادائیگی کے بعد جو تھوڑا بہت وقت فاضل نکلتا تھا آپ درس و تدریس کے لیے وقف کردیتے تھے۔

---

[۱] شرعی واخلاقی طور پر عائد اپنی ذمہ داری کو پوری سعی و کوشش سے اور

آپ کا زمانہ حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد انیسویں صدی کی دوسری دہائی سے شروع ہوکر سرسید احمد خان کے عہد سے جا ملتا ہے ۔ یہ دور ایک طرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے آلائشوں کا سودا کر رہا تھا تو دوسری طرف علمائے دین کی راہ میں آزمائشوں کے پہاڑ کھڑے کر رہا تھا ۔ اِدھر قاضی صاحب نے مدراس میں اپنی علمی و دینی خدمات سے ایک جہان کو فیض یاب ہی نہیں کیا تھا بلکہ اپنے شمالی ہند کے ہمعصر علماء سے بہت دور رہ کر بھی راہِ حق میں ان کے قدم سے قدم ملایا تھا ۔ اور آخر دم تک حق کی راہ میں اٹل ثابت ہوئے تھے ۔ انگریزوں کی سازشی منصوبوں اور انگریزی تعلیم کی مخالفت اور نصرانیت کی تردید وغیرہ کے سلسلہ میں آپ کے کارنامے، آپ کی خدمات زندہ ثبوت ہیں ۔

یہ قاضی صاحب کی خدمات کا ایک رُخ تھا ۔ دوسرا رُخ آپ کی ادبی خدمات ہیں ۔

قاضی صاحب ایک جیّد عالمِ دین ہی نہیں تھے ۔ عربی، فارسی اور اردو کے بہترین اہلِ قلم بھی تھے ۔ عربی میں انتیس ۲۹، فارسی میں چوبیس ۲۴ اور اردو میں پندرہ ۱۵ کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں ۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے عربی، فارسی اور اردو زبان پر آپ کی قدرت کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے ۔ آپ کی تصانیف میں حدیث، فقہ، سیر اور تفسیر سے متعلق موضوعات پر زیادہ توجہ ملتی ہے ۔ اسلوب بھی موضوع کی مناسبت کا حامل ہوتا ہے ۔ کہیں کہیں عبارت آرائی بھی ملتی ہے ۔ لیکن بیشتر موقعوں پر آپ کی زبان صاف اور دل نشین ہے ۔

عربی اور فارسی تصانیف سے درگزر کرتے ہوئے یہاں آپ کی صرف اردو تصانیف پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے ۔

قاضی بدرالدولہ عربی اور فارسی کے ساتھ اردو کے بھی بہترین نثار تھے ۔ اگرچہ آپ سے پہلے حضرت شاہ سلطان ثانی، سید عبدالقادر میراں شاہ ملقب بہ منزوی الجبلین، حضرت شیخ محمد مخدوم عبدالحق ساوی، حضرت قربی ویلوری، مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر، حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی وغیرہ کی کچھ نثری تصانیف اور ان سب سے بڑھ کر مولانا محمد باقر آگاہ نائطی کے نثری دیباچے منظرِ عام آ چکے تھے لیکن صحیح معنوں میں بقول مولانا محمد یوسف کوکن جنوبی ہند میں اردو نثر کے باوا آدم قاضی بدرالدولہ ہیں ۔ اپنے پیش روؤں سے ہٹ کر آپ نے اپنے لیے ایک الگ راہ نکالی اور اس پر آخر دم تک کامیابی کے ساتھ گامزن رہے ۔

آپ کو خود بھی اپنی اردو تصانیف، فارسی اور عربی تصانیف سے زیادہ فائدہ مند اور کارگر نظر آئیں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کی یہی تصانیف آپ کو جنوبی ہند میں اردو کا سرخیل بنا گئیں ۔ عام مسلمانوں کی علمی سطح، اردو

کی افادیت اور اردو اہلِ قسلم حضرات کی غلط روش پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے تفسیر فیض الکریم" کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں :۔

"...... ہند کے اکثر سلاطین زبانِ فارسی بولتے تھے۔ اس لیے وہاں کے اکثر اہلِ اسلام کو فارسی تحصیل کا شوق ہوا اور وے سب اپنے کاروبار اس زبان میں لکھنے لگے اور اسی زبان میں بہت سی کتابیں اور تفسیر اور دوسرے علوم میں لکھیں۔ بنا بر اس کے ہندی زبان میں کوئی کتاب تصنیف کرنا سبک ٹھہرا۔ ہاں مگر قصیدے اور اشعار اور جھوٹے قصّے کہانیاں اکثر لکھا کرتے ہیں۔ اس وقت کے گوگو، کو یہ توفیق کہاں جو عربی علوم کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی دشوار ہو گیا کہ فارسی میں اچھی لیاقت بہم پہنچاویں کیوں کہ روزی کی فکر میں پریشاں سرگراں ہیں۔ قطع نظر اس کے اگر حاصل بھی کرلیں تو زبان کی مہارت میں ایک عمر صرف ہو۔ باوصف اس کے بھی اکثر لوگ علم سے بے بہرہ اور دین کی باتوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ الحق اپنے ملک کے بھاگے میں کسی فن کو لکھنا عوام کی معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ علی الخصوص عورتیں کہ ان کو ہندی زبان کے سوا ے دوسری باتوں سے آشنائی نہیں[1]......" انیسویں صدی کے نصف اول میں ہندوستان کی لسانی حالت کا تجزیہ ہے

"ریاض النسوان" جس کے دیباچے سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے ۱۲۲۴ ہجری میں لکھی گئی تھی جب آپ کی عمر چودہ سال کی تھی۔ اس کم عمری میں یہ فہم و فراست آپ کی غیر معمولی ذہانت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دراصل اس عہد کا شعور کہنا چاہیے کہ آپ سے پہلے یہی خیال شاہ مراد اللہ کو بھی آیا تھا۔ اور انہوں نے اپنی تفسیر کے دیباچے میں (۱۷۷۲ء) ظاہر بھی کیا ہے لیکن اس سے شاہ مراد اللہ کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ اردو ترجمہ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے جب کہ قاضی بدر الدولہ پورے عوام الناس اور خاص طور پہ خواتین کے عربی اور فارسی سے بے بہرہ ہونے کی بات سے پریشان ہیں۔ جس کی وجہ سے ان مذکورہ زبانوں کا سارا سرمایۂ دین ان کی سمجھ کی دسترس سے باہر ہو جانے کا خوف ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ شاہ مراد اللہ سے

---

[1] قاضی بدر الدولہ: تفسیر فیض الکریم، جلد اوّل۔ دیباچہ

نہیں بلکہ محمد باقر آگاہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔

قاضی صاحب نے جس وقت علمی دنیا میں قدم رکھا تھا اس وقت مولانا باقر آگاہ کے نثری دیباچے اپنا کام کر رہے تھے۔ آگاہ نے اپنے ان دیباچوں کے ذریعہ اس بات پر زور دے رکھا تھا کہ وقت کی ضرورت کو اردو نثر ہی پورا کر سکتی ہے۔ اس کا اطباع کچھ لوگ کرنے بھی لگے تھے۔ قاضی بدر الدولہ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی غلطی کیسے کرتے؟ تفسیر فیض الکریم کے دیباچے میں فرماتے ہیں :-

"..... فضیلت دستگاہ مولوی محمد باقر آگاہ جعل اللہ الجنۃ مثواہ نے چند کتابیں دینی علوم کے ہندی زبان میں بنائے کہ جس سے ایک عالم کو فائدہ عظیم ہوا۔ ان ایام میں حکام کی رغبت اردو زبان کی طرف دیکھ کر بہت سی کتابیں ہندی میں لوگ تصنیف کئے۔ پھر یہ عاصی بھی ہندی زبان میں چند کتاب بنایا۔"[1]

قاضی صاحب کی دروں بینی اور دور رس نگاہ نے گویا اس نکتہ کو بھی پالیا تھا کہ کسی زبان کے حق میں حکام کی رغبت کیا اثر رکھتی ہے۔ غرض قاضی صاحب کی فہم و فراست نے آپ کو سمجھادیا کہ دینی خدمت، اصلاحِ ملّت اور اپنے خیالات کے اظہار کے لیے کوئی موثر ذریعہ ہو سکتا ہے تو وہ اردو اور اردو نثر ہے۔ خاص طور پر خواتین کے لیے جو عربی اور فارسی سے نابلد ہوتی جا رہی تھیں۔ باقر آگاہ کی تحریک کو آگے بڑھانے میں قاضی بدر الدولہ کی خدمات غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کا اسلوب بالکل سیدھا سادا اور تصنع سے پاک ہے۔ آپ اس راز سے واقف تھے کہ جو بات حق ہو اس کے اظہار کے لیے چرب زبانی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور جو بات سیدھی سادی زبان میں کہی جائے اس کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور اسی لیے زیادہ اثر بھی کرتی ہے۔ یہی وہ نظریہ تھا جس نے آپ کی زبان کو بالکل فطری اسلوب کا جامہ پہنائے رکھا۔ یہ ان کے اسلوب کا حسن ہے۔

اردو میں قاضی صاحب کی پندرہ تصانیف ہیں اور سب کی سب نثری ہیں۔ یہ تصانیف سیرت سوانح، احادیث، تفسیر، فقہ اور اسلامی احکام جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان کی فہرست یوں ہے[2]

---

[1] قاضی بدر الدولہ : تفسیر فیض الکریم۔ جلد اول : دیباچہ

[2] مولوی نصیر الدین ہاشمی نے "مدراس میں اردو" مطبوعہ ۱۹۳۸ء میں حسب ذیل ناموں سے آپ کی تیرہ[12] اردو

(حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۔ ریاض النسوان۔ ۲۔ نثر الجواہر فی مناقب السید عبد القادر

۳۔ رسالہ بیان میں سوالاتِ گڈون عیسوی اور جوابات محمد ہادی محمدی کے۔ ۴۔ سیف المسلمین لہدایۃ الکافرین

۵۔ فوائدِ بدریہ۔ ۶۔ ہشت گلزار فی مناقب رفیق الغار۔ ۷۔ خزانہٗ معدلت

۸۔ گلزار ہدایت۔ ۹۔ توشۂ فلاح ترجمۂ مناسک الایضاح۔ ۱۰۔ قوت الارواح شرح توشۂ فلاح۔ ۱۱۔ خلاصۃ المصادر۔ ۱۲۔ رسالہ دربیان احکام عدت و وفات۔

۱۳۔ ترجمۂ حصن حصین۔ ۱۴۔ فہرست النجوم۔ ۱۵۔ تفسیر فیض الکریم۔

ان میں نثر الجواہر فی مناقب السید عبد القادر، فوائد بدریہ، توشۂ فلاح اور حصن حصین تراجم ہیں۔ خلاصۂ عین المصادر فارسی مصادر کا اردو ترجمہ ہے اور فہرست النجوم علم نجوم پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ رسالہ بیان میں سوالاتِ گڈون عیسوی اور جوابات محمد ہادی محمدؐ، ایک مناظرہ کی روداد ہے۔ جو ۱۲۴۳ھ میں گڈون نامی ایک عیسائی اور ایک مسلمان عالم محمد ہادی کے درمیان پیش آیا تھا۔ اور جس کے نتیجے میں گڈون کو ہار ماننی پڑی اور

بقیہ حاشیہ ص۱۴۷ کا) کتابوں کی نشان دہی کی ہے۔ ۱۔ فقہ شافعی۔ ۲۔ ریاض النسوان۔

۳۔ رسالہ در احکامِ عدّت۔ ۴۔ فوائدِ بدریہ۔ ۵۔ ہشت گلزار ۶۔ نثر الجواھر۔

۷۔ خزانہٗ معدلت۔ ۸۔ توشۂ فلاح۔ ۹۔ قوت الارواح۔

۱۰۔ گلزار ھدایت ۱۱۔ ترجمۂ حصن حصین ۱۲۔ حواشی بر مسلم۔

۱۳۔ تفسیر فیض الکریم۔ [ص: ۹۷ اور ۹۸]

ان سب میں پہلی کتاب فقہ شافعی آپ کی فارسی تصنیف ہے۔ جو مکمل نہ ہو سکی اور بارھویں تصنیف یعنی حواشی بر مسلم عربی میں ہے اور اس کا صحیح نام "حواشی الصحیح المسلم" ہے۔ اس طرح نصیر الدین ہاشمی کی فہرست آپ کی گیارہ تصانیف تک پہنچ پائی ہے۔

مولانا محمد یوسف کوکن نے اپنی تصنیف "خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" میں آپ کی تمام تصانیف کی تفصیل دی ہے۔ مولانا کے پاس قاضی صاحب کی اردو تصانیف کی تعداد چودہ[۱۴] ہے ان کے ہاں ایک تصنیف اس لیے کم ہو گئی کہ موصوف نے خلاصۂ عین المصادر کو فارسی تصانیف کے تحت شمار کر لیا ہے۔

اور اسلام قبول کرنا پڑا تھا۔ سیف الملوک لہدایۃ الکافرین کسی عیسائی کی لکھی ہوئی ایک کتاب کا جواب ہے جس میں اس نے اپنے مذہب کی برتری جتاتے ہوئے آں حضرت صلعم کی ذات پر ناروا حملے کئے تھے۔ قاضی صاحب کو دین اور رسول ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے ہر جہت سے نصرانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ دونوں رسالے آپ کے اسی جذبہ کا نتیجہ ہیں۔

قوت الارواح، توشۂ فلاح آپ کی معرکۃ الآرا کتابوں میں سے ہے۔ یہ ضخیم تصنیف حج و عمرہ کے متعلق ایک ایسی مکمل اور شارح کتاب ہے کہ اس موضوع پر دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور بقول مولانا محمد یوسف کوکن اس کی نظیر اردو زبان میں تو کیا عربی اور فارسی میں بھی نہیں پائی جاتی ہیں[1] اس کتاب کے مطالعہ سے قاضی صاحب کی عرق ریزی اور علمی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔

ریاض النسوان آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور تفسیر فیض الکریم آپ کا سب سے معرکۃ آرا کارنامہ۔

ریاض النسوان طبقۂ نسوان کے فائدے کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی تھی۔ اس میں فقہ کے تمام ضروری [illegible] پر بحث [illegible]۔ موضوع کے اعتبار سے اس کتاب کی اہمیت دو باتوں کی وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ [illegible] کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی تھی اور یہی وہ احساسِ ضرورت تھا جس نے اس کے ایک سو سال بعد حضرت اشرف علی تھانوی کو بھی بہشتی زیور تالیف کرنے پر اکسایا تھا۔ اس سے بدرالدولہ کی فہم و فراست کا اندازہ لگتا ہے۔ جس نے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا تھا کہ سماجی اور دینی برائیوں کی جڑ عورتوں کے جہل و ضلالت میں ہے۔ جب تک ان کو صحیح مسائل سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور دینی مسائل سے اُن کی واقفیت نہیں بڑھائی جاتی۔ ان برائیوں کی بیخ کنی ممکن نہیں۔ اس لیے مؤلف نے کتاب میں ان برائیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو آدمی کو گناہ اور شرک میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس میں قاضی صاحب نے بزرگوں کی اطاعت پر بھی زور دیا ہے۔ جس سے صالح کردار کی تخلیق ہی نہیں ہوتی بلکہ اسلامی احکام سے انحراف کا موقع بھی باقی نہیں رہتا۔

---

[1] محمد یوسف کوکن "خانوادہ قاضی بدرالدولہ: ج ۱ ص: ۴۶۰"

اس کتاب کی دوسری خوبی اس کا اختصار ہے۔ ۱۴۰ صفحات میں پورے شافعی فقہ کا لب لباب اس طرح پیش کردیا ہے کہ مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کی رو سے پڑھنے والے کو نہ کوئی تشنگی محسوس ہوتی ہے اور نہ کہیں طوالت کا احساس گراں ہوتا ہے۔ اسے بہشتی زیور کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہشتی زیور "ریاض النسوان" کی تشریح بسیط ہے۔

یہ سنہ ۱۲۲۴ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر صرف چودہ برس کی تھی[1]۔ بیان کی صفائی اور اسلوب کی مناسبت سے اس کم عمری میں بھی اردو زبان پر آپ کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میر امن کی 'باغ و بہار' سے پانچ یا چھ سال بعد تالیف ہوئی تھی۔ 'باغ و بہار' کی زبان جس طرح بالکل آج کی زبان معلوم ہوتی ہے اسی طرح 'ریاض النسوان' کی زبان بھی بالکل آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ ہر گھر میں اس کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس کا ساتواں ایڈیشن ۱۳۷۱ حیدر آباد سے طبع ہوا تھا۔

'تفسیر فیض الکریم' کو مولانا محمد یوسف کوکن نے قاضی صاحب کا اہم ترین اور روشن ترین کارنامہ قرار دیا ہے[2]۔ قاضی صاحب کو اس اردو تفسیر کے لیے اُسی فکر نے اکسایا تھا جس نے آپ سے دوسری اردو تصانیف لکھوائی تھیں۔ یعنی عوام الناس اور بالخصوص طبقۂ نسوان کا عربی و فارسی زبانوں سے ناآشنا ہونا۔ ایسے میں کسی تصنیف کا پورا پورا فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ اردو زبان میں لکھی جائے۔ جسے سب سمجھ سکتے ہیں۔

---

[1] نصیر الدین ہاشمی نے سولہ ۱۶ سال لکھا ہے۔ جو غلط ہے۔ اس کتاب کی تالیف کی تاریخ مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملتی۔ لیکن "نثر الجواہر" پر عرضِ حال کے تحت محمد غوث صاحب نے، جو اسی خاندان کے بزرگ ہیں لکھا ہے کہ اس سے چھ سال قبل "ریاض النسوان" تالیف ہوئی تھی۔ (نثر الجواہر ۱۲۳۰ سنہ ہجری) میں ترجمہ ہوئی تھی۔ جب کہ قاضی صاحب کی عمر صرف انیس ۱۹ سال کی تھی۔)

بادی النظر میں اس کم عمری میں یعنی چودہ ۱۴ سال کی عمر میں "ریاض النسوان" کی تالیف حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ پندرہ ہی سال کی عمر میں آپ کی ایک عربی تصنیف "صوم سنۃ شوال" بھی منظر عام پر آچکی تھی۔

[2] ایضاً۔ ص ۴۶۰

دیباچہ میں آپ نے اپنے اس نکتۂ نظر کو واضح طور پر ظاہر کیا ہے۔ اس تفسیر کی تیاری میں قاضی صاحب نے نہ صرف مشہور کتب تفسیر سے کام لیا تھا بلکہ احادیث کی اکثر کتابوں اور علمائے اسلام کی تصنیفات سے بھی استفادہ کیا تھا۔[1] لیکن قاضی صاحب کی زندگی میں یہ تفسیر پوری نہ ہو سکی۔ ساتویں پارے میں سورۂ انعام کے دوسرے رکوع کی آیۃ وان یمسسک ...... شیٔ قدیر تک پہنچے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند مولوی مفتی محمد سعید اُن کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی مولوی مفتی محمود اور پھر ان کے بھتیجے مولوی ناصر الدین محمد نے اسے تکمیل تک پہنچایا یہ پوری تفسیر سات جلدوں میں ہے اور قریب قریب سات ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ پہلی جلد قاضی صاحب کی تفسیر پر مبنی ہے جو ۱۱۸۰ صفحات پر آئی ہے۔ دوسری جلد میں قاضی صاحب کی لکھی ہوئی تفسیر کا حصہ ۲۲۲ صفحات کا ہے۔

اس تفسیر کی عظمت اس وقت ہمارے سامنے آتی ہے جب ہم اس کے زمانۂ تصنیف پر غور کرتے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ قاضی صاحب نے اسے کب شروع کیا تھا۔ لیکن یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ آپ نے اسے اپنی حیات کے آخری دس برسوں کے درمیان ہی شروع کیا ہوگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اردو میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے قرآن کا ترجمہ کر دیا تھا اور تفسیر کی داغ بیل پڑی بھی تھی۔ تو صرف اس قدر کہ تفسیر مرادیہ کے نام سے شاہ مراد اللہ کی تفسیر پارہ عم (۱۷۷۲-۷۳) آ پائی تھی۔ سرسید احمد خاں، اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کی تفسیریں نکلنے میں ابھی دیر تھی۔

قاضی صاحب کے تراجم پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی آپ کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ آپ نے جو بھی تراجم کئے ہیں وہ محض تراجم کی غرض سے نہیں کئے تھے بلکہ ایک بڑے مقصد کے تحت کئے تھے۔ اور وہ مقصد تھا دوسری زبان کی کتاب کو عوام تک پہنچانا اور اسے کار آمد بنانا۔ اس لیے آپ نے حسب موقع اختیار سے بھی کام لیا ہے۔

مثلاً 'فوائد بدریہ' کو جو رسول صلعم کی سیرت پر عربی میں خود اپنی ہی کتاب تھی۔ جب اردو کا جامہ پہنایا تو ترجمہ میں معجزات کا حصہ بڑھا دیا تاکہ اس کے مطالعہ سے عوام کو زیادہ استفادہ کا موقع ملے

---

[1] نصیر الدین ہاشمی : ص ۴۶۱

اسی طرح "نثرالجواہر فی مناقب السید عبدالقادر" اپنے والد ماجد مولوی محمد غوث کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے اس کے ترجمہ میں دو باتوں کالحاظ رکھا۔ اول یہ کہ ایسی بحثیں جو علم تصوف سے متعلق تھیں چھوڑ دیں۔ دوم یہ کہ راویوں کے نام حذف کردئے۔ ظاہر ہے عوام کے لیے راویوں کے نام اور تصوف کی بحثیں ذہنی الجھن کے سوا کچھ نہ دے پاتیں۔

توشۂ فلاح، شیخ محی الدین ابی زکریا یحییٰ ابن شرف الدین نووی کی تصنیف "مناسک الایضاح" کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے دوران جہاں جہاں آپ کو محسوس ہوا کہ عبارت ادق ہے وہاں ترجمہ کے ساتھ کچھ توضیح وتشریح بھی جوڑدی۔ جس سے کتاب زیادہ عام فہم ہوگئی۔ مگر جب شیخ محمد ابن الجزری کی عربی کتاب "حصن حصین" کا ترجمہ کیا تو اس طرح کی توضیح کی ضرورت نہ سمجھی۔ یہاں ترجمہ جملہ بہ جملہ کیا۔

ملّت کا درد جس شدّت کا آپ کے دل میں تھا وہ شاید ہی کسی اور کے ہاں ملے۔ مسلمانوں میں علم کی کمی جہل ونادانی کا بڑھتا ہوا طوفان۔ بدعتوں کا پھیلتا ہوا سیلاب، سنت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا فقدان، بدعت کو سنّت اور ضلالت کو ہدایت ٹھہرانے کا رجحان، آثار صالحین کو تبرک جاننا۔ شب برات میں بارود جلانا۔ شاہ عالم کی مہندی لگانا، شاہ مدار کے نام چراغ جلانا، شادی بیاہ کے موقعوں پر فضول رسمیں انجام دینا، قبروں کی زیارت کے موقعوں پر بے جا کام کرنا۔ مریدوں کا پیروں کے سامنے سجدہ کرنا۔ غیر اللہ کی قسمیں کھانا۔ ایسی کتنی ہی برائیاں خاص وعام میں پھیلی ہوئی تھیں جنھیں دیکھ کر قاضی صاحب کا دل کڑھتا تھا۔ آپ کی کتاب "گلزار ہدایت" اسی درد کا نتیجہ ہے۔ اس میں آپ نے تمام مروجہ برائیوں کی سخت مذمت کی ہے۔

اصلاح ملّت پر کمربستہ ہونے، حق گوئی پر اڑجانے اور مجاہدانہ زندگی گزارنے والی اس عظیم شخصیت نے ۲۵ر محرم الحرام ۱۲۸۰ھ م 3ار جولائی 1863ء کو دوشنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ آپ کی وفات سے سارے شہر میں رنج والم کی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مسجد والاجاہی ترپلیکیڑی مدراس میں صحن مسجد کی دائیں جانب مدفون ہیں۔

مصنف

قدوۃ السالکین حضرت مولانا مولوی

غلام محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا مولوی

سید حمید اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، سابق استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان

ویلور

سالنامہ **اللطیف** کے بانی حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ
کی عدیم النظیر شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ نے اپنی حیات میں اہلِ قلم کی ایک
جماعت تیار فرمائی اور اس سے مختلف موضوعات پر مضامین و مقالات تحریر کروایا
جو سالنامہ کی زینت بنتے رہے ۔ اس کے علاوہ بزرگانِ حضرت مکان کی
تصنیفات کے ترجمے اور ان کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا
جس کے نتیجے میں کئی ایک کتابیں منظر عام پر آگئیں ۔ ان ہی میں سے ایک
کتاب "انشائے عقائدِ ذوقی" بھی ہے ۔ جو قدوۃ السالکین حضرت
مولانا غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی
ویلوری علیہ الرحمہ کی نوکِ قلم سے معرض وجود میں آئی
یہ کتاب کافی ضخیم اور قلمی ہے اور مکاتیب و
رقعات کی صورت میں بزبانِ فارسی
تحریر کی گئی ہے ۔ اس کے ترجمہ کا کام
استاد محترم مولانا مولوی سید حمید اشرفی الجیلانی کچھوچھوی نے شروع فرمایا تھا اور آپ کی
تدریس کے زمانہ میں ایک حصہ شائع ہوا جو بائیس مکتوبات پر مشتمل ہے ۔ اس سال سے یہ کتاب
اور اس کے ترجمہ کا سلسلہ "اللطیف" میں شروع کیا جا رہا ہے جو یقیناً ہمارے قارئین کرام کی
معلومات میں بیش قیمت اضافہ ہے ۔

ابوالنعمان شبیر الحق قادری

رقعۂ ثالث والعشرون

درفضائل امام حسن وامام حسین سرآمد اہل بیت

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

محبِ درویشاں مقبول زمرہ صفاکیشاں بدرالزماں خان سلمہٗ
اللہ تعالیٰ بعد تبلیغ سلام مسنون الاسلام

مشہود میگرداند کہ امیرالمومنین حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ امام
دوم است از اہلِ بیت کنیت وی ابو محمد است ولقب وی تقی و
سید، ولادت وی در مدینہ بود در نیمہ رمضان سنہ سیوم از
ہجرت و جبرئیل علیہ السلام نام ویرا بہدیہ پیش رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم آورد بر قطعہ از حریر بہشت نوشتہ و شبیہ ترین
مردماں بود برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از سینہ تا بفرق سر
روزی امیرالمومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ ویرا بر دوش گرفتہ بود
و سوگند میخورد کہ ایں شبیہ نبی است صلی اللہ علیہ وسلم نہ شبیہ
علی وعلی رضی اللہ عنہ آنجا ایستادہ بود و تبسم می نمود آوردہ
اند کہ او را زہر دادند وقت وفات وی امام حسین رضی اللہ عنہٗ
بر سر بالیں وی بود فرمود کہ ای برادر بر کہ گمان داری کہ ترا
زہر دادہ است گفت برائے آں پرسی کہ ویرا بکشی گفت آری
فرمود اگر آنکس باشد کہ من گمان می برم باش کہ نکال خدا تعالیٰ
از ہمہ سخت تر است و اگر نیست آنکس کہ گماں برم دست
ندارم کہ بیگناہے را برائے من بکشند و مشہور آنست کہ

تئیسواں مکتوب

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے فضائل میں ہے، جو اہل بیت

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سردار ہیں

محبِ صادق بدرالزماں خان سلمہ اللہ تعالیٰ
بعد سلام مسنون کے واضح ہو کہ

امیرالمومنین حسن رضی اللہ عنہ اہل بیت سے دوسرے امام ہیں
آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب تقی اور سید ہے۔ آپ کی ولادت
بہ ماہ رمضان سنہ ۳ھ مدینہ میں ہوئی۔ جبرئیل علیہ السلام
جنت کے ریشم کے ٹکڑے پر آپ کا نام لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں بطور تحفہ لائے۔ آپ سینے سے سر مبارک تک تمام
لوگوں میں حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔
ایک دن امیرالمومنین ابوبکر رضی اللہ عنہٗ ان کو کندھے پر اٹھائے ہوئے
بقسم کہہ رہے تھے کہ حسن، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ
ہے نہ کہ اپنے والد علی کے، علی رضی اللہ عنہ اس جگہ
کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے تھے۔ منقول ہے کہ آپ کو زہر
دیا گیا تھا آپ کی وفات کے وقت امام حسین رضی اللہ عنہٗ آپ کے
سرہانے تھے فرمایا اے بھائی آپ کا گمان کس شخص پر ہے کہ اُس نے
آپ کو زہر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا مقصد ہے کیا تم اس لیے پوچھتے
ہو کہ اُسے قتل کر دو۔ امام حسین علیہ السلام نے کہا ہاں آپ کی مقصد سے دریافت
کر رہا ہوں حضرت امام حسن نے فرمایا جس شخص کے بارے میں میرا گمان

دیرا خاتون وی جعدہ زہر دادہ ۔ واللہ اعلم
و وفات وی در اوائل ربیع الاول بودہ است سنہ پنجاہ
از ہجرت رضی اللہ عنہ

وامام المومنین حسین رضی اللہ عنہ امام سیوم است از اہل بیت
والو الائمہ کنیت وی ابو عبد اللہ و لقب وے شہید و سید
ولادت وی در مدینہ بود ۔ روز شنبہ چہارم ماہ شعبان
سنہ چہار از ہجرت گویند مدت حمل شش ماہ بودہ است
و ہیچ فرزند در شش ماہ نزادہ است سوای عیسیٰ و یحییٰ ابن
زکریا علیہ السلام و میان ولادت حسن رضی اللہ عنہ و علوق
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا با میر المومنین حسین رضی اللہ عنہ پنجاہ
روز بودہ است و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویرا حسین نام
نہادہ است و ویرا جمالی بود کہ چوں در شب تاریک نشستے
از بیاض پیشانی و بریق رخسارہ وی بوی راہ بردندی و
ویرا از سینہ تا پایہا مشابہت بود با رسول صلی اللہ علیہ
وسلم چناں کہ امیر المؤمنین حسن را از سینہ تا فرق و
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است کہ حسین
از من ست و من از حسین ، خدای دوست دارد آں کس
کہ حسین را دوست دارد

و مروی است کہ روزے حسن و حسین رضی اللہ
عنہما کشتی میگرفتند پیش رسول صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت

ہے اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے تو تم صبر سے کام لو کہ اللہ کا عذاب سب
سے زیادہ سخت ہے اور اگر جس کے متعلق میرا گمان ہے وہ شخص نہیں ہے
تو مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ کسی بے گناہ کو میری وجہ سے قتل کیا جائے ۔
مشہور یہی ہے کہ آپ کو آپکی بیوی جعدہ نے زہر دیا تھا ۔ آپ کی وفات
سنہ ۵۰ھ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ہوئی ۔ اور

امام المومنین حسین رضی اللہ عنہ اہل بیت میں تیسرے امام ہیں آپکی
کنیت ابو عبد اللہ اور لقب شہید اور سید ہے ۔ آپ کی ولادت
سنہ ۴ھ ماہ شعبان کی چوتھی تاریخ بروز شنبہ مدینہ میں ہوئی ۔ مروی ہے
کہ آپکے کل زمانہ حمل چھ ماہ تھا ۔ اور کوئی بچہ چھ ماہ سوائے عیسیٰ
اور یحییٰ ابن زکریا علیہم السلام کے پیدا نہیں ہوا ۔ امام حسن رضی
اللہ عنہ کی ولادت اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے
امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ استقرار حمل میں
پچاس دن کا فاصلہ رہا ہے ۔ حضور علیہ السلام نے آپکا نام حسین
رکھا ۔ آپکے حسن و جمال کا یہ حال تھا کہ جب تاریک رات میں
بیٹھتے تو آپکے رخسارہ و پیشانی کی چمک دمک سے لوگوں کو آپکی
طرف راستہ مل جاتا تھا ۔ سینہ سے قدم تک آپ کو رسول صلی
اللہ علیہ سے پوری مشابہت تھی جیسا کہ امیر المومنین امام حسن کو سینہ
سے سر مبارک تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت تھی اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں اللہ
تعالیٰ اس شخص کو دوست رکھے جو حسین رض کو دوست رکھے ۔

روایت ہے کہ ایک دن حسن اور حسین رضی اللہ عنہم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کشتی لڑ رہے تھے رسول اللہ صلعم نے حسن رض

مرحسنؓ را بگفت بگیر مرحسینؓ را فاطمہ رضی اللہ عنہا گفت
یارسول اللہ بزرگ را میگوئی کہ خورد را بگیر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فرمود اینک جبرئیل حسینؓ را میگوید حسن را
بگیر

و مروی است از ام الحارث کہ گفت پیش
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمدم وگفتم یارسول اللہ خوابی
دیدہ ام کہ ازاں ترسناکم فرمود چہ دیدی گفتم دیدم کہ پارچہ
از بدن مبارک تو جدا نمودند و درکنار من نہادند فرمود
نیک دیدہؑ فاطمہ پسری آرد واو درکنار تو باشد بعد ازاں
امام حسین رضی اللہ عنہ بوجود آمد

و مروی است کہ روزی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حسین را بر رانِ راست خود نشاندہ بود و فرزند خود ابراھیم
را بر ران چپ جبرئیل علیہ السلام آمد وگفت یا محمد خدائے تعالیٰ
ایں ہر دو را از برائے تو جمع نکند یکی را از تو باز خواہد ستد
اکنوں تو اختیار کن یکی را رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود
اگر حسین وفات کند بر فراق وی ہم جان من بوزد وہم جانِ
علی و فاطمہ واگر ابراھیم بردد بیشتر الم بر جان من باشد
خویش را اختیار کردم بر الم ایشان بعد از سہ روزہ
ابراھیم وفات کردہ

و مروی است از ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہ

سے فرمایا پکڑو حسینؓ کو ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا
یارسول اللہ بڑے کو چھوٹے کے پکڑنے کے لیے آپؐ فرمارہے ہیں
رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ جبرئیل ہیں جو حسینؓ کو حسنؓ
کے پکڑنے کے لیے کہتے ہیں۔

مروی ہے کہ ام الحارث سے کہ وہ رسول اللہ صلعم
کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے ایک
خواب دیکھا ہے جس کی دہشت سے خوفزدہ ہوں میں نے دیکھا
کہ آپؐ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا جدا کیا گیا ہے اور میری گود
میں رکھ دیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے فاطمہ
سے بچہ پیدا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں رکھا جائے گا۔ اس کے بعد
امام حسین علیہ السلام کا تولد ہوا۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حسینؓ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے فرزند ابراھیم کو بائیں ران
پر بٹھائے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا
یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپؐ کے پاس جمع
نہ کریگا بلکہ ایک کو آپ سے لے لیگا اب آپؐ کسی ایک کو
اختیار کرلیجیے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر حسینؓ وفات کرگئے
ہیں تو مجھے بھی صدمہ ہوگا اور علیؓ و فاطمہؓ کی روح بھی غمناک ہوگی
اگر ابراھیم وفات پاتے ہیں تو زیادہ تر صدمہ مجھی کو ہوگا لہٰذا میں اپنے
غم والم کو علیؓ و فاطمہؓ کے رنج وغم پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کے تین
دن کے بعد حضرت ابراھیمؓ کی وفات ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

گفت شبے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از خانہ من بیرون
رفت وبعد از زمانی دراز باز آمد ژولیدہ موئی وغبار
آلودہ وچیزی در دست گرفتہ گفتم یا رسول اللہ این
چہ حال است فرمودہ امشب مرا بموضعی بردند از عراق
کہ آں را کربلا گویند وجای قتل حسین وجماعتی از فرزندان
من بمن نمودند ومن خونہاے ایشاں را برمی چیدم وآن
اینست در دست من ودست بکشود وگفت این را بستان
ونگاہدار من آں را بستدم خاکی بود سرخ آں را در شیشہ
نگاہداشتم وسر آں را محکم فرو بستم چوں ابن علی بسفر عراق
بیروں آمد آں شیشہ را ہر روز بیروں می آوردم ونگاہ می
کردم ومی گریستم چوں روز دھم محرم رسید اول روز آں
نگاہ کردم برقرار خود بود در آخر روز دیدم کہ آں خاک در شیشہ
خون تازہ گشتہ بود دانستم کہ وی را کشتہ اند چوں
خبر شہادت وی آمد موافق آں روز بود وشہادت وی رضی
اللہ عنہ روز عاشورا بود در روز شنبہ سنہ شصت ویک
از ہجرت ومدت عمر وی پنجاہ وہفت سال وپنج ماہ بود

ومروی از عائشہ رضی اللہ عنہا کہ گفت روزی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با جبرئیل علیہ السلام بود وحسین
ابن علی پریشان برآمد جبرئیل پرسید کہ این کیست فرمودہ
کہ این پسر من است ووی را درکنار خود نشاند جبرئیل گفت
زود باشد کہ وی را بکشند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرسید

وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلعم میرے گھر سے باہر
تشریف لے گئے اور کافی دیر کے بعد اس طرح واپس تشریف لے
آئے کہ آپ صلعم کے موئے مبارک الجھے ہوئے اور غبار آلود تھے اور دست
مبارک میں کوئی چیز لئے ہوئے تھے میں حالت دریافت کی تو فرمایا کہ
آج کی رات مجھے عراق کے ایک مقام لے گئے جس کو کربلا کہتے ہیں
حسینؓ اور میرے فرزندوں کی ایک جماعت کی قتل گاہ مجھے دکھائی گئی
میں نے ان کا خون جمع کیا۔ آپ نے وہ خون حضرت ام سلمہؓ کو دے
کر فرمایا کہ اسے محفوظ رکھو۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ وہ
سرخ مٹی تھی میں نے اسے شیشی میں رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا
جب حسینؓ ابن علیؓ سفر عراق کے لیے تشریف لے گئے تو میں وہ شیشی
روزانہ نکالتی، دیکھتی اور رویا کرتی تھی۔ جب محرم کی دسویں
تاریخ آئی تو دن کے اول حصہ میں میں نے اس کو دیکھا اپنی
حالت پر تھی، دن کے آخری حصہ میں دیکھا تو وہ مٹی شیشی کے
اندر تازہ خون سے تبدیل ہو گئی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ آپؓ
کو شہید کر دیا گیا ہے۔ جب آپؓ کی شہادت کی خبر آئی تو اسی دن
دن کے موافق تھی آپؓ کی شہادت دسویں محرم یوم شنبہ سنہ ۶۱ھ
میں ہوئی۔ آپؓ کی عمر شریف ستاون سال پانچ ماہ تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
ایک دن رسول اللہ صلعم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ
تھے کہ حسین ابن علیؓ آپ صلعم کے پاس آ گئے۔ جبرئیل علیہ السلام
نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ آپ صلعم نے فرمایا یہ میرا لڑکا ہے اور
اپنی گود میں بٹھا لیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا عنقریب ان

که دیرا که کشند گفت امت تو اگر خواهی ترا بگویم که دیرا در
کدام زمین خواهند کشت پس جبرئیل علیه السلام اشارت
بجانب کربلا کرد و قدرے خاکِ سرخ گرفت و برسول
الله صلی الله علیه وسلم نمود و گفت از خاک مقتل وی است

و منقول است از زید ابن ارقم رضی الله عنه
که گفت چوں ابن زیاد گفت که سر امیر المومنین حسین
رضی الله عنه بر نیزه کرده در کوچهاے کوفه بگردانند من
در غرفه خانه خود بودم چوں سر مبارک او برابر من رسید از
سر وی شنیدم که میخواند ام حسبت ان اصحاب الکهف
والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا از هیبت وی موی بر اندام
من برخاست ندا کردم که والله این سر تست یا ابن رسول
الله و امر تو عجیب تر است۔

و منقول است که معمر و زهری رحمهما الله در مجلس
عبد الملک بودند او پرسید که کدام از شما میداند که روز قتل
حسین مسکنهای بیت المقدس چه بود زهری گفت چنین
بمن رسیده است که هیچ سنگی را بر نداشتند مگر آں که در
زیر آں خون تازه یافتند۔

و منقول است که چوں حسین رضی الله عنه
شهید شد از آسمان خون بارید و هر چیز که بعض مردم را
بود پر خوں شد و چند روز در چشم ایشاں خوں بسته می نمود

کو قتل کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا ان کو کون قتل
کرے گا؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا آپؐ کی اُمت قتل
کرے گی اگر آپؐ اُن کی قتل گاہ جاننا چاہیں تو میں بتاؤں یہ
کہہ کر جبرئیل علیہ السلام نے کربلا کی طرف اشارہ کیا تھوڑی سی سرخ
مٹی لے کر حضور صلعم کو دکھایا کہ یہ آپؓ کے قتل گاہ کی مٹی ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے منقول ہے کہ جب ابن
زیاد بدنہاد نے کہا کہ امیر المومنین امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر
مبارک نیزہ پہ رکھ کر کوفہ کی گلیوں میں گشت کریں تو میں اس
اپنے گھر کے دریچہ میں تھا۔ جب آپؓ کا سر مبارک میرے مقابل
ہوا تو میں نے آپؓ کے سر مبارک سے آیت کریمہ ام حسبت ان
اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا، پڑھتے سُنا
اس کی ہیبت اور خوف سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے میں
نے باآواز بلند کہا یا ابنِ رسول اللہ یہ آپؓ کا سر مبارک ہے اور آپؓ
کا حال تو اصحابِ کہف کے حال سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔

منقول ہے کہ معمر اور زہری رحمہما اللہ عبد الملک
کی مجلس میں تھے اس نے پوچھا کیا تم سے کسی کو معلوم کہ امام
حسینؓ کی شہادت کے دن بیت المقدس کے مکانات کا کیا
حال تھا۔ زہری نے کہا مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس سرزمین سے
جس پتھر کو بھی اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون ملتا تھا۔

منقول ہے کہ جب حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے
تو آسمان سے خون برسا اور بعض لوگوں کی ہر چیز خون سے
بھر گئی اور چند روز تک لوگوں کی نظر میں منجمد خون دکھائی

احادیثی کہ در شان وارد شدہ بسیار است بعضے
بر سبیل ایجاز مرقوم میگردد

و روایت کردند شیخان از براء دیدم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم را وحسین بر گردن او بود و او می گفت ای
بار خدایا بدرستیکہ من دوست می دارم او را پس دوست
دار آں را۔

و روایت کرد بخاری از ابی بکرہ گفت شنیدم
از نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منبر و حسن بر جنب او بود نظر میکرد
بجانب مردم یکبار و بجانب او یکبار و می گفت بدرستیکہ
فرزند من ایں سید است و شاید کہ اللہ تعالی اصلاح کند بوی
در میان دو لشکر از مسلمانان۔

و روایت کرد بخاری از ابن عمر کہ گفت گفت
نبی صلی اللہ علیہ وسلم آں ہر دو ریحانہ من اند از دنیا یعنی
حسن و حسین رضی اللہ عنہما۔

روایت کرد ترمذی و حاکم از ابی سعید خدری
رضی اللہ عنہ کہ گفت گفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حسن و حسین سید جوانان اہل جنت اند۔

روایت کرد ترمذی از انس رضی اللہ عنہ
کہ گفت سوال کردہ شد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ کدام
از اہل بیت تو احب است نزد تو فرمود حسن و حسین۔

دیتا تھا۔ جو حدیثیں حضرات حسنین علیہما السلام کی شان میں
وارد ہوئی ہیں وہ بہت ہیں بعض ان میں سے بطور اختصار تحریر
کی جاتی ہیں۔

بخاری و مسلم نے روایت کیا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ
نے حضرت حسن رض کو دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن
مبارک پر سوار تھے اور حضور صلعم یہ دعا فرماتے تھے کہ خداوندا میں حسن رض
کو دوست رکھتا ہوں لہذا تو بھی ان کو دوست رکھ۔

بخاری نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر
پر تھے اور حضرت حسن رض آپ کے پہلو میں تھے آپ ایک مرتبہ لوگوں
کو دیکھتے تھے اور دوسری مرتبہ حضرت حسن رض کو اور فرماتے تھے
میرا یہ فرزند سردار ہے۔ شاید اللہ تعالی اس کے ذریعہ مسلمانوں
کے دو گروہوں میں صلح کرائے۔

بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن و حسین میرے
دنیا کے دو پھول ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

ترمذی و حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رض سے
روایت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن و حسین
جوانان جنت کے سردار ہیں۔

ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے
نزدیک آپ کے اہل بیت میں کون زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا
حسن رض اور حسین رض۔

روایت کرد حاکم از ابن عباس رضی اللہ عنہما
کہ گفت بیش آمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتحقیق سوار کردہ بود
حسن را بر گردن خود پس ملاقات کرد ی مردی پس
گفت نیک مرکب سوار شدی تو ای فرزند پس فرمودہ
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نعم ونیک راکب او است۔

روایت کرد ابو نعیم در حلیہ از ابی بکر رضی اللہ عنہ
کہ گفت بود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ صلوٰۃ میگذارد با ما پس آمد
حسن رضی اللہ عنہ وحال آں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در
سجدہ است داد دراں وقت خورد است پس می نشست
بر پشت او یکبار و بر گردن او یکبار پس می برداشت او را
نبی صلی اللہ علیہ وسلم برداشتن نرم پس ہرگاہ کہ فارغ شد از
نماز گفتند یا رسول اللہ بدرستیکہ تو میکنی با ایں کودک
چیزی کہ نمی کنی آں را با ہیچ یکی پس گفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
بدرستیکہ ایں ریحانہ من است و بدرستیکہ ایں فرزند من
سید است و زود باشد کہ اصلاح کند اللہ تعالی بدو
درمیان دو گروہ از مسلماناں۔

و روایت کرد حاکم از عبد اللہ ابن عمر کہ گفت ہر آئینہ
تحقیق حج کرد حسن بیست و پنج بار ماشی و بدرستیکہ شتران
رامی کشیدند پیش او فضائل ایشاں بسیار است کہ عقل عقلا
حصر آں نمیتواند کرد۔

والسلام

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام حضرت حسن کو اپنی دوش
مبارک پر سوار کر کے تشریف لائے یہ دیکھ کر ایک شخص نے حضرت
حسنؓ سے خطاب کر کے کہا کتنی اچھی سواری پر سوار ہو۔ یہ سُن
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار بھی تو اچھا ہے۔

ابو نعیم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام ہمارے ساتھ نماز
ادا کر رہے تھے۔ جب آپؐ سجدہ میں گئے تو حسنؓ جو بچہ تھے،
آ گئے وہ کبھی حضور علیہ السلام کی پشتِ مبارک پر بیٹھ جاتے
اور کبھی آپؐ کی گردنِ مبارک پر جب آپؐ سجدہ سے قیام کی
حالت میں جاتے تو آہستہ سے حضرت حسنؓ کو اٹھا دیتے۔ جب
آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ
آپؐ اس بچہ کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو اور کسی کے ساتھ
نہیں کرتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا پھول ہے، یہ
سردار ہے عنقریب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے
دو گروہ میں صلح کرائے گا۔

حاکم نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت
روایت کیا کہ حضرت حسنؓ نے پچیس بار پیادہ پا حج کیا تھا حالانکہ
اونٹوں کی سواریاں آپؓ کے آگے آگے چل رہی تھیں۔ حضرات
حسنین علیہما السلام کے فضائل کثیر ہیں کہ عقلِ انسانی ان کو
شمار نہیں کر سکتی۔

والسلام

جواہر الحقائق

مجدّدِ جنوب حضرت علامہ شاہ محی الدین

سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی ویلوری

المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ

(المتوفی ١٢٨٩ھ)
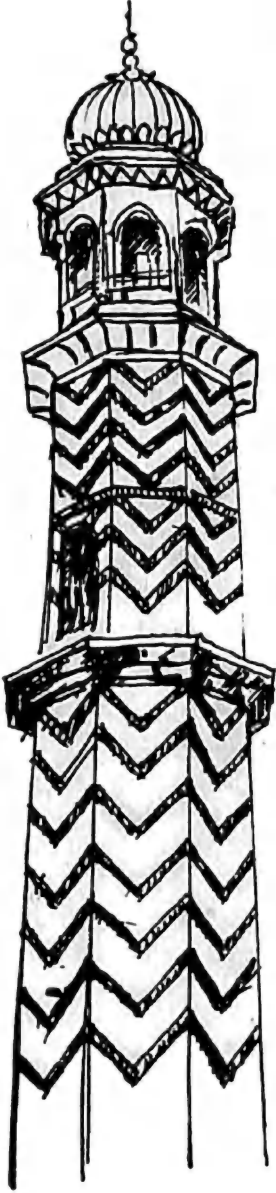
ترجمہ وتشریح

حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللہی

شفاء ڈسپنسری۔ نڈوپیٹ۔ گڑیاتم۔٦٠٢ ٦٣٢

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔

الحمدُ للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسّلامُ علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

زیرِ نظر کتاب "جواھر الحقائق" مجدّدِ جنوب حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی وہ معرکۃ آرا کتاب ہے جس میں تصوّف کے اصول ومبادیات پر جہاں بڑی گہری نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے وہیں اس کے موضوعات پر پوری سیر حاصل بحث بھی کی گئی ہے۔ سلوک کی مشکل اور لاینحل گتھیوں کو بآسانی سلجھایا گیا ہے۔ اس کے رازہائے سربستہ نوادر ودقائق نادانستہ اور حقائقِ گم گشتہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ جو یقیناً تصوف وسلوک کے مبتدی سے لے کر منتہی کے حق میں جہاں ایک مفید وبے نظیر تحفہ، ایک نایاب ونادر خزینہ ہے۔ وہیں اس کے مباحث کا ایک ایک زینہ بھی دُرِ نایاب، جوہرِ کمیاب اور آبِ حیات کا ایک لاجواب دفینہ ہے۔ اور جہاں قارئینِ "اللطیف" کی معلومات میں حیرت انگیز اضافہ بھی ہے، وہاں دل کی گہرائیوں کے ساتھ دعوتِ افادہ اور استفادہ بھی۔

کتابِ "جواھر الحقائق" کی یہ دوسری قسط ہے جو درجِ ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔ گو اصل کتاب میں تو عنوانات ہیں نہیں تاہم ہم نے اس کے اندر مطلب کے لحاظ سے عنوان قائم کر دئیے تاکہ قارئین حضرات کو پڑھنے میں سہولت اور آسانی ہو۔ یہ مسلّمات سے ہے کہ تصوف اور مبادیاتِ تصوف خود ایک مشکل موضوع ہے اور ادق مرحلہ ہے پھر اس کے اندر تسلسل وروانی یہ درحقیقت قارئین کے حق میں اکتا دینے والی بات تھی۔ اس لئے بھی عنوانات کا دینا ازبس ضروری جانا۔ امید ہے کہ قارئین حضرات ان عناوین سے دلچسپی لیں گے اور اس جدّت کو معاف فرمائیں گے۔ اور انشاء اللہ آئندہ قسطوں میں اس طرح عنوانات کے قائم کرنے پر ہمارا تعاون فرمائیں گے۔

حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی

اس دوسری قسط کے عنوانات

(قسطِ دوم)

جواہر الحقائق

پہلا فائدہ: علمِ تصوف کی تحقیق میں

صاحب "الحقیقۃ المحمدیہ" (شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ) فرماتے ہیں کہ "التصوف ھو ان یمیتک الحق عنک و یحییک بہ" یعنی تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے مٹا دے اور اپنی ذات سے ملا کر زندہ رکھے اور وہ اس طرح کہ تیری نگاہ غیر اللہ کی طرف نہ جائے۔ یہیں سے صوفی کا مطلب بھی معلوم ہو گیا کہ وہ فانی فی اللہ، اور باقی باللہ ہوتا ہے۔

صوفی کا نام اور لباس

(صوفی کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں) ایک جماعت کہتی ہے کہ ان کے اندرونی رازداریوں کی صفائی کی وجہ سے انھیں "صوفی" نام رکھا گیا۔ اور بعض نے ان کے معاملات کی صفائی پر نظر کرتے ہوئے انھیں "صوفی" کہا۔ کیوں کہ اللہ کے احکام کے آگے صفِ اول میں رہنے، خیر خیرات میں آگے بڑھنے اور جلدی کرنے، طاعات و عبادات میں پوری دلیری و پامردی کا ثبوت دینے والی یہی جماعت ہے۔

اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے اصحابِ صُفّہ سے ان کی قریبی مناسبت نے انھیں صوفی سے نامزد کیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ "صوف" (اونی یا بالوں سے بنے ہوئے دبیز کپڑے) کا لباس استعمال کرنے کی وجہ سے صوفی نام پڑ گیا۔ اور صوف انبیاء علیہم السلام کا بھی لباس رہا ہے اور اصحابِ صُفّہ کی ریس اور شکل و بھیس بھی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: کہ میں نے ستّر اصحاب بدریینؓ کو پایا، ان سب کا لباس "صوف" ہی تھا۔

بہر حال جن حضرات نے انھیں صوف اور اہلِ صُفّہ سے منسوب کیا انھوں نے ان کے ظاہری حالات پر

نظر کی اور دیکھا تو ان کے اندر اہلِ صُفّہ کی وہ تمام صفتیں موجود تھیں۔ غربت و فقیری، ہجرت و مسکینی، بے گھر، بے مال اور بے یار و مددگار ہو کر شہروں میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس حال میں کہ انھیں فاقوں پر فاقے تھے اور بدن پوری طرح کپڑوں سے خالی تھے۔ انھوں نے دنیا سے کچھ نہیں لیا۔ ہاں شدید ضرورت پر بھوک کے لیے نان جوین کا ایک ٹکڑا اور ستر عورت کے لیے ایک موٹا سا کپڑا (اسی پر ان کا گزر بسر تھا) اور بس۔ اور انھوں نے کبھی نفس کی خواہش کی خاطر عمدہ اور نرم و گرم بستر کو چھوا تک نہیں۔ بلکہ جَو کی سخت موٹی اور کھردری روٹی کے ایک ٹکڑے اور ستر عورت کے لیے صوف کے ایک موٹے کپڑے پر اپنی زندگی بسر کر لی۔ جیسا کہ کتابِ "تعرّف" میں موجود ہے۔

صوفی کسے کہتے ہیں؟

(حضرت) شیخ عبد اللہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے سید الطائفہ (حضرت) جنید بغدادی قدس سرہٗ سے پوچھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں؟ جواباً ارشاد فرمایا: هُوَ الذی یکون فی وجهه حیاءٌ وَ فی عینه بکاءٌ وَ فی قلبه صفاءٌ وَ فی لسانه ثناءٌ وَ فی یده عطاءٌ و فی وعده وفاءٌ وَ فی نطقه شفاءٌ: انتھٰی "یعنی اس کے چہرے سے شرم و حیا ظاہر ہو، آنکھیں روتی ہوں اور قلب صافی (دل میں صفائی ہو) زبان میں تعریف ہو اور ہاتھ داد و دہش کا خوگر ہو اور وعدہ پورا ہو اور اس کی بات میں شفا ہو۔ (اس طرح حضرت جُنید بغدادیؒ نے کمالِ صوفیت کی یہ سات صفتیں بیان کیں کہ جس کے اندر یہ سات صفتیں جمع ہوں وہ کامل صوفی ہے۔)

صاحبِ "آداب المریدین" نے فرمایا کہ "صوفیوں کی عادات و اخلاق میں سے یہ ہے کہ اس کے اندر (تواضع، نصیحت، شفقت ہو اور وہ (مخلوق کے غموں کا) بوجھ اٹھاتا ہو یعنی (گویا ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ   سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کی جیتی جاگتی تصویر و ترجمانی بھی کرے اور مخلوق کے ساتھ) میل جول، کشادہ روئی (خندہ پیشانی) خوش طبعی، محبت جاہ و مال کی بخشش کو اپنائے (اور عوام کی غلطیوں کو) معاف و درگزر کرے اور ان کے ساتھ ایفائے وعدہ اور حسنِ ظن رکھے۔ خود کو چھوٹا سمجھے اور دوسروں کو بڑا جانے اور ان کی تعظیم و توقیر کرے اور ہر چھوٹے بڑے پر رحم و کرم کرے۔ اور ظالموں اور ان جیسوں کے حق میں دعائے خیر کرے۔" انتھٰی۔

یہ حضرات صوفیوں کی ظاہری علامتیں تھیں (جو بیان ہوئیں) اب رہی ان کی حقیقی علامتیں "یہ اللہ کے سوا مخلوق سے تخلیۂ باطن (باطنی پردہ) کریں اور غیروں کے غبار و بو باس سے احتراز کریں اور ان کی طرف سے

رنج و کدورت کو دل میں جگہ نہ دیں اور دل صاف رکھیں۔

صوفیوں کے اخلاق و عادات اور اُن کے اوصاف کی مزید تفصیل کے لیے عالم ربّانی حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تنبیہ المغترّین" ملاحظہ ہو۔

تصوف کا موضوع اور اس کی شروعات و مسائل

واضح ہو کہ ہر علم کا ایک موضوع ہوتا ہے جس علم کے خاص احوال اور ذاتی اسباب پر گفتگو ہو وہی اس کا موضوع کہلاتا ہے۔ وجودِ ذاتِ باری تعالیٰ اور ظاہری و باطنی حیثیت سے اس کی تقدیس ہی علم تصوف کا موضوع ہے۔

اور ہر علم کا مبداء (ایجاد) اس کے مسائل پر موقوف ہے اور تصوف کا مبدأ موضوع کی تعریف پر موقوف ہے کہ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے انھیں پیش کیا جائے۔ جیسے ذاتِ باری تعالیٰ کی تعریف و تقدیس بیان کرنا اور اس کے متعلقات کی توصیف اور اس کے ناموں اور صفات کی تعریف کرنا جیسا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

اور ہر علم کے مسائل سے مراد اس کے احکام کی تصدیق کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے علم ضروری ہے اور علم تصوف کے مسائل میں وہ احکام ہیں جو موضوع سے متعلق ہیں پھر یہ موضوع بھی ذاتِ حق تعالیٰ کی تقدیس سے متعلق ہے۔ گو کہ ان احکامات میں درجے اور مراتب بھی متعین ہیں۔ چناں چہ ذاتِ باری تعالےٰ جب مرتبۂ لاتعین میں ہو تو اس کا یہ حکم ہوتا ہے اور جب مرتبۂ وحدت میں ہو تو اس کا یہ حکم ہے۔ اور جب مرتبۂ واحدیّت میں ہو تو اس پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے وغیرہ ان مرتبوں پر سارے مراتب کو قیاس کیا جائے۔

انسانی دل

جان لو کہ انسانی دل کو دو ذریعوں سے شرافت ملتی ہے:

۱۔ ایک علم کے سبب سے ۲۔ دوسری طاقت کے ذریعہ سے

پھر علم کے سبب سے جو شرف حاصل ہوا ہے وہ بھی دو طریقوں پر منحصر ہے: ایک ظاہری علم دوسرا باطنی علم۔

ظاہری علم

علم ظاہری یہ کسی سے سیکھنے اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ دل کو دیکھو کہ یہ جسم کا ایک چھوٹا سا جزو اور ٹکڑا ہے۔ لیکن اس کے اندر تمام علوم اور ان کی کاری گری کی قوت کی معرفت (بدرجہا) حاصل ہے اور قسمت (عقل) یہ نہیں مانتی کہ تمام علوم اس ادنیٰ ٹکڑے کے اندر سمائے گئے ہیں۔ (یہ حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ دل ایک چھوٹا سا

ذرّہ اور جسمِ انسان کا ایک مختصر ٹکڑا ہونے کے باوجود بھی سارے علوم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ تو پھر عقل اس حیثیت سے تسلیم نہیں کرتی کہ علم کے مقابل میں جہل بھی تو ہے؟ پھر علم وجہل ایک ہی وقت میں ایک ہی جزؤ میں اور ایک ہی زمانے میں جمع ہو جائیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گویا ایک شخص یہ ایک وقت اور یہ ایک زماں عالم بھی ہو اور جاہل بھی۔ اور اگر عقل تسلیم کر لیتی تو یہ دونوں علم وجہل جمع ہو جاتے اور ایسا محال ہے۔ صرف اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔)

دل کی قوّت

پھر دل کی طاقت ہی وہ طاقت ہے کہ جس کے ذریعہ جہاں شرعی علوم کی دانست ہوتی ہے وہیں علم ہندسہ اور ہیئت، علم حساب وکتاب اور علم حکمت وطبابت وغیرہ وغیرہ غیر شرعی علوم کی پہچانت بھی ہوتی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ دل خود بھی ایک عالَم اور ایک جہان کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ صحرا (جنگل) میں ایک ذرّہ اور دریا میں ایک قطرہ کی حیثیت اور پوزیشن ہے۔ اسی طرح ساری کائنات اس دل کے اندر موجود ہے اور یہ ساری کائنات کا آماجگاہ ہے۔

تشریح مزید از مترجم

اسی کو دوسرے معنی میں یہ سمجھئے کہ دل جیسی شئے کا دنیا میں کوئی بدل نہیں ہے۔ ویسے بھی اس حقیقت سے بھلا کوئی انکار کر سکتا ہے؟ کہ انسانی زندگی کا دارومدار صرف دل ہی پر ہے۔ انسان چاہے سوتا ہو یا جاگتا، بیٹھا ہو یا لیٹا چلتا ہو یا بھاگتا، کھاتا ہو یا پیتا غرض انسان خواہ کچھ بھی کرتا ہو مگر دل اپنے کام میں برابر لگا رہتا ہے۔ بخلاف اس کے جسمِ انسان کے بعض دوسرے اعضا رکو دیکھئے کبھی تھک بھی جاتے ہیں، آرام بھی کر لیتے ہیں اور کبھی بیکار بھی ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہاتھوں کے لولے، پاؤں کے لنگڑے، کانوں کے بہرے اور آنکھوں کے اندھے مگر اس کے باوجود بھی ان کی زندگی برابر چل رہی ہے اور انسانی وجود میں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ اور زندگی کے لیے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا۔

اس کے برخلاف یہ شہنشاہِ اعظم حضرتِ دل کو لیجئے یہ اپنی حرکت سے ذرا بھی باز آجائیں اور چپ ہو لیں اور دھک دھک کرنا چھوڑ دیں تو انسانی زندگی کا سارا کیا کرایا پل بھر میں خاک میں ملجائے اور قلع قمع ہو جائے۔ سچ ہے ؎

غم گیا رونقِ حیات گئی دل گیا ساری کائنات گئی

یہ حقیقت ہے کہ دنیائے دل کے ماہرین اور جراح ڈاکٹروں نے جہاں دل پر اپنے ریسرچ اور تحقیقات کی معلومات کے انبار لگا دئے وہیں بڑے بڑے ادیبوں، کہنہ مشق شاعروں نے بھی دل کے موضوع پر اس قدر لکھا ہے کہ مزید لکھنے کی اب گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

غرض دل کو لوگوں نے کئی طرح سے سراہا اور کئی طرح سے استعمال بھی کیا ہے جیسے کسی نے کسی کو دل دیا تو کسی نے کسی کا دل لے لیا، کسی نے کسی کا دل دُکھایا تو کسی نے کسی کا دل لبھایا۔ کسی کا دل مچلتا ہے اور کسی کا دل تڑپتا ہے، کسی کا دل گھٹتا ہے تو کسی کا دل ڈرتا ہے، کسی کا دل شیر ہوتا ہے تو کسی کا دل ڈرپوک گربہ مزاج ہوتا ہے۔ کسی کا دل غمگین واداس ہے تو کسی کا دل باغ باغ، کوئی دل کے ہاتھوں مجبور وداداس ہے تو کوئی دل کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہو جاتا ہے اور جب کسی کا دل کسی پر آجائے تو سچ مانئے اُسے لنگور بھی حُور نظر آنے لگے۔

تو معلوم ہوا کہ محض اس دل کی وجہ سے دنیا میں سب کچھ ہو رہا ہے اور جسم انسان کے اس چھوٹے سے پُرزے حصے یعنی دل کے ٹکڑے کے اندر ایک کائنات سمو دی گئی ہے۔ اور یہ ساری کائنات کا ایک آماجگاہ ہے۔ اس طرح یہ دل بذاتِ خود ایک دنیا ہے۔ جسمِ انسان کے سارے اعضاء وجوارح تو انسان کے تابع اور نگران کار ہوتے ہیں۔ لیکن خود انسان دل کا مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے۔ گویا انسانی کائنات کے وجود کے تمام اعضاء وجوارح تو انسان کے ایک مکمل باڈی گارڈ، تابعدار، نگران کار وزراء اور رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں اور خود انسان تو اپنے شہنشاہِ اعظم، حاکمِ وقت فرماں روائے زماں حضرتِ دل کے آگے پورے عجز وانکساری کے ساتھ ایک وفادار مطیع وفرماں بردار وزیرِ کبیر کی حیثیت سے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ سچ ہے ؎

دل کو لاکھ سمجھایا مگر دل نہ مانا ‌ ‌ ‌ ‌ قدر کھو دیتا ہے یہ روز کا آنا جانا

غرض دل کو سمجھایا بھی جاتا ہے، بہلایا بھی جاتا ہے، منایا بھی جاتا ہے، روٹھایا بھی جاتا ہے۔ محض دل ہی کی وجہ سے انسان اپنی قدر ومنزلت بڑھاتا بھی ہے اور گھٹاتا بھی۔ دل ہارے بھی جاتے ہیں، جیتے بھی جاتے ہیں اور جس کی وجہ سے دلوں پر حکومتیں بھی ہوتی ہیں۔

واقعہ

چنانچہ ایک بار بڑے پیر بے نظیر حضرت غوث اعظم دستگیر قدس اللہ سرہٗ العزیز بغداد کی جامع مسجد میں بیٹھے لوگوں کو وعظ فرما رہے تھے۔ دورانِ وعظ آپ کو چھینک آئی اور آپ نے الحمد للہ کہا۔ لوگوں نے اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللہ کہا تو مسجد لوگوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ خلیفہ بغداد نے جو اس وقت وہاں موجود تھا، حیرت سے پوچھا کیا ہوا؟ — جواب ملا کہ: سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کو چھینک آئی ہے اور لوگوں نے اس کا جواب دیا ہے۔ اس پر خلیفہ بغداد نے کہا "اصل حکومت تو یہ ہے۔" واقعی دلوں پر حکومت تو دلوں کو موہ لینے سے ہوتی ہے اور

دلوں کا موہ لینا یہ ہزار نعمتوں کی ایک عبادت ہے۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است صد ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اسی مطلب میں حضرت جگر مرادآبادی نے بھی کیا خوب کہا ہے۔ ؎

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اگر زمانہ جیتنا ہو تو پہلے دلوں کو جیت لیں، خود فاتح بنیں اور دلوں کے مفتوح بنیں کیوں کہ دل ہی وہ شئے ہے جس میں ساری کائنات اور ماورائے کائنات مدغم ہے۔ جس کا احاطہ اور صحیح وسعت کا اندازہ نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ سچ ہے ؎

ارض و سماء کہاں تری وسعت کو پاسکے میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

فاتح اعظم سکندر بھی دنیا کی فتح یابی سے پہلے دلوں کو فتح کیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ دل کھودینے کے بعد پانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔)

(یہاں تک تشریح ختم ہوئی۔)

غرض یہ دل بھی ایسا دل ہے کہ عالم خاک اور خاکی وجود کے باوجود (عروج اتنا کہ) تمام آسمانوں کو چھولے اور (وہاں تک رسائی کرلے اور چاند سورج تو درکنار) ہر ستارے کی مقدار و پوزیشن کو پالے اور دریاؤں کی گہرائی و گیرائی کے باوجود بھی ان کی تہوں سے مناسب حیلوں کے تحت مچھلیوں کو نکال لے۔ اور اڑتے مرغ کو زمین پر اتار لے۔ گھوڑا اور شیر، اونٹ اور ہاتھی جیسے دیوہیکل طاقت ور حیوانات کو اپنے کنٹرول اور مسخر کرلے۔

غرض یہ سب کچھ بھی انسان کے محض ظاہری علم اور بیرونی اسباب و وسائل سے اور اس کے ہاتھوں واقع ہو رہے ہیں۔ یعنی اس کے حواس خمسہ کی بدولت وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس راہ کی شکل و صورت ہوتی ہے اسی راہ پر علمائے ظاہر بین کا علم گامزن ہوتا ہے۔ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ سے مراد یہی ظاہری علم ہے۔

۲ باطنی علم

(ظاہری علم کی تفصیل سُن لینے کے بعد اب اس کی دوسری قسم باطنی علم کی تحقیق سنئے) یہ علم دل کے اندرونی روزن کے ذریعہ سے ہاتھ آتا ہے۔ کیوں کہ دل کے اندر ایک سوراخ ہے اور اس کا تعلق ملکوتی آسمان کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اسے "عالم روحانی" کہتے ہیں۔ اور پانچ سوراخ تو دل کے باہر کھُلے ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق عالم محسوسات کے ساتھ ہے

اور اسے "عالم جسمانی" بھی کہتے ہیں ۔ اور عالم محسوسات اور اس کے علم کی راہ کو جو حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، اکثر حضرات جانتے ہیں پھر یہ دونوں نسبتیں یعنے اندرونی عالم کے علم کی اور اس کی راہ کی نسبت اگرچہ مختصر ہے، مگر اس اندرونی عالم کا علم اور اس کا راستہ یہ بہت اونچا کام ہے (اور کٹھن مرحلہ ہے) کیوں کہ باطنی علماء کے علوم اسی راستے کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور یہ علم ذاتِ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی انسانی تعلیم کے بغیر ہی ان باطنی علماء کے دلوں میں بلا واسطہ اترتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صوفیائے کرامؒ کے علوم اسی راہ کے ہوتے ہیں۔ اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ سے مراد یہی "علم باطنی" ہے ۔ پھر یہ علم قلبی علوم کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے ۔ اور اسی سبب سے انسان کے دل کو شرف ملا اور عزت حاصل ہوئی ۔ اور اس طویل راستے کی راہ بھی تجربات اور عقلی دلائل کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے۔ پھر بھی اگر تمہارے اندر اس کا ذوق اور وجدان نہیں رہا اور تمہارے علم نے اس کی راہبری نہیں کی تو کم از کم اس پر اپنا ایمان تو رکھو اور اس کی تصدیق تو کرو تاکہ اس کے تینوں مقاموں ۱۔ کشف، ۲۔ دلیل، اور ۳۔ تقلید سے محروم نہ رہوں اور اس کے منکرین میں تمہارا شمار نہ ہو ۔ مثنوی ؎

جانِ ما از جانِ حیواں بیشتر　　　از چہ زاں رو کہ فزوں دارد خبر

حیوانوں کی جان سے انسانوں کی جان اونچا مرتبہ رکھنے والی اور بڑھیا معلومات والی ہوتی ہے ایسا کیوں؟ اس لیے کہ اُن کا علم زیادہ ہے ۔ ؎

پس فزوں از جانِ ما جانِ مَلَک　　　کو منزّہ شد زحسِّ مُشترک

پھر انسان کی جان کے مقابلہ میں فرشتے کی جان اس سے بھی بڑھیا اور اونچا مقام رکھتی ہے ۔ کیوں کہ اس کی جان حسِّ مشترک سے پاک ہے ۔ (تشریح : اس سبب سے کہ ان فرشتوں کے اندر خطاء و غلطی کے احتمال کی گنجائش نہیں ہے ۔ بخلاف انسان کے کہ اس کے اندر خطاء و نسیان ہر آن موجود ہے اور حسِّ مشترک یہ ہے کہ جو ادراک و حواس انسان اور حیوان میں ملے جلے ہیں فرشتہ اُن سے پاک ہے ۔ گو کہ کثرتِ معلومات کی بناء پر وہ انسان سے افضل سہی مگر دوسرے اعتبار سے انسان ہی اس سے افضل و اعلیٰ ہے ۔) تشریح ختم ؛ ؎

وز مَلَک جانِ خداوندانِ دل　　　باشد افزوں تو تحیّر را بہل!

پھر فرشتے سے بھی اہلِ دل اور اہل اللہ کی جان بڑھیا درجے اور اونچے مرتبے والی ہوتی ہے اور تو تحیّر و استعجاب میں مت پڑ ۔ ؎

زاں سبب آدم بود مسجودِ شاں　　جانِ اوافزوں ترست از بودِ شاں

اور جب فرشتے اہلِ دِل کی جان ہونے کی وجہ سے انھوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور آدمؑ ان کے مسجود بنے تو پھر آدمؑ کی جان فرشتوں کی جانوں سے بھی افضل ترین بن گئی۔

دل کے اندرونی سوراخ اور باطنی علوم کے دو دلائل ہیں۔
۱۔خواب اور ۲۔فراست۔

① خواب یا موتِ اصغر

پہلی دلیل موت اصغر ہے۔ جسے نیند اور خواب بھی کہتے ہیں۔ اور خواب کی حقیقت کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہاں، اتنا جان لو کہ دل کی شکل کا ایک آئینہ ہے اور لوحِ محفوظ کی شکل میں بھی ایک دوسرا آئینہ ہے۔ جس میں تمام موجودات کی شکلیں اور صورتیں ہیں۔ جب ایک آئینہ کی شکل دوسرے آئینے کے مقابل آئے تو ویسی ہی شکل لوح محفوظ سے اس دل میں آتی ہے جو محسوسات سے فارغ اور قلب صافی اور لوح محفوظ سے مناسبت رکھتا ہو۔ اور جب تک یہ محسوسات میں مشغول رہے گا اس وقت تک اس کے دل میں یہ شکل ظاہر نہیں ہوگی۔ بلکہ محجوب (پردہ میں) رہے گی اور اس کو ملکوتی عالم سے مناسبت بھی نہ ہوگی۔ اور جب خواب میں (نیند کی حالت میں) حواس بند اور ساکت ہوں گے تب وہ اندرونی راہ کھل جائے گی (پردہ ہٹ جائے گا) معانی اور شکلیں ظاہر ہوں گی۔

تعبیرِ خواب

کسی نے حضرت ابنِ سیرین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا ایک خواب سُنایا کہ میں نے اپنا کندھا خواب میں دیکھا کہ طلوعِ صبح صادق کے وقت ایک انگوٹھی ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں اور اس کے ذریعہ سے عورتوں اور مردوں کے ہونٹوں اور شرمگاہوں پر مہر لگا رہا ہوں۔" اس کی حضرتؒ نے یہ تعبیر دی کہ "تجھے ماہِ رمضان المبارک میں مؤذنی کا عہدہ سونپا جائے گا اور تو صبح کی نماز کی اذان دے گا۔"

مقامِ غور

یہاں یہ غور طلب مقام ہے کہ (ایک شخص نے) جب خواب کے واسطہ اور ذریعہ سے اس خاص عالم سے کچھ وقت کے لیے چھٹکارا اور خلاصی حاصل کی اور دنیوی لگاؤ اور رنجش سے کسی قدر تنہائی پائی تو پھر بھی وہ اس معنی کو مشاہدہ کے مناسب مثالی لباس میں دیکھتا ہے تو کس طرح؟ — نیز خواب میں لوحِ محفوظ اور عالمِ ملکوت سے کچھ غیبی معلومات حاصل ہوتی ہیں تو اس کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ آنے والے زمانہ (مستقبل) میں اس سے کچھ شناسائی اور رہنمائی حاصل

حاصل ہو یا پھر اس کو ایک روشنی سمجھیں جس کے ذریعہ سے یہ اپنا مستقبل دیکھتا ہے یا اس کو ایک مثالی لباس سے تعبیر دیں جو حاجت کے بدلنے سے واقع ہوا ہے۔

غرض یہاں تو ظاہری حواس کے علوم تھے (اور قرآنی آیت: یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ کے مطابق اس کے آئینہ دار تھے۔) جنھیں یہ لوگ (علمائے ظاہربین) جانتے تھے کہ جو بیدار ہوگا وہ معرفت میں ادنیٰ تر ہوگا۔ پھر بھی یہ دیکھتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں کہ بیداری کی حالت میں غیبی حواس کی راہ سے دکھائی تو کچھ نہیں دیتا اور خواب کی صورت میں حواس کی راہ کے بغیر ہی (دل کے) اندرونی راستے سے دکھائی دیتا ہے۔

خواب میں حواس اگرچہ خوابیدہ، پستی اور نیچے کی طرف مائل ہوا کرتے ہیں اور خیال اپنی جگہ بحال رہتا ہے اور اس حیثیت سے انسان جو کچھ بھی دیکھتا ہے یہ بیشتر خیالی مثال کے لباس ہی میں دیکھتا ہے وہ بھی صاف اور کھلا ہوا واضح طور پر نہیں ہوتا۔ اور وہ بھی پردے سے پوشاک اور غلاف سے خالی نہیں ہوتا۔ (گویا پردے اور غلاف میں لپٹا ہوا خواب نظر آتا ہے جو بالکل صاف نہیں ہوتا۔ اس کے اندر کچھ رمز اور اشارے بھی ملتے ہیں جنھیں معتبر معبّرین پہچانتے ہیں۔)

موتِ اکبر اضطراری

یہ اضطراری موتِ اکبر جو طبیعت اور موت کا درمیانی فاصلہ یا اس کی عادتیں ہوتی ہیں۔ جب ان کے واقع ہونے سے انسان مرجاتا ہے اور اس طرح اس کی عمر صبح کی رات ختم ہو جانے سے قیامتِ صغریٰ (موت) آجاتی ہے۔ نہ حواس باقی رہتے ہیں اور نہ خیال تو اس وقت سب سے تعلقات بالکل منقطع ہوجاتے ہیں اور اعمال و احوال اور عقائد و اخلاق مقرر و تجویز کئے ہوئے ہوتے ہیں اور جو کچھ اس انسان کی پونجی یا عمل ہوتا ہے وہ ظاہر ہوجاتا ہے اور جو کچھ اس سے دنیا میں پیش آتا ہے وہ پھر بغیر خیال اور بغیر پردے کے دیکھنے لگتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِيۡهِ: یعنی اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک یعنی مرنے کے وقت تک کام میں کوشش کررہا ہے۔ پھر قیامت میں اس کام کی (اچھی یا بری) جزا سے جا ملے گا۔ (اس کے بعد فرشتے) اس سے کہیں گے فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ: یعنی سو اب ہم نے تجھ سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹادیا۔ سو آج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ تو اس وقت یہ شخص کہے گا: رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا : یعنے اے ہمارے رب آپ نے ہمیں (ادھر کے مناظر) دکھادئے اور ہم نے سن لیا۔ سو پھر ہم کو (دنیا کی طرف) لوٹادیجئے (تاکہ ہم) اچھے سے اچھا عمل کر کے (حاضر ہو جائیں) ۵

صبح کے وقت ہر دن کی طرح کچھ تو معلومات حاصل ہو جائیں۔ آخر کب تک رات کی انتہا درجہ کی تاریکی اور اندھیری میں ایک ہارا ہوا پریشان حال عاشق کے عشق کی پریشانی اور سرگردانی میں مبتلا رہو گے؟ (مطلب یہ کہ صبح کی روشنی سے مراد یہ انسان کی زندگی اور عمر عزیز تھی سو اس کو غنیمت جان کر اس سے تو کچھ فائدہ اٹھالینا چاہیئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا اور اب شب دیجور میں (رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی) یعنے موت کے دہانے میں پہنچ کر پریشان اور پچھتا رہا ہے تو اس سے کیا فائدہ؟)

خواب اور موت میں فرق

خواب اور موت کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے۔
"وَالنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ" یعنے نیند موت کی بہن ہے۔

یہاں اس معنی میں یہ اشارہ ہے کہ خواب (دراصل) سِرِّ فنا کا آئینہ ہے اور توحید و آخرت کی حکایات و احوال کا بھی آئینہ ہوتا ہے (اور عالم بیداری میں) جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح (ایک دن) تم مرجاؤ گے۔ اور جیسے تم نیند سے بیدار ہوتے ہو ویسے ہی (قیامت کے دن) تم اٹھائے جاؤ گے۔

موتِ اکبرِ اختیاری

(یہاں تک تو موتِ اکبر اضطراری کی بحث رہی۔ اب آگے موتِ اکبر اختیاری کی بحث آرہی ہے: فرماتے ہیں کہ)

اور اسی طرح موتِ اکبر اختیاری میں جو اہلِ صفوت یعنے انبیاء و اولیاء کی موت ہوتی ہے۔ ان حضرات کی جب اس عالمِ ظلمت سے جدائی ہوتی ہے تو اس عالمِ (نورانی) کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ (نیز انھیں بیداری میں بھی اپنے دل کا اندرونی سوراخ کشادہ رہتا ہے اور جو کچھ دوسرے حضرات نیند میں دیکھتے ہیں یہ حضرات انبیاء و اولیاء بیداری میں دیکھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی ارواح نیک بزرگوں کی شکل و صورت میں نظر آتے ہیں۔ اور جب یہ (فرشتے) پیغمبروں کو دیکھتے ہیں تو انھیں پکڑتے ہیں اور ان سے مدد چاہتے ہیں (اس طرح) زمین و آسمان کے فرشتے انھیں اچھی طرح نظر آتے ہیں۔

غرض جس کسی (خوش نصیب) پر یہ راہ گشادہ ہوتی ہے تو وہ بہت بھاری اور عظیم کام دیکھتا ہے اور ایسے بڑے اور اونچے کام جن کی تعریف کا شمار نہیں ہو سکتا اور وہ حد تعریف سے بالاتر ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنے اور ہم نے ایسے ہی طور پر (حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں۔

اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ فَاُرِيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا یعنی میرے لیے زمین لپیٹ دی گئی اور مجھے زمین کے مشارق اور مغارب دکھلائے گئے (اس طرح زمین کا کوئی کنارہ گوشہ باقی نہیں رہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے اوجھل ہو اور پوشیدہ رہا ہو۔) اس کے اندر ایک حال اور کیفیت ہے۔ اور یہ سب کچھ بھی دار دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلَيْهِ: یعنے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ جس طرح تمہاری جوتی کا تسمہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اور قریب ہے اس سے بھی زیادہ یہ جنت اور دوزخ تمہارے قریب ہیں۔

ع

بہشت و دوزخت با تست در باطن نگر تا تو سقرہا در جگر یابی جناںہا در جناں بینی

جنّت و دوزخ

یعنے یہ تیری جنّت اور دوزخ خود تیرے اندر موجود ہیں انھیں تو اپنے باطن میں دیکھ اور غور کر تاکہ تو خود اپنے جگر کے اندر کئی دوزخوں کو پائے گا اور کئی جنّتوں کا مشاہدہ کریگا۔

تشریح

(مطلب یہ کہ جس قدر تیرے اندر دنیا کی حرص و ہوس رہے گی اسی قدر تیرے جگر میں اس کی فکر اور آگ لگی ہوگی۔ پھر جگر میں بھی ایک نہیں متعدد دوزخیں موجود ہوں گی اور جب تیرے دل میں دنیوی حرص نہیں ہے اور اس سے یکسوئی حاصل ہے تو پھر یہ سکون و راحت ہی درحقیقت "جناںہا در جناں بینی" کا آئینہ دار بنتا ہے۔ یعنے تو اپنے دل کے اندر کئی جنّتوں کا مزہ لے رہا ہے۔ اور مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ادا فرمایا ہے کہ ع

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

یعنے جہاں بھی کوئی تکلیف کسی کو نہ پہنچے خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں تو پھر وہی اس کی دنیوی یا اُخروی بہشت ہے۔ اسی کا نام جنّت ہے اور آگے فرمایا کہ کسی کو کسی سے کوئی سروکار بھی نہ ہو سب اپنے اپنے کام پر لگے رہیں اور کوئی احتیاج و محتاجی کی نہ حاجت نہ ضرورت۔)

تشریح ختم ۔!

مگر (اے! انسان!) تیری افتاد اور طبعی شرم و حیا، اور شہوتِ نفس کا پردہ اور دل کی آنکھ کی غفلت نے تجھے اس کے ادراک و سمجھ سے باز رکھا (اور تو اس حقیقت کو دیکھ نہیں سکا) وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ: یعنی اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کردی اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کردی جس سے ہم نے ہر طرف سے ان کو پردوں سے گھیر دیا۔ سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔

② فراست

(یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ دل کے اندرونی سوراخ اور علوم باطنی کے دو دلائل ہیں۔ ایک خواب اور دوسری فراست۔ خواب کے متعلق تو ابھی تفصیل اوپر گزری، اب فراست کے تعلق سے صاحبِ کتاب "جواہر الحقائق" فرماتے ہیں کہ)

(اب اس کی) دوسری دلیل ہے بہت سی فراستیں اور تمیز فہمیاں اور ٹھیک ٹھیک خیالات، دور اندیشیاں (یہ یاد رکھو کہ) کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جسے صحیح فراست اور دور اندیشی الہام کے ذریعہ دل میں نہ آئی ہو۔ (سنو! یہ فراست و دور اندیشی) دل کی اندرونی راہ سے (ہر ایک کے) دل میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے۔ (اور انسان) یہ نہیں جانتا کہ (یہ فراست) کہاں سے آئی ہے (اور کیسے آئی؟) وہ تو حیران رہتا ہے کہ مجھے قبل از وقت یہ کیسے معلوم ہوگیا؟ غرض یہ الہام نہ صرف ہر انسان کو) بلکہ ہر حیوان کو بلکہ انسان اور حیوان کے پیدا ہونے والے ہر بچے کو بھی دل کے اسی باطنی اور اندرونی راستے سے حاصل ہے۔ اور اس طرح یہ انسانی اور حیوانی بچے بھی الہام والے اور مُلہم ہیں۔

علمِ الہام

ایک مکھی کا شہد کی پولی بنوانا اور اپنے (نازک) منہ کے ذریعہ سے شہد نکالنا یا اُگلنا اور مرغ و کبوتر اور دیگر پرندوں کا اپنے بچوں کو تربیت دینا اور پالنا، مکڑی کا جالا تاننا اور اس کے ذریعہ سے مکھی اور مچھر کا شکار کرنا اور چیونٹیوں کا موسم گرما (گرمی کے دن) میں موسم سرما (جاڑے اور سردیوں کے دن) کے واسطے اناج جمع کرنا۔ پھر اس خیال سے کہ یہ غلہ زمین کے اندر رہنے سے کہیں دوبارہ اُگ نہ جائے اس لیے اس کی اس اُگنے والی صلاحیت کو ختم کرنے کی نیت سے اُسے دو ٹکڑے کردینا اور چوں کہ دھنیاں کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس کے دو ٹکڑے یا حصے ہوجانے کے بعد بھی اس کا ہر حصہ زمین پر ڈالنے سے اُگ سکتا ہے اس لیے (یہ چالاک اور ہوشیار چیونٹیوں کا) ہر دھنیاں

کے چار چار ٹکڑے کر دینا۔ نیز یہ دھنیاں (تھوڑی سی نمی پر) سڑ جاتے ہیں اس لیے اس کی حفاظت کی خاطر اس میں سوراخ کرنا اور اس سوراخ کے ذریعہ سے ہوا پہنچانے کی کوشش کرنا اور ان کی اس ذخیرہ اندوزی پر (چڑیوں کے) ہلہ بولدینے کا جب انھیں خوف ہوتا ہے تو اس کی نگرانی کرنا اور خاص کر چاندنی راتوں میں (ان ذخائر پر فوج کی طرح حفاظت کی خاطر ان چیونٹیوں کا) منتشر رہنا۔ یہ انسان اور حیوان کے پیدا ہونے والے بچوں کا (بغیر کسی تربیت کے آپ خود سے) دودھ پینا اور سانپ اور بچھو کے بچوں کا (خود بخود) انسانی نظروں سے چھپا رہنا اور اس کی کوشش کرنا وغیرہ یہ سب کچھ اسی الہامی ذریعہ سے ہے۔

علم بدیہی، تصوری اور تصدیقی

کتاب "اَلْاِنْسَانُ الْکَامِلْ" کے ستّرہویں باب میں ہے کہ :

"ہر زندہ پر اتنا علم تو لازمی اور ضروری ہے خواہ وہ علم الہامی ہو جیسے حیوانوں، درندوں پرندوں کا علم اور یہ ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے، حرکت کرنے اور چپ رہنے سے متعلق ان کے مناسب حال بھی ہو یا نہ ہو۔ پس یہ تو ہر زندہ کے حق میں لازم و ضروری ہے۔ یا پھر وہ علم الہامی تو نہیں بلکہ بدیہی اور تصوری ہے۔ (بدیہی یعنے یہ اتنا کھلا ہوا صاف اور ظاہری علم ہے جس پر غور و فکر کرنے، تصور کرنے اور مزید دلیل پیش کرنے کی اب کوئی حاجت باقی نہ رہے۔ تصوّری یعنے یہ غور و فکر سوچ سمجھ اور خیالی علم کو کہتے ہیں۔) اور یا وہ علم تصدیقی ہے (اللہ پر، انبیوں پر اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر اور فرمائی ہوئی باتوں پر، دوزخ جنّت پر ایمان لانا اور دل سے سچ سچ جاننا اور تصدیق کرنا وغیرہ) جیسے انسان، ملائکہ اور جنّاتوں کا علم ہے۔"

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان سب (ذوی الارواح اور جان داروں) کے علم کا تعلق محسوسات سے نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دل کا تعلق اس عالمِ (محسوس) سے نہیں ہے بلکہ عالمِ ملکوت سے ہے۔ اور حواس خود اس عالم ملکوت کی خاطر وجود میں آئے ہیں۔ پھر اس عالم ملکوت کے معائنہ اور مشاہدہ سے یہ حواس دل کے حق میں بمنزلہ حجاب (اور سدّباب) ہیں۔ یعنے یہ حواس دل پر پردے کی طرح آڑے ہوئے ہیں۔ جب تک اس عالم محسوسات سے دل فارغ نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ اس عالمِ ملکوت کی راہ کا حال نہیں پاتا۔ اور وہاں کا حال اس پر ظاہر نہیں ہوتا۔

حقیقتِ چلّہ کشی

(صوفیا کے ہاں یہ جو چلّہ کشیاں اور خلوت نشینیاں کرائی جاتی ہیں ان کے اندر کیا مصالح اور فوائد ہیں؟ (انھیں) پہچاننے کے لیے یہاں تھوڑا غور فرمالیں تو بات خوب کھل کر سامنے آجائے گی) اور آپ پر اس کی حقیقت واضح

ہو جائے گی۔

مثنوی ۵

پنبہ اندر گوشِ حسِّ دوں کنید	بندِ حس از چشمِ خود بیروں کنید
(اے انسان) حسّی کان کے اندر روئی ٹھونس لے	اور اپنی آنکھ سے ظاہری رکاوٹ دور کر
پنبۂ آن گوشِ سِر گوشِ سر است	تا نہ گردد ایں کراں باطن کر است
(دیکھ!) باطنی کان کی روئی درحقیقت سر کا کان ہے	جب تک یہ بہرا نہ ہو باطن بہرا ہے۔
تا بگفت و گوئے بیداری دری	تو ز گفتِ خواب کے بوئے بری
جب تک تو بیداری کی گفتگو میں ہے	تو خواب کی باتوں سے کب خوشبو حاصل کر سکتا ہے؟
بے حس و بے گوش و بے فکرت شوید	تا خطابِ ارجعی را بشنوید
بے حس اور بغیر کان کے اور بے فکر ہو جا	تا کہ تو ارجعی کے خطاب کو سن سکے۔
گوش بند و چشم بند و لب بہ بند	گر نہ بینی سِرِّ حق بر ما بخند
کان آنکھ اور ہونٹ بند کر لے۔	اگر پھر بھی تو نے حق کا راز نہ پایا تو ہم پہ ہنس
گفتگوئے ظاہر آمد چوں غبار	مدتے خاموش خو کن ہوش دار

ظاہری باتیں غبار کی مانند ہیں (اس لیے) کچھ دن چپ رہنے کی عادت ڈال، ہوش میں آ۔

انسانی دل کی قدرتی بزرگی۔ (۲)

(یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انسانی دل کو ایک[1] اس کے علم کی بنا پر، دوسرے[2] اس کی طاقت کی وجہ سے شرف ملا ہے۔ چناں چہ اس پہلی قسم کی تفصیل آ چکی ہے اب دوسری قسم کی تفصیل یہ ہے۔) کہ

اے انسان! جان لے کہ تجھے طاقت کے ذریعہ سے جو شرف حاصل ہوا ہے (یہ اس طرح ہے کہ) جسمِ انسان خود تیری قدرت و طاقت پر منحصر ہے۔ جیسا کہ بعض دل تو زیادہ شریف اور زیادہ قوی ہونے کی وجہ سے فرشتوں کی اصلیت اور جوہر سے حد درجہ مشابہت رکھتے ہیں۔ جب یہ دوسرے سادہ قسم کے جسم جن کے اندر یہ سادہ دل ہوتا ہے ان پر نظر ڈالتے ہیں اور اثر انداز ہوتے ہیں تو ان کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان باہمت تیز نگاہوں کی نگاہ اگر کسی پر پڑ جائے تو وہ بھی اُن کے آگے بے بس و ذلیل اور خائف و مطیع بن جائے۔ اگر کسی بیمار پر پڑے تو اچھا ہو جائے اور اچھے پر پڑے تو بیمار بن جائے اور محض کسی پر گمان کرے اور اس کے قریب ہو جائے تو بس اس کا دل دھڑکنے اور لرزنے

لگ جائے (اور اپنی اسی قوتِ باطنی) اور ہمتِ قلبی کے زور سے اگر وہ کہہ دے کہ بارش ہوگی تو ضرور ہوگی اور ایسا ہونا یہ سب کچھ ممکن ہے اور عقلی دلیل اور تجربہ سے ثابت ہے۔

تشریح

(چناں چہ حدیث میں بھی اس سے ملتے جلتے قریب قریب اسی مطلب کے الفاظ آرہے ہیں کہ: "رُبَّ أَشْعَثَ رَأْسٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ" یعنی اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے بندے بھی ہیں جو خستہ حال اور پراگندہ بال ہونے کے باوجود بھی اگر وہ کسی بات پر اڑجائیں اور قسم کھالیں تو ان کی یہ قسم ضرور پوری ہوکر رہے گی۔ تشریح ختم)

جادو اور پلک مارنا

آنکھ جھپکنا (جیسے وزیر آصف کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کرنا کہ آپ پلک جھپکنے تک بلقیس کا تخت حاضر کردوں گا۔) اور جادو وغیرہ یہ سب اسی قبیل سے متعلق ہیں۔ اور انسانی نفس کی قوت کے تاثرات ہیں۔ جو دوسروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چناں چہ حسد کی وجہ سے یا برے ارادے سے کسی اچھے خاصے تندرست جانور پر نگاہ کی (اور اپنے دل میں) اس کی ہلاکت کا پختہ ارادہ کرلیا تو وہ جانور اسی وقت ہلاک ہوجائے۔ جیسا کہ خود حدیث میں آیا ہے: "اَلْعَيْنُ تُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقِدْرَ" یعنی بدنگاہی (نظرِ بد) آدمی کو قبر میں پہنچادیتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی میں۔ (مطلب یہ کہ نظرِ بد جہاں انسان کو ہلاک کرتی ہے وہیں اونٹ کو بھی ہلاک کردیتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اونٹ جب قریبِ مرگ ہوگا تو اس کا مالک ضرور ذبح کرے گا۔ اس طرح اس کا گوشت چولھے پر چڑھے گا اور پکے گا۔)

معجزہ، کرامت اور جادو

پھر جب یہ خاصیت اور ملکہ کسی میں پیدا ہو اور اس سے ظاہر ہو (تو یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ شخص جس سے یہ خرقِ عادت بات ظاہر ہورہی ہے) اگر وہ داعیٔ خلق ہے تو اس کو معجزہ کہیں گے۔ اور اگر ایسی بات نہیں ہے (اور وہ شخص مخلوقِ خدا کو توحید اور اپنی رسالت کی طرف نہیں بلارہا ہے) تو اس کو کرامت کہیں گے۔ (پھر اس کی یہ دعوت بھی) اگر کسی نیک کام کی طرف ہو تو اسے نبی اور ولی سمجھو اور اگر وہ کسی برے کام کی طرف ہو (اور خلقِ خدا کو اپنی جانب کھینچ رہا ہو) تو سمجھو جادوگر ہے۔

سحر، کرامات اور معجزات یہ سب انسانی دل کی فطری اور طبعی قوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے درمیان فرقِ عظیم ہے اور بونِ بعید ہے۔ مگر یہاں اس کی تفصیل اور ترجمہ کی گنجائش نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کیمیائے سعادت" اور "احیاء العلوم" ملاحظہ ہو۔

قرآنی آیات کا ظاہر و باطن

جان لو کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اَلْاِتْقَان فِی فَضَائِلِ الْقُرْآنِ" میں حدیث "لِکُلِّ اٰیَۃٍ ظَھْرٌ وَّ بَطْنٌ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ظاہر و باطن کے سلسلہ میں علماء نے مختلف کلام کیا ہے۔ ان میں پانچواں قول یہ ہے: کہ!

علمائے ظاہرین نے جو کچھ معانی بیان کئے ہیں وہ ظاہر قرآن ہے اور علمائے حقیقت بین پر حق تعالےٰ شانہٗ نے جو کچھ بھی منکشف کیا اور انہیں پوشیدہ معارف اور رازہائے سربستہ سے آگاہ کیا ہے اس کا ان سے ظہور و بیان ہی درحقیقت باطنِ قرآن ہے۔ مثنوی ؎

حرفِ قرآں را مداں کہ ظاہر ست — زیرِ ظاہر باطنے بس قاہر ست

تو قرآن کے ان حروف کو ہی ظاہر قرآن مت سمجھ — بلکہ ان ظاہری حروف کے نیچے انکا ایک زبردست باطن بھی ہے۔

زیرِ آں باطن بود بطنِ دگر! — ہمچنیں تا ہفت بطن اے نامور

اے نامور! جاں لے کہ اس باطن کے اندر بھی ایک دوسرا باطن ہے۔ اور اس طرح یہ سات بطون میں موجود ہے۔

زیرِ باطن تا نیش بطنِ سیوم — کہ درو گردد خردہا جملہ گم

پھر اس دوسرے باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن بھی چھپا ہوا ہے۔ جہاں پہنچ کر سب کی عقلیں گم ہو جاتی ہیں۔

بطنِ چہارم از نبی خود کس نہ دید — جز خدائے بے نظیر و بے ندید

قرآن کے چوتھے بطن کو تو سوائے خدائے بے نظیر و بے مثل کے کسی نے بھی نہیں دیکھا

تو زقرآں اے پسر ظاہر مبیں — دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

اے فرزند! تو قرآن کے ظاہر پر نظر مت رکھو کیوں کہ شیطان نے بھی حضرت آدمؑ کی اصلیت اور جوہر کو نہیں دیکھا تھا بلکہ اس مٹی کو دیکھا جو آدمؑ کی ظاہری شکل تھی۔

ظاہر قرآں چو نقشِ آدمی ست — کہ نقوشش ظاہر و باطن خفی ست

ٹھیک اسی طرح سے قرآن کے ظاہر کو جان جو انسان کی ظاہری شکل کے مانند ہے۔ جس کے اندر ظاہر و باطن کی شکلوں کے کئی پہلو چھپے ہوئے ہیں۔

تو مبیں زا فسون عیسیٰ حرف وصوت　　آں ببیں کزوے گریزان ست موت

تو دمِ عیسیٰؑ یعنے عیسیٰ کی تیز سانس اور پھونک کی آواز والفاظ پر نگاہ مت کر بلکہ یہ دیکھ کہ اس پھونک سے خود موت بھی پناہ مانگتی ہے اور دُور بھاگتی ہے۔

ایں سخن ہمچو عصائے موسیٰ ست　　یا بمانندِ فسونِ عیسیٰ ست

اے انسان تو ان باتوں کو عصائے موسیٰ یا دم عیسیٰ کی مانند جان رکہ جس طرح ان کے اندر معجزنما تاثیر تھی اسی طرح ان باتوں میں بھی موجود ہے۔

تو مبیں موسیٰ عصا را سہل یافت　　آں ببیں کہ بحرِ اخضر را شگافت

یہ مت دیکھ کہ موسیٰؑ نے عصا کو بآسانی پا لیا کہ وہ ایک معمولی قسم کی لکڑی تھی۔ نہیں ایسی بات نہیں بلکہ اس پر غور کر کہ اس لکڑی نے دریائے نیل جیسے فراٹیں مارنے والے دریا کو پھاڑ دیا اور راہ بنا دی۔

ظاہرش چوبے ولیکن پیشِ او　　کون یک لقمہ چو بکشا ید گلو!

دیکھو تو یہ حقیقت میں ایک سادہ سی لکڑی ہے لیکن جب اس کا سامنا ہوگا تو لقمۂ اجل کی طرح جان لیوا ثابت ہوگی۔

تمام جہاں کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں فرق

واضح ہو کہ صاحبِ "تحفۃ المرسلۃ" اپنی کتاب میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ "تمام عالم کا علم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسا ایک مٹکا یا گھڑے کو اور یا مشک کو کسی (سیال) چیز سے (مثلاً پانی یا دودھ سے) بھر کر اس کے منہ کو خوب کس کر باندھ دیں تو اب اس کے منہ کے پاس جو تری یا ٹھنڈک محسوس ہوگی (گو وہ سیال چیز بندھی رہنے کی وجہ سے باہر تو نہیں آرہی ہے۔ صرف اس کی نمی محسوس ہو رہی ہے) اس میں اور اس مشک اور گھڑے کے اندر رکھی چیز میں جو نسبت اور تعلق ہے، ٹھیک یہی نسبت اور مناسبت تمام جہانوں کے علم اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں ہے۔" (مطلب یہ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اس مشک کی سیال چیز کے مانند ہے اور سارے عالم کا علم اس بند شدہ مشک کے منہ کی تری کے مانند ہے۔)

تاثیر نظرِ نبوت

صاحبِ "قوت القلوب" ابو طالب مکی اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہما فرماتے ہیں کہ "سرورِ کائنات علیہ اکمل الصلوٰت وافضل التسلیمات کی صرف ایک نظرِ جمالِ باکمال کی بدولت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر

وہ رازہائے سربستہ کھل گئے جو مشائخ کے ہاں (طویل طویل صحبتوں) خلوتوں اور چلّہ کشیوں میں بھی نہیں کھل سکتے"۔

مقامِ صحابہؓ

صحابہؓ کو دیکھو کہ وہ پہلے بُتکدوں میں بُتوں کے آگے سربسجود تھے، وادیٔ ظلمات اور گمراہیوں میں خوب سرگرداں تھے پتھر جیسے ہی دنیائے اسلام میں سلطانِ انبیاء تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور فیض و برکت کا آفتاب طلوع ہوا (تو اس کی شعاعوں کے طفیل وبدولت) ہر ایک صحابیؓ بھی عالم اسلام کا ایک (روشن مینار) اور درخشاں ستارہ ثابت ہوا (اور نسل در نسل) قیامت تک کے لیے مخلوق کی ہدایت کی خاطر اُن کی اقتداء کو لازم قرار دیا گیا۔ اور ان صحابہؓ کی بتلائی ہوئی راہ اور ایمانی دولت پر گامزن ہونے اور ثابت رہنے کی تاکید کی گئی کہ "اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ"۔ یعنے میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں۔ تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پالوگے۔ صحیح راہ ڈھونڈ لوگے۔

طبقاتِ صحابہؓ

کتاب "اِیقاظُ الغافِلِین" میں مولوی محمد باقر مدراسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ "صحابہؓ کے مدارج میں سے بعض وہ ہیں جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، جیسے خلفائے راشدینؓ اور خاص کر حضرت یعسوب المومنین (یہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا لقب ہے) حذیفہ بن الیمانؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

اور بعض دوسرے صحابہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری رنگ میں رنگے ہوئے تھے جیسے ان مذکورہ اصحابِ عالی شان کے علاوہ صحابہؓ کی پوری جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

طبقاتِ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ

(جس طرح صحابہؓ کے دو درجے تھے اسی طرح تابعین کے بھی دو درجے متعین ہیں) چناں چہ ان میں بعضے وہ ہیں (جن میں ظاہر کی بہ نسبت) باطنی رنگ کا غلبہ زیادہ ہے۔ جیسے امام زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ، محمد بن الحنفیہؒ، حسن البصریؒ اور کمیل بن زیاد وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ اور دوسرے بعض وہ حضرات ہیں جن پر ظاہری رنگ چڑھا ہوا ہے۔

اور اسی طرح تبع تابعین اور اس کے قریب والے طبقے (اور زُمرے) میں باطنی حامیوں میں سے حضرت امام جعفر صادقؒ، امام موسیٰ کاظمؒ اور دیگر آئمہ اہل بیتؒ (سادات گھرانے والے امام) سفیان ثوری، مالک دینار، محمد بن سماکؒ، حبیب عجمیؒ

شیبان راعیؒ، داؤد طائیؒ وغیرہم کا شمار ہوتا ہے۔

اور وہ جماعت جو ظاہر کی حامی اور اس کی حامل تھی اس میں حضرت بایزید بسطامیؒ، ابو محمد سہل تستریؒ، حارث بن اسد محاسبیؒ، بشر حافیؒ، سید الطائفہ جنید بغدادیؒ، ابو حفص حدادؒ، ابو سلیمان دارانیؒ وغیرہم کا شمار ہوتا ہے۔ غرض اس میں ایک گروہ تو باطنی رنگ پر زور دیتا اور دوسرا گروہ ظاہر پر کمربستہ ہے اور ایسا شروع سے ہمارے اس زمانے تک ہوتا آرہا ہے۔

صحابیت، تابعیت، تبع تابعیت، اور زہاد و عباد

جان لو کہ یہ بزرگ صحابۂ کرامؓ اپنے زمانہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے سوا اور کسی نام سے پکارے نہیں جاتے تھے۔ انھیں صرف صحابہ کہا جاتا تھا۔ اور انھیں اس سے بڑھ کر اور کوئی شرف و فضیلت نہ تھی۔ پھر صحابہؓ کے دوسرے دور میں ان کے مصاحبین اور صحبت یافتوں کو تابعین کہا گیا اور ان کا یہ "لقب" اشرف القاب میں شمار ہوا پھر ان کے بعد والوں کو یعنی (اس زمانے کے بعد والوں اور ان کے مصاحبین کو) تبع تابعین کہتے ہیں۔

پھر اس زمانہ کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کے مراتب میں فرق ہونے لگا۔ (اور مخالفت و تضاد کی کیفیت شدت اختیار کر گئی تو ایسے کٹھن اور پُرفتن دور میں) لوگوں میں جو خواص (اہلِ دل) تھے انھوں نے (پوری پامردی اور جوانمردی سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا) اور جب دینی معاملات میں شدید اہتمام و التزام سے کام لیا تو زمانہ نے انھیں زہاد اور عباد کا خطاب بخشا اور وہ اسی نام سے یاد کئے جانے لگے۔

بدعت اور صوفیا کی جماعت

پھر اس دور کے بعد یعنی (تبع تابعین کے زمانے کے بعد) بدعت کا آغاز ہوتا ہے اور یہیں سے بدعت اور نفس پرستوں کے مذہب کی داغ بیل پڑتی اور اس کا وجود عمل میں آیا پروان چڑھا اور ہر فرقہ پورے دعووں کے ساتھ ابھرنے لگا اور ہر فریق خود کو زہاد میں شمار کرنے کا دعوے دار بنا اور اس پر زور دیا اور باور کرایا۔ غرض ان بدعتوں (نام نہاد صوفیوں اور اہلِ ہوا) کے ہنگاموں اور فتنوں میں اہلِ سنت والجماعت کے بعض حضراتِ خواص جن کے دل اللہ کے ساتھ لگے ہوئے اور اس کے خوف و خشیت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ راہ غفلت سے محفوظ و مامون ہیں (ان سے رہا نہ گیا نت نئی بدعات کو دیکھا نہ گیا) اس لیے یہ تصوف کے نام سے تن تنہا کھڑے ہوئے اور ہجرت کے دو سو سال کے اختتام سے پہلے ہی یعنی ۲۰۰ سنہ ہجری کے قریب ہی وہ صوفی نام سے مشہور ہو گئے "۔ امام ابو القاسم القشیری قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ "صاحبِ "کشف الظنون" فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے صوفی پکارے جانے والے حضرت ابو الہاشم السید محمد بن احمد الصوفی المتوفی ۱۵۰ سنہ ہجری ہیں"۔ انتہیٰ

جاری

جَواھِرُ السُلوک

تصنیف حضرت علامہ عارف باللہ شیخ کامل

سید شاہ محی الدین عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ

اردو ترجمہ فائدہ ۱۲ و فائدہ ۱۳

ترجمہ و تحشیہ از

ڈاکٹر سید وحید اشرف الجیلانی کچھوچھوی پروفیسر و صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو۔ دانشگاہ مدراس

فائدہ ۱۲

مترجم پہلے اس فائدے کا خلاصہ لکھتا ہے تاکہ اس فائدے کے مطالب کو آسانی سے سمجھا جا سکے۔ اس فائدے میں تین امور کا ذکر ہے۔ اول یہ کہ انسانوں کے تین مراتب ہیں؛ حضرت قطب ویلور نے ان کا ذکر بہت اجمال کے ساتھ کیا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ حضرت قطبِ ویلورؒ کا بیان بعض دوسرے صوفیا سے مختلف ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ تفصیل میں جانے سے طوالت ہو گی اس لیے ہم حضرت قطبِ ویلور کے بیان کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ حضرت قطبِ ویلور کا یہ بیان شیخ عبد الرزاق کاشانی[1] سے ماخوذ ہے۔

حضرت قطب ویلور نے انسانوں کے تین مراتب کو اس طرح بیان کیا ہے:

پہلا مرتبہ وہ ہے جو اہلِ نفس ہیں۔ یہ حق کے منکر ہیں اگر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو نجات پا جائیں گے۔

دوسرا مرتبہ اہلِ قلب کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہے۔ ان میں بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو صاحب عقل و صاحبِ برہان ہیں اور معقول و منقول دلائل سے توحید اور حق کو ثابت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو صاحبِ بصیرت ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل کی آنکھیں روشن ہیں۔ صاحبِ عقل و برہان اور صاحبِ بصیرت میں یہ فرق ہے کہ جو باتیں صاحبِ عقل جانتے ہیں انھیں صاحبِ بصیرت دیکھتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ صاحب برہان کوشش اور ریاضت و مجاہدہ کر کے اپنے اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حسنہ میں بدلتے ہیں جب کہ صاحبِ بصیرت کو اس کے لیے کوشش نہیں کرنی پڑتی بلکہ خدائے تعالیٰ نے اخلاقِ ذمیمہ کو خود ہی اُن سے محو کر دیا ہے اور اُن کے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا کر دیا ہے۔

تیسرے قسم کے لوگ مرتبۂ روح میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فنا فی اللہ ہو چکے ہیں اور صرف ایک وجود کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان میں بھی مختلف مراتب ہیں۔

اس کے بعد سلوک میں سفر اول کے مراتب کا بیان کرتے ہیں۔ یہ مراتب بھی تین[2] ہیں۔ ایک ذو العقل

---

[1] شیخ کمال الدین عبد الرزاق کاشانی شیخ علاء الدولہ سمنانی کے معاصر تھے اور وحدت الوجود میں ابن عربی کے مقلد تھے جبکہ شیخ علاء الدولہ سمنانی ابتدا میں ابنِ عربی کے خلاف تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں اس مسئلہ میں بحث ہوئی تھی۔ راقم نے اس کا ذکر اپنی کتاب "تصوف" میں کیا ہے۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی کی تاریخ وفات سنہ ۷۳۶ھ ہے۔ (مترجم)

دوسرے ذوالعین۔ تیسرے ذوالعقل و ذوالعین۔

ذوالعقل وہ ہے جو خلق کو ظاہر میں دیکھتا ہے اور حق کو باطن میں یعنی حق خلق کا آئینہ ہے۔

ذوالعین وہ ہے جو حق کو ظاہر میں دیکھتا ہے اور خلق کو باطن میں یعنی خلق حق کا آئینہ ہے۔

ذوالعقل و ذوالعین وہ ہے جو حق کو خلق میں اور خلق کو حق میں دیکھے یعنی حق اور خلق دونوں ایک دوسرے کا آئینہ ہیں۔

تیسرا موضوع معرفت کی اقسام میں ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کا وجود اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ وہ خود نظر نہیں آتا۔ صوفیا اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ نصف النہار میں سورج بہت زیادہ ظاہر ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ پھر بھی اس کی نشانیوں سے بندہ یہ جانتا ہے کہ سورج کا وجود ہے۔ اسی طرح وجودِ حق اتنا ظاہر و باہر ہے کہ نظر نہیں آتا لیکن اس کا قائل ہر شخص ہو سکتا ہے اگر وہ خدا کی نشانیوں کو دیکھے اور اس پر غور کرے لیکن اس کے ساتھ یہ ضروری نہیں کہ وہ بندہ خود سے خدا کی صفات کو بھی کما حقہٗ سمجھ لے اس کے لیے وہ تعلیماتِ نبوی کا محتاج ہے اور اگر اس نے توحید کے احکامات سے انکار کر دیا تو راہ مستقیم سے بھٹک گیا۔ سلوک میں بندہ کو توحید کی صفات کا ادراک ہوتا ہے لیکن یہاں بھی تجربہ کار مرشد کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ پہلی معرفت یعنی خدا کے وجود کا اقرار کر لینا آسان ہے لیکن شعور کے ساتھ خدا پر ایمان لانے میں کفر و اسلام دونوں کا احتمال ہے۔ اگر توحید کا قائل ہوا تو اسلام اور توحید سے پھر گیا تو کفر۔ جس کو خدا کی صفات کی جتنی زیادہ معرفت ہو گی وہ مرتبہ میں اتنا ہی بڑھا ہوا ہو گا۔

بارھویں فائدے میں صوفیاء کی بعض اصطلاحات کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں صرف اس کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا تعلق توحید سے ہے۔ کیوں کہ تصوف سے ناآشنا اس کے غلط معنی نکال لیتے ہیں۔ صوفیا احدیت سے مراد ذات کو لیتے ہیں، بغیر اس کے کہ اس کی صفات کا تصور کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذات صفات سے عاری ہے۔ صفات تو ہمیشہ سے ذات میں موجود تھیں، ہیں اور ہمیشہ رہیں گی کیوں کہ بغیر صفات کے ذات کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن صفات کا ظہور اس وقت ہوا جب خدا نے ماسوا کو پیدا کیا۔ یہاں سے وجود کی بحث شروع ہوتی ہے۔ وجود کے بہت سے پیچیدہ مسائل کو سمجھانے کے لیے صوفیاء نے اصطلاحات وضع کی ہیں۔ جب خدا کا تصوّر اس کی تمام صفات کے ساتھ کرتے ہیں اس حالت کو وہ واحدیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا کہ پہلے خدا صفات سے عاری تھا اور بعد میں صفات پیدا ہو گئیں۔ الآن کما کان۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، خدا ہر تغیّر سے پاک ہے۔ تغیّر حادث کی صفت ہے جو فانی ہے۔ یہ بھی ایک فرق ہے تصوف اور ویدانت میں۔ ویدانت میں برھما کو نرگن قرار دیا گیا یعنی ذات صفات سے عاری ہے یہ عقیدہ توحید

کے خلاف ہے۔

اب ذیل میں بارھویں فائدے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ترجمہ کے اندر سطور میں قوسین کے اندر کی عبارتیں مترجم کی طرف سے اضافہ کی گئی ہیں۔

شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

آدمیوں کے تین درجے ہیں۔ اول نفس کا درجہ ہے۔ اہلِ نفس اہل دنیا اور حواس کے پیرو ہیں۔ یہ حق کے منکر ہیں اور ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ یہ حق اور ان کی صفات سے واقف نہیں ہیں۔ اور قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

"آپ کہیے! یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہی آیا ہو پھر تم کو اس کا انکار تو اس سے زیادہ غلطی پر کون ہوگا جو (حق سے) دور دراز مخالفت میں پڑا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن سے انکار حق سے دور دراز مخالفت ہے اور تم قرآن کے منکر ہو تو تم سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں[1] اگر ان میں سے کوئی ایمان لائے تو وہ نجات پا جائے اور وہ دوزخ سے خلاصی پائے۔"

دوسرا درجہ قلب کا ہے۔ اہلِ قلب وہ ہیں جو اہلِ نفس سے ترقی کر کے بلند تر مقام پر فائز ہیں۔ ان کی عقل صاف ہے۔ یہ حق کی نشانیوں سے استدلال کر سکتے ہیں اور حق کی ان نشانیوں کے ذریعہ جو آفاق و انفس ہیں بطور افعال متصرّف ہیں۔ حق کے اسمار و صفات کی معرفت حاصل کر چکے ہیں۔ کیوں کہ افعال صفات کے آثار ہیں اور اسماء و صفات ہی سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اسی حق کی صفات، علم، قدرت اور حکمت، عقل کی آنکھ سے اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس میں ان کی نفسانی خواہشات کا شائبہ نہیں ہوتا اور سمع وبصر اور کلام حق کو خود انسان کے اندر اور اس کے باہر آفاق میں دیکھتے ہیں اور قرآن اور اس کی حقیقت (یعنی یہ کلام الٰہی ہے) کے معترف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ ان کے لیے یہ بات روشن ہو جاتی ہے اور ان پر حق واضح ہو جاتا ہے۔ اس گروہ کو اہل برہان کہتے ہیں (یعنی یہ دلیل سے توحید کو ثابت کر سکتے ہیں۔) اور ان کے استدلال میں غلطی کا واقع ہونا محال ہے (یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق استدلال) اور جب قدسی روشنی اور حضرت واحدیت سے قربت کے سبب جو کہ اسمار کی کثرت کا محل

---

[1] یہاں مترجم نے آیت کا ترجمہ اور مطلب تفسیرِ مظہری سے لیا ہے۔ یہ آیت چھبیسویں پارہ میں ہے۔

ہے۔ ان سے ان کی عقلیں اتنا روشن ہو جاتی ہیں کہ وہ بصیرت (دل کی روشنی) میں بدل جاتی ہیں اور اسماء و صفاتِ الٰہی کی تجلیات سے وہ دیکھتے ہیں اور ان کی صفات حق کی صفات میں فنا ہو جاتی ہیں اس وقت اوّل گروہ کے لوگ (یعنی اہلِ برہان) جو جانتے ہیں یہ لوگ اُنھیں دیکھتے ہیں۔ (یعنی دوسرے طبقے میں بھی دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک اہلِ برہان دوسرے اہلِ بصیرت) ان دونوں اقسام کے لوگوں کا نفسِ ناطقہ قلب کے نور سے مزکّیٰ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو اہلِ عقل ہیں وہ خدائی صفات سے متصف ہوتے ہیں یعنی تمام رذائل اور ذمائم (بُری خصلتوں) کو وہ کوشش کر کے چھوڑتے ہیں۔ اور ان کی جگہ وہ اچھے اخلاق اختیار کرتے ہیں اور اہلِ بصیرت وہ لوگ ہیں جن سے اخلاق ذمیمہ کو خدائے تعالیٰ نے محو کر دیا ہے اور انھیں فضایلِ اخلاق اختیار کرنے میں تکلّف سے کام نہیں لینا پڑتا۔ (گویا یہ بالکل وہبی ہے اور پہلا اکتسابی)

تیسرے وہ لوگ ہیں جو مرتبہ روح میں ہیں۔ جو لوگ اس درجہ پر فائز ہیں وہ صفات کی تجلّی سے گزر کر مشاہدہ کے مقام تک پہنچ چکے ہیں جو مقام احدیت ہے اور وہ خفیٰ سے گزر کر اسماء و صفات کی تجلّیات کے پردے اور تعینات کی کثرت سے آزاد ہو چکے ہیں اور حضرت احدیت میں ان کا حال اس آیتِ قرآنی کے مطابق ہے: "کیا تمہارے لیے تمہارا رب کافی نہیں ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے۔ (یعنی وہ حق کو حق سے جانتے ہیں) اور یہ گروہ خلق کو حق کا آئینہ یا حق کو خلق کا آئینہ جانتے ہیں۔ اس سے بلند مرتبہ احدیتِ ذات میں فنا ہو جانا ہے۔ (یعنی توحیدِ افعالی، وصفاتی و ذاتی سے اوپر مرتبۂ فنا ہے) اور باری تعالیٰ نے اُن کے بارے میں مطلق محروم و محجوب ہیں (یعنی جو ایمان نہیں رکھتے) یوں فرمایا بکہ یہ لوگ اپنے رب سے ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔"

وہ لوگ جو اسماء و صفات کی تجلّیات پر ٹھہر گئے، اگرچہ ان کو اس درجہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ شک سے خلاصی پا جاتے ہیں۔ لیکن ہمیشگی کی حضوری اور اس معنی سے قاصر رہتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ بالفعل معدوم ہے اور صرف وجہ پروردگار باقی ہے جو صاحبِ صفات قہر و لطف ہے۔ یہ لوگ اس تنبیہ کے محتاج ہوتے ہیں کہ "بے شک خداوند تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔" اور اس حقیقت کا مشاہدہ اور اس کے معانی کہ "ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوا اس کے وجہ کے" طایفۂ اخیر کے سوا کسی اور پر نہیں کھلتے۔ اس مقام پر اس کا مفہوم کھلتا ہے کہ "وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے۔" اور تمام تعینات میں وجہ حق ہی نظر آتا ہے اور اسماء و تعینات کے وجوہ سے منزّہ متحقق ہوتا ہے اور "جس طرف تم منہ کرو اُسی طرف وجہ حق ہے۔" یہ امر محقق ہو جاتا ہے۔

۵ اگر سورج کی کرنوں سے ہے اُلّو دن میں بے بہرہ قصور اس میں خود اس کا، نہیں کچھ نقص سورج کا

صوفیاء کے نزدیک جو چیز کتاب و سنّت کے قانون کے مطابق نہیں ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ان کا طریقہ خدا کی فرماں برداری اور اتباعِ رسول ﷺ ہے۔ اس کی بناء دو آیاتِ قرآنی ہیں: "ہم ان کو ان کے نفوس کے اندر اور باہر آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حق اُن پر واضح ہو جاتا ہے۔ کیا تمہارا رب کافی نہیں ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ دوسری آیت یہ ہے وہ لوگ اپنے رب کے پاس جانے میں شک میں ہیں۔ بے شک وہ سب چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس سفرِ اول میں تین مراتب ہیں: ذوالعقل، ذوالعین اور ذوالعقل و ذوالعین۔ کمال الدین عبدالرزاق کاشی نے اپنی اصطلاحاتِ صوفیاء میں بیان کیا ہے کہ ذوالعقل وہ ہے جو خلق کو ظاہر میں دیکھتا ہے اور حق کو باطن میں۔ اس کے نزدیک حق خلق کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہ آئینہ بظاہر خلق میں پوشیدہ ہوتا ہے یعنی خلق اس آئینہ پر حجاب ہے اس میں مطلق مقیّد کے ساتھ ہے۔ یعنی ذاتِ مطلق کی صفات قید کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔

ذوالعین وہ ہے جو حق کو ظاہر میں دیکھے اور خلق کو باطن میں۔ اس کے نزدیک خلق حق کا آئینہ ہے اس کے نزدیک حق کے ظہور کے لیے اور مخلوق کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اس میں آئینہ صورتوں میں پوشیدہ ہے۔

ذوالعقل والعین وہ ہے جو حق کو خلق میں اور خلق کو حق میں دیکھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے لیے حجاب نہیں ہے۔ بلکہ بعینہٖ وجود واحد نظر آتا ہے۔ ایک اعتبار سے بطورِ حق اور ایک اعتبار سے بطور خلق۔ پس کثرت الوجود واحد کو دیکھنے میں حائل نہیں ہوتی۔ اور کثرت کو دیکھنے میں ذاتِ احدیت بھی حائل نہیں ہوتی۔ جو کہ کثرت میں متجلّی ہے اور دجہ خلق کی احدیت کے سبب خلقت کی کثرت کے شہود میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی اور ذاتِ متجلّی کی احدیت کے شہود میں مجالی کی کثرت مزاحم نہیں ہوتی۔

جیسا کہ شیخ کامل محی الدین ابنِ عربی نے اشارہ کیا ہے۔ ان مذکورہ بالا تین سفروں کی طرف: ۔ ۵

خلق میں حق کا عین ہے اگر تم ذوالعین ہو اور حق میں خلق کا عین ہے اگر تم ذوالعقل ہو

اگر تم ذوالعقل والعین دونوں ہو تو کچھ نہیں دکھائی دے گا سوائے ایک شئے واحد کے عین کے، اس میں متشکّل

جاننا چاہیے کہ حق کی معرفت کا حق خواص اور منتہی کا حصہ ہے اور عوام اور مبتدی کے نصیب میں نہیں ہے۔ امام ربّانی جلد اول کے ۳۸ ویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ معرفت حق کا حصول اسی لیے ہے کہ ذاتِ باری تعالےٰ کی معرفت کی انتہا سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بندہ اس کی پہچونی و

چگونگی کو جان لے۔ کوئی سادہ دل یہ نہ سمجھے کہ اس معرفت میں تو عام وخاص اور مبتدی و منتہی سب برابر ہیں (یعنی سب اس کے معترف ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے۔) میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے کہنے والا علم و معرفت کے فرق کو نہیں جانتا مبتدی کو علم ہے اور منتہی کو معرفت[1]۔ معرفت بغیر فنا فی اللہ ہوئے نہیں حاصل ہوتی اور یہ دولت سوائے فانی کے دوسرے کو نہیں ملتی۔

مولوی (یعنی مولانا جلال الدین رومی)

نہ ہو جب تک فنا فی اللہ سالک کہتا ہوں بیشک نہیں اس کی رسائی بارگاہِ کبریائی تک

اس لیے جب معرفت علم سے ماوراء ہے تو جاننا چاہیے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ یہ اس دانش و علم سے ماوراء ہے جس سے لوگ عام طور سے متعارف ہیں اور جسے معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے ادراکِ بسیط بھی کہتے ہیں۔

فریاد حافظ آپ نہ کہیے ہے بے سبب یہ قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہے

مولوی رومی فرماتے ہیں:-

سب کی جانوں کے ربّ الناس کا اتصال بے کیف اور بے قیاس ہے۔ (یعنی اسے کوئی عقل سے نہیں سمجھ سکتا) چوں کہ فنا کے بھی درجات ہیں اس لیے فنا کے درجات کے مطابق فانی کو معرفت حاصل ہوتی ہے (یعنی یہ معرفت بھی سب کے لیے یکساں نہیں ہے۔) جس کی فنا اتم ہے اس کی معرفت بھی اکمل ہے۔ (اس کمال سے مراد وہ بشری استطاعت ہے جو بدرجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہو نہ کہ ذاتِ خداوندی کی کامل معرفت جو کہ لامتناہی ہے اور لامتناہی کو متناہی ذات کبھی احاطہ نہیں کر سکتی۔) اور جو اس کے مقابلہ میں فنا کے درجے میں کمتر ہے اس کی معرفت بھی کمتر ہے۔

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی معرفت دو طرح سے ہے اول ادراک بسیط اور یہ حق کے وجود کا ادراک ہے اسی ادراک

---

[1] اس ایک مثال سے یوں سمجھو کہ زید نے بکر کو دیکھا تو اپنے علم سے فوراً پہچان لیا کہ بکر آدمی ہے۔ لیکن بکر کے بارے میں یہ حقیقی علم نہیں ہے اب اس نے علم حاصل کیا کہ بکر شاعر ہے۔ اب بکر کی ایک حقیقت یہ کھلی کہ اس کے اندر شاعری کے ملکہ نے اس کو دوسرے آدمیوں سے ممتاز کر دیا ہے اب بکر کے بارے میں زید کا علم زیادہ ہو گیا۔ اب اگر زید کے اندر یہ قابلیت ہو کہ وہ اپنی بصیرت سے بکر کی شاعری کے کمالات کو سمجھ سکے تو یہ بکر کے بارے میں زید کی معرفت ہو گی۔ (مترجم)

کے ذہول کے ساتھ (یعنی بندہ کو ادراک کا احساس بھی نہ رہے) اور مُدرَک کا بھی احساس نہ رہے۔ (مُدرَک یعنی وجودِ حق) دوسرے ادراک مرکب اور یہ ہے حق کے وجود کا ادراک اپنے ادراک کے شعور کے ساتھ یعنی مُدرَک حق کا وجود ہے۔ ظہور میں ادراک بسیط پنہاں نہیں ہے۔ کیوں کہ جس کسی چیز کا تم ادراک کرتے ہو تمہیں اس کی ہستی ہی کا پہلے ادراک ہوتا ہے اگرچہ اس ادراک کے ادراک کی تم کو خبر نہ ہو اور ظہور کے غایت کی وجہ سے وہ نظر سے مخفی رہے لیکن ادراک ثانی ادراکِ مرکب ہے اور محل فکر و خطا و صواب ہے اور ایمان و کفر کا حکم اس کی طرف لگ سکتا ہے۔ اربابِ معرفت میں فرق ان کے مراتب میں فرق کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ 'اشعۃ اللمعات' مولانا عبدالرحمٰن جامی میں ہے۔

فائدہ ۱۳

اس میں بہت زیادہ اختصار کے ساتھ سلوک اور معرفت کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ مترجم پہلے بطور مقدمہ کچھ عرض کرتا ہے تاکہ ترجمہ سمجھنے میں زیادہ دشواری نہ ہو۔

شاید یہ مسئلہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ خدا کو جو کچھ پیدا کرنا تھا[۴۴] اس کے علم میں پہلے ہی سے موجود ہے اس لیے جو چیز پہلے سے معدوم تھی وہ علم الٰہی میں موجود تھی۔ پھر جو صورت علمی تھی اس میں سے ہر ایک کو اس کی قابلیت کے مطابق پیدا فرمایا۔ اس کو صوفیا یوں کہتے ہیں کہ صورتِ علمی صورتِ ظاہری کا عین ہے یا موجوداتِ ممکنہ یعنی یہ کائنات خدا کی صفات کا مظہر ہے یعنی اس کائنات میں خدا کی صفات ظاہر ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ وجود اصل میں ایک ہے جو خدا کا وجود ہے۔ خدا کی کسی صفت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اس لیے وجود میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے کائنات اس کے وجود سے موجود ہے۔ اس کی صفات سے افعال ظاہر ہوئے اور افعال سے آثار۔ اس آثار کو کائنات کہتے ہیں۔ سلوک میں وجود کی بعض حقیقتوں کا انکشاف ہوتا ہے اور اس میں حقیقت الحقایق یہ ہے کہ وجود ایک ہے یعنی "ہمہ اوست" جسے وحدت الوجود کہتے ہیں۔ لیکن اس کا بیان سخت مشکل ہے۔ صوفیا میں اختلافات بیان میں ہے نہ کہ حقیقت میں۔ بعض لوگ اس میں شک کرتے ہیں کہ وجود اور حقیقت اشیاء کا انکشاف سلوک میں کیوں کر ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ محض عقل زدہ ہیں اور یہ بات عقل سے پوری طرح سمجھی بھی نہیں جا سکتی اس کا تعلق عمل سے ہے۔ لیکن اس عمل کے لیے شریعت کا علم صحیح بقدرِ ضرورت ہونا اولین شرط ہے۔ ایک تو یہی علم جسے توحید کہتے ہیں دوسرے یہ کہ نورِ نبوت کا فیضان جاری ہے کیوں کہ وہیں سے سب کچھ ملتا ہے۔ لیکن اگر یہ سمجھ لیا کہ رسول ﷺ بھی ہماری

[۴۴] اور پیدا کرنا ہے وہ سب

ہی طرح ہیں اور بڑے بھائی کی طرح ہیں۔ تو اُسے کچھ بھی میسّر نہیں ہو سکتا اور اپنی بے نصیبی کے سبب روحانی فیضان کے تسلسل کا بھی منکر ہو جاتا ہے۔

سلوک پر یہاں تفصیل سے نہیں لکھا جا سکتا لیکن اتنا بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلوک تین شعبوں پر مشتمل ہے۔ ایک ریاضت و مجاہدہ، دوسرے مراقبہ، تیسرے تفکّر۔ اور ہر آدمی کی ذمہ داری اور پیشہ کے اعتبار سے نسخۂ سلوک مرتب ہوتا ہے۔ ریاضت و مجاہدہ سے سلوک کی کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد مراقبہ شروع کرنا چاہیے۔ تیرھویں فائدے کا تعلق مراقبہ اور تفکر سے ہے۔ ریاضت اور مجاھدے میں شیطان کے فریب کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے جو مرشد کی مدد سے زائل ہوتا ہے۔ مراقبہ سے حضورِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کی مدد سے سلوک کی منزلیں طے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تفکّر پر شیطان کا فریب نہیں چلتا بشرطیکہ عقیدہ درست ہو اور عقیدہ شریعت سے ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ طریقت کا مدار شریعت پر ہے۔

اب ذیل میں **تیرھویں فائدہ** کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

موجوداتِ ممکنہ اسماء و صفاتِ الٰہی کے مظاہر اور اس کی صورتیں ہیں اور اسماء و صفات میں جس شئے کی جیسی قابلیت تھی اسی کے مطابق اس شئے کا ظہور ہوا۔ اس لیے موجودات کو کثیر آئینے فرض کرو اور جو کچھ تم ان آئینوں میں دیکھتے ہو خواہ وہ محسوسات میں ہوں یا معقولات میں ہوں یعنی جنھیں تم اپنی آنکھ کان وغیرہ حواس سے دیکھتے اور محسوس کرتے ہو یا تم عقل کے ذریعہ اُن کے وجود کا ادراک کرتے ہو اُن سب کو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی صورتیں سمجھو۔ (اس وقت تم اہلِ مکاشفہ کہلاؤ گے۔)

تمام عالم کو ایک آئینہ سمجھو۔ اس میں حق کو مشاہدہ کرو کہ وہ اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ اس میں موجود ہے۔ تاکہ تم اہلِ مشاہدہ ہو جاؤ۔ (پہلی صورت میں عالم کو کثیر آئینے سمجھا تھا۔ دوسری صورت میں عالم کو ایک آئینہ قرار دیا گیا۔)

اب اس سے بھی زیادہ بلندی پر آؤ اور اس طرح ملاحظہ کرو کہ تم عالم کو دیکھ رہے ہو اور اس کو جانتے ہو اور تمہاری ذات سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور تمہاری ذات کے اندر سب مرتسم ہیں۔ اب خود تمہاری ذات آئینہ ہوئی، اُن تمام اشیاء کا جو کائنات میں ہیں پہلے تم نے حق کا مشاہدہ غیر خود میں کیا تھا، اب تم نے حق کا مشاہدہ خود اپنی ذات میں کیا۔

اب اس سے بھی بلندی پر آؤ اور یہ دیکھو کہ ممکنات اپنی ذات سے غیر موجود ہیں۔ یعنی ان کا وجود ہی نہیں ہے اور تمام صورتوں کو دیکھو کہ صرف حق کی صفات کی تجلّی کے مظاہر ہیں اور حق ہی سے یہ سب قائم ہیں۔ تو اب یہ سب حق ہی کا کمال و جمال ہیں۔ جنھیں تم حق ہی میں مشاہدہ کر رہے ہو۔

اب اس سے بھی اوپر آؤ اور اپنی ذات کے پردے کو درمیان سے ہٹا دو یعنی تمہیں اپنے وجود کا بھی ادراک نہ رہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شاہد و مشہود ایک ہو جاتے ہیں۔ (جاننا چاہیے کہ شہود کی یہ کیفیت لمحاتی ہوتی ہے۔)

موج کے سبب پانی کا جھاگ کیوں نہ جنبش کرے — خاک ہوا کے بغیر بلندی پر نہیں اڑتی

تیرے اندر جو معرفت پیدا ہوئی ہے وہی تیرا اصل وجود ہے — باقی تو گوشت اور ہڈی کا ڈھانچہ ہے

تیری چربی اور ہڈی سے کوئی شمع روشن نہیں ہوتی — تیرے گوشت سے کباب کا نقل نہیں بنتا

جسم کو نظر انداز کر دو — صرف معرفت کو نظر میں رکھو

اور معرفت میں بھی امتیاز کرو — کیوں کہ معرفت کے بھی درجے ہوتے ہیں

اس لیے کم درجہ پر مت ٹھہر جاؤ بلند کو نگاہ میں رکھو — بالا ہی پست کو اوپر اٹھا سکتا ہے

پھر بلندی کے اوپر بھی بلندی ہے — ان تمام بلندیوں سے گزر جاؤ

ایک نظرہ ہے جو راستے میں صرف دو گز دیکھتی ہے — ایک نظرہ ہے جس میں دونوں عالم سمائے ہوئے ہیں

ان دونوں نظروں میں بے شمار فرق ہے — اسے سمجھو! واللہ اعلم بالاسرار

●

(جاری)

~~~~~~~~~~~~

بقیہ محدثِ دکن "سید عبداللہ شاہ" ص 142 سے آگے:۔

۴۔ فضائلِ رمضان۔ ۵۔ میلاد نامہ۔ ۶۔ یوسف نامہ۔ ۷۔ قیامت نامہ۔ ۸۔ معراج نامہ۔ ۹۔ شہادت نامہ۔ ۱۰۔ کتاب المحبت۔ ۱۱۔ علاج السالکین۔ ۱۲۔ گلزار اولیاء۔ ۱۳۔ بہار تصوف ۱۴۔ سلوک مجددیہ ۱۵۔ جام
~~~~~~~~~~~~

حضرت شاہ کریم اللہ قادری علیہ الرحمۃ فرزندِ ارجمند حضرت شاہ حیدر ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے خوارق سے ایک خارقہ کا مفہوم خیز ترجمہ ھدیۂ ناظرین ہے جس میں آپ کے ایک معتقد کا سکر کی حالت حملہ کرنے اور حضرت کا اس کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا تذکرہ ہے :

(ادارہ)

خارقہ بست و یکم

از خوارقات حضرت شاہ کریم اللہ قادری علیہ الرحمہ، میگویند کہ از خادمانِ ایشان شخصے بود عبدالقادر نام باعتقادِ تمام مقیم خدمت آنسرور بود چناں کہ خدمتِ مالیدن کیف کوکنار کہ خاصۂ آنحضرت را می بایست بحوالہٗ او بود او ہم ازان کیف و از کیفہائے دیگر چندانی بکار می بود کہ در ہیچ آنے و ہیچ مکانے کسے او را چشم کشادہ ندیدے ہمہ وقت بکیف و صاحب سکر بودے فی الجملہ در کیف خود چناں مستغرق بودے کہ عشر عشیر

اکیسواں خارقہ

حضرت شاہ کریم اللہ قادری علیہ الرحمۃ کے خوارق سے کہتے ہیں کہ آپ کے خادموں میں عبدالقادر نامی ایک شخص پورے اعتقاد کے ساتھ آپ کی خدمت میں مقیم تھا ۔ چناں چہ کوکنار کے (کھانسی کی ایک دوا) خمیر کو آپ کے بدن پر ملنے کی خدمت اس کے حوالے تھی اور یہ مالش حضرت کے عادات میں سے تھی ۔ وہ خود بھی اس کیف اور دوسرے چند کیفیتوں کے استعمال کا عادی تھا ۔ جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی وقت اور کسی جگہ بھی اس کو کھلی آنکھ نہیں

از کار جہاں و جہانش خبر نبود۔

روزی اندیشۂ عاقبت دامن گیر شد مناجات
چنین کردن گرفت کہ از خداوند شدید العقاب الیک المرجع
والمآب سزاوارم بگونہ گونہ عذاب عہد خواہ تا الی الآن
شیر و شکر نعمت خوردم ولیکن ہیات ہیات امر تو
بجا نیاوردم عمرے در مناہی و ملاہی بسر بردم و بر طاعت
و عبادت قیام نکردم نمی دانم عاقبت حال این مدبر کار چوں
است منزل کہ قبر است چہ عجب کہ از عذاب گوناگون آست
چوں ازین نوع در اندیشہ دور و دراز افتادہ بود کہ با
موی ژولیدہ بمجرد دوچار شدن۔ آں حضرت نیز تیز
در و نظر کردن گرفت پس روی مبارک بسوے رفیقاں
کردہ فرمود کہ ایں ہماں نیست جملہ گفتند آرے کہ
ہماں واجب القتل است و او ہم شاہ را دیدہ بے اختیار
نعرہ بلند کہ زہرۂ گردون از ان پارہ پارہ شدے برداشت
و از شرمندگی عصیان و محنت زندان خود بہلائے ہائے
بگریست تا بجدیکہ دل مبارک آں حضرت بر حال او
بسوخت بمجرد استماع زاری و نالہ او بے اختیار قدمے
چند پیشتر شد و از دست مبارک خود کہ قائم ید اللہ
فوق ایدیہم دستِ ناپاکش را گرفتہ از ان کدورات
برپشوید و اضطراب بساحل رسانید و او را ہمراہ خود

دیکھا اس لیے کہ وہ تمام وقت کیف و سکر کی عالم میں رہتا
تھا اور وہ اپنے کیف و سکر میں اس طرح مستغرق رہتا تھا
کہ دنیاوی معاملات کے عشر عشیر بھی اسے خبر نہیں رہتی تھی۔

ایک روز اُسے اپنی عاقبت میں سزا و عقوبت کا اندیشہ
دامنگیر ہوا تو اس طرح مناجات کرنے لگا خداوند شدید العقاب
الیک المرجع والمآب سے میں تیرے ہر قسم کے عذاب کا سزاوار ہوں
اب تک ہر طرح تیری نعمت کھاتا آ رہا ہوں لیکن افسوس کہ تیری
کوئی فرمانبرداری بجا نہیں لایا۔ ساری عمر ناجائز کاموں اور کھیل
کود میں بسر کیا۔ تیری طاعت و عبادت میں مصروف نہیں رہا،
میں نہیں جانتا کہ میری کیا حالت ہوگی جب کہ ٹھکانہ قبر ہے۔
مختلف قسم کے عذاب ہوں گے اس پریشانی اور اندیشہ میں
وہ پڑا ہوا بکھرے بالوں کے ساتھ تنہا حضرت سے دوچار ہوا اور
حضرت کو گھور کر دیکھنے لگا۔ پس اپنے چہرۂ مبارک کو اپنے دوستوں
کی طرف پھیر کر فرمایا کہ کیا یہ ایسا آدمی نہیں ہے! سب نے کہا ہاں
ایسا آدمی واجب القتل ہے اور وہ بھی شاہ کو دیکھ کر ایسا نعرہ
بلند کیا کہ آسمان کا پتہ پارہ پارہ ہو گیا۔ اپنے گناہوں کی
شرمندگی اور قید و مشقت اور تکلیف کے احساس سے زار و قطار
رونے لگا۔ یہاں تک کہ حضرت کا دلِ مبارک اس کی حالت
کو دیکھ کر جل اٹھا۔ اور اس کی آہ و زاری و نالہ کو سن کر بے اختیار
آپ چند قدم آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے جو ید
اللہ فوق ایدیہم کے قائم مقام تھا اس کے ناپاک ہاتھ کو
تھاما اور ان ناپاکیوں کو دھو ڈالا اور اس کو پریشانی و

گرفتہ بانواع تفقد و تعہد بخانۂ آن میزبان بردہ بر سر
خوانے کہ بدآن حضرت ترتیب دادہ بودند نشانیدہ از
لقمہائے گوارندہ سیر گردانید۔ پس بعد از انواع تعہدات
کریمانہ و تفقداتِ مشفقانہ او را چنین فرمود کہ اے
فلاں مصلحت چناں می بینیم دیگر دریں شہر فکر اقامت
خود نکنی و تا پائے داری از ینجا بگریزی ازیں جراحت کاری
کہ از دست تو بر تن ما ظاہر شدہ غالباً از ان دلہائے
معتقدان من از تیغ غیرت چاک چاک می شود جملہ
بر سر انتقام آمدہ تشنہ خون تواند چوں این بے چارہ
بدرگاہ دید کہ نسیم تلطف و تعطف از ان جانب می و
زد۔

زبانِ تمنا چنیں بر کشاد کہ اے بخشندہ گناہ گاران
عظیم ازیں ناپکار لئیم صادر شدہ عاقبت حال این مجرم
چون ست بعد از ان آن حضرت از زبانِ عاطفت بیان
چنیں فرمود کہ فلاں خاطر جمع دار کہ از سر خطائے تو شرعاً و
عرفاً در گذشتیم و بر حکم لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا
ترا از میان برداشتیم ولیکن چوں تو زخمی کہ برین تن
نازک ما کردہ غالباً وجود ہمایون ما بضعۂ است از
وجود طٰہٰ و یٰسٓ و قطعہ ایست از قطعۃ الکبد شاہ
محی الدین پس آن زخم تنہا بر وجود ما نیست بلکہ درین
جراحت ہر آئینہ با وجود مبارک این صاحبانِ شریک

اضطراب سے نکال دیا اور اس کو اپنے ساتھ لے کر بڑی
نرمی اور مہربانی کے ساتھ اس میزبان کے گھر گئے جہاں کے
دسترخوان کو خود حضرت نے اپنے ہاتھوں سے ترتیب دیا تھا،
اس کو بٹھایا اور مزیدار لقموں سے سیراب فرمایا۔ اس کے بعد
نہایت نرمی اور شفقت کے ساتھ آپ نے اس سے یوں فرمایا:
اے فلاں میں مصلحت اس میں دیکھتا ہوں کہ تو پھر اس شہر میں
بسنے کی فکر کر اور یہاں سے ہمیشہ کے لیے کہیں چلے جا۔ یہ کاری زخم
جو تیرے ہاتھ سے ہمارے جسم پر ظاہر ہوا ہے غالباً اُسے دیکھ کر
ہمارے معتقدین کا دل غیرت کی تلوار سے کہیں چاک چاک
ہو جائے اور تمام کے تمام انتقام کے درپے ہو کر تیرے خون
کے پیاسے ہو جائیں۔ جب یہ بے چارہ نرمی و مہربانی کے بادِ نسیم
کو آپ کی جانب سے چلتے ہوئے دیکھا

تو زبانِ تمنا اس طرح سے کھولی اے عظیم گناہگاروں
کو بخشنے والے اس نابکار نالائق سے جو کچھ صادر ہوا ہے
آخر کار یہ مجرم ایسے ہی رہے گا۔ اس کے بعد آپ نے نرمی کے
ساتھ یوں بیان فرمایا کہ اے فلاں اطمینان رکھو ہم نے شرعاً و
عرفاً تمہارے گناہوں کو بخش دیا ہے لن یصیبنا الا ما
کتب اللہ لنا کے حکم پر ہم تمہیں اس معاملہ میں معذور سمجھتے
ہیں۔ لیکن جو زخم کہ تم نے ہمارے جسم نازک پر کیا ہے ہمارا
مبارک وجود طٰہٰ و یٰسٓ کے وجود کا ایک حصہ ہے شاہ محی الدین
کے جگر کا ایک حصہ ہے پس وہ زخم صرف ہمارے جسم پر ہی نہیں
ہوا ہے بلکہ یہ زخم ہمارے ساتھ ساتھ مذکورہ صاحبان کے جسم پر بھی

و سہیم است چنان چہ تو گناہ و جراح ایشان ہستی
پس اندیشہ بخاطر راہ مداہ کہ در روز آن زلزلۃ الساعۃ
شیئ عظیمہ از برائے عفو تو ایشان درخواست کنم
و ترا از چنگ عقوبت آن روز ہای رہایم بعد ازیں
گفتگو آں معصوب بدرگاہ سجدہ رسانیدہ ہمو
لوقت از آن شہر غربت گزید و منت سفر بر راحت
اختیار نمود قریہ و قریہ قصبہ و قصبہ میگردید۔

درین اثنا زمانہ از وی برگشت دستِ ناپاکش
را بجراحت تبت یدا ابی لہب مجروح ساخت و
دستے کہ شاہ را ازاں مجروح کردہ بود درمیان کف او
ریش سخت و مولم پیدا ست ہر چند کہ در علاج آن
کوشیدہ روز بروز جراحتش زیادہ می شد تا کہ از دست
تجاوز کردہ بہ بند و بست تا آرنج پُر از کرم کہ غیر از کرم
و استخوان نشانے از گوشت و پوست نبود طاقت
درد آں نیاورد کارد بر شکم دریدن ہمایوں مرغ روح
پر بدن ہماں شنیدہ شد کہ مرض آخرین بر آن حضرت
سخت دشوار بود چناں کہ ریشہ در شکم مبارک پیدا
شدہ بود آن حضرت بغایت ازان ملول و رنجور
بود چناں کہ اثر رنج و ملال آن صاحب محنت کش
در نزدیکاں او تاثیر کردہ بود بہر یکے از جان و دل
میگفت اے خاک برایں چشمے کہ چنین تنِ نازک در

ہوا ہے لہذا تو ان لوگوں کو بھی مجروح کرنے کا گنہ گار ہے لیکن
خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زلزلۃ الساعۃ شئ
عظیم کے روز تیرے خاطر ان حضرات سے میں عفو کی درخواست
کروں گا اور تمہیں عقوبت کے چنگل سے رہا کروں گا۔ اس
گفتگو کے بعد وہ مرد نیک خلقت آپ کی بارگاہ میں
سجدہ ریز ہوا اور اسی وقت اس شہر سے مسافرت شروع
کی اور سفر کی تکالیف کو راحت پر محمول کرتے ہوئے قریہ
قریہ اور قصبہ قصبہ گھومتا رہا۔

انہیں دنوں میں زمانہ اس کے ناموافق اور نامساعد
ہوا اور اس کا ناپاک ہاتھ تبت یدا ابی لہب کے بمصداق
مجروح ہوا اور وہ ہاتھ جس سے اس نے شاہ کو مجروح
کیا تھا اس کی ہتھیلی کے درمیان ایک زخم ابھرا جس میں
سخت قسم کی تکلیف ہو رہی تھی اور مرض بڑھتا گیا جوں
جوں دوا کی۔ وہ زخم ہتھیلی سے تجاوز کرتے ہوئے کلائی
سے بازو تک کیڑوں سے بھر گیا۔ سوائے کیڑے اور ہڈ کے
گوشت و پوست کا کوئی نشان باقی نہ رہا اور اس میں
برداشت کرنے کی قوت نہیں تھی۔ ایک چاقو سے اپنے
پیٹ پر مارا سینہ سے ناف تک پیٹ کو چیر ڈالا
مرغ روح بدن سے پرواز کر گیا۔ اس طرح سُنا گیا کہ
آپ پر آخریں مرض بہت ہی سخت و دشوار گزرا۔
چناں کہ ایک زخم آپ کے شکم مبارک پر ظاہر ہوا۔
تھا اور حضرت اس سے نہایت ہی ملول و پریشان تھے

در جبین کلاں و ملال بینند۔ قضارا
درآن وقت درویشے یکے مقیمان خانقاہ عالی طوطی
در قفس کردہ پرورش می کرد و سخن می آموخت و او
ہم با نواع نو آواز در قفس غلغلہ و فرح میکرد۔
قضارا در عین شورش را غلغلہ او در گوش آمد بمجرد
استماع آن غلغلہ آثار بشاشت و بہجت بر خسارۂ
مبارک پیدا شد و می گفت اے حاضران بدانید و
آگاہ باشید کہ الحال ما بدین طوطی محبوس می مانند ہر
گاہ کہ او را از قفس رہائی کنند غیر از گلستان و
باغستان آرام نخواہد یافت و در آنجا باہم نفسان خود
شاخ بشاخ درخت بدرخت خواہند خرامید و
غلغلہ کنان گشت خواہند کرد و چوں فقیر ہم در این
قفسِ تن چوں طوطی محبوس گرفتار است انشاء اللہ تعالیٰ
تا این وقت طوطیٔ روح ما از قفسِ تن خلاصی و رہائی
خواہند یافت و از گلستان ولہٗ فیہا من کل الثمرات
میوہائے خوش مزہ خواہند خرید و از جوئے بار فیہا انہار
من ماءٍ غیر آسن شربت آب خواہند نوشید۔

چناں چہ آپ کے رنج و ملال کا اثر آپ کے معتقدین میں
اثر کرنے لگا ہر ایک جان و دل سے کہنے لگے ماٹی ملے
یہ آنکھ ایسے تن نازک کو اس طرح رنج و ملال میں دیکھے
اتفاق سے اس وقت ایک درویش آپ کی خانقاہ عالی میں
سکونت پذیر تھے وہ ایک طوطے کو پنجرہ میں بند کر کے پال
رہے تھے اور اُسے بات چیت سکھایا تھا اور وہ بھی قسم قسم
کی نئی آواز سے پنجرہ میں شور و شر کر رہا تھا۔ اتفاق سے عین
موقعہ پر آپ کے کان میں اس کی آواز پڑی اس آواز کے سنتے
رہی آپ کے رخسارِ مبارک پر بشاشت و خوشی کے آثار نمایاں ہوئے
اور فرمایا کہ: اے مجلس والو! جانو اور آگاہ ہو جاؤ کہ فی الحال
ہم اس طوطی کی طرح محبوس ہیں جب کہ اس کو اس پنجرہ سے
رہا کر دیا جائے گا تو سوائے گلستان اور بوستان کے وہ آرام
پائے گا اور اس جگہ ہم نفسوں کے ساتھ شاخ بشاخ درخت
بدرخت گھوم پھرے گا اور شور مچاتے ہوئے سیر کرتا رہے گا
اور فقیر بھی اس تن کے قفس میں طوطی کی طرح محبوس و
گرفتار ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جب کہ یہ ہماری طوطی روح
تن کے پنجرہ سے رہا پائے گا اور ولہٗ فیہا من کل الثمرات
کے باغ سے خوش مزہ میوے کھائے گا اور فیہا
انہار من ماءٍ غیر آسن کی جوئے بار سے پانی پیئے گا۔

ایمان کے بعد انسانی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام کو پہنچانے کے لیے خشیت الٰہی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں خوف و خشیت پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی۔ آپ کبھی خوفِ الٰہی کے فضائل بیان فرماتے اور آخرت کے سخت احوال کو یاد دلاتے۔ جن کی یاد سے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے۔

چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر اللہ کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز اور ہولناک احوال کے متعلق تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور رونا بہت بڑھ جائے۔

ذیل کے مضمون میں خوفِ خدا کی کیفیت اور اس کے فضائل پر روشنی ڈالی گئی ہے ملاحظہ ہو:۔

حضرت ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

ساتویں آسمان پر اللہ کے ایسے فرشتے ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے جب سے پیدا کیا ہے برابر سجدے میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انتہائی خوف زدہ ہیں۔ قیامت کے دن جب وہ سجدے سے سر اٹھائیں گے تو وہ کہیں گے: سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ: اے اللہ! تو پاک ہے، ہم کما حقہٗ تیری عبادت نہیں کر سکے۔ فرمانِ الٰہی ہے: يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ: وہ فرشتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جس چیز کا انھیں حکم دیا گیا ہے وہی کرتے ہیں۔ اور ایک لمحہ بھی میری نافرمانی میں نہیں

گزارتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اقْشَعَرَّ جَسَدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی تَحَاتَّتْ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا یَتَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَۃِ وَرَقُھَا: جب کوئی بندہ خوفِ الٰہی سے کانپتا ہے تو اس کے گناہ اس کے بدن سے ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کو ہلانے سے پتے جھڑتے ہیں۔

نقل ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کثیر العیال عابد تھا۔ اُسے مفلسی اور تنگدستی نے ایسا گھیر لیا جس سے وہ بہت پریشان تھا۔ جب تمام ترکوششوں سے عاجز آگیا تو اپنی بیوی سے کہا جاؤ کسی سے کچھ مانگ کر لاؤ۔ وہ عورت ایک تاجر کے یہاں جاکر کھانے کے لیے کچھ سوال کیا۔ تاجر نے کہا: اگر میری آرزو پوری کرو تو جو چاہے لے سکتی ہو۔ عورت بیچاری چپ چاپ، خالی ہاتھ مایوس ہوکر گھر لوٹ آئی۔ بچوں نے جب ماں کو خالی ہاتھ آتے دیکھا تو بھوک سے بلبلانے لگے اور کہنے لگے: اے مادرِ مہربان! ہم بھوک سے مر رہے ہیں، ہمیں زندہ رہنے کے لیے کچھ تو کھلادو۔ بچوں کے اس رونے کو سُن کر ماں کا دل پارہ پارہ ہوگیا۔ مجبوراً وہ عورت دوبارہ اسی تاجر کے ہاں لوٹ گئی اور اپنے بچوں کا واسطہ دے کر اسی تاجر سے کھانے کا سوال کیا تو تاجر نے پھر وہی بات کی جو پہلے کہہ چکا تھا۔ عورت رضا مند ہوگئی۔ مگر جب یہ دونوں تخلیہ میں پہنچے تو عورت خوف سے کانپنے لگی۔ تاجر نے اس حالت کو دیکھ کر پوچھا: کیوں گھبرا رہی ہو؟ اس نے کہا: میں اس ربِّ لم یزل کے خوف سے لرزاں ہوں۔ جس نے ہمیں پیدا فرمایا۔ تب تاجر بولا کہ جب تم اتنی تنگدستی اور عسرت میں بھی خوفِ خدا رکھتی تو مجھے بھی اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ اس عورت کو مال ومنال دے کر رخصت کیا۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبرِ وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ فلاں بن فلاں کے پاس جاؤ اور اُسے میرا سلام کہو اور کہنا کہ میں نے اس کے تمام گناہ معاف کردیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام حسبِ حکمِ الٰہی اس تاجر کے پاس آئے اور پوچھا تم نے کوئی عظیم نیکی انجام دی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام گناہوں کو معاف کردیا۔ اور جواب میں تاجر نے مذکورہ بالا سارا واقعہ کہہ سُنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرمانِ الٰہی ہے میں اپنے بندوں پر دو خوف اور دو امن جمع نہیں کرتا۔ جو شخص دنیا میں میرے عذاب سے ڈرتا ہے میں اُسے آخرت میں بے خوف کردوں گا۔ اور جو دنیا میں میرے عذاب سے بے خوف رہتا ہے میں اُسے آخرت میں خوف زدہ کردوں گا یعنی اس پر عذاب نازل کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ: تم لوگوں سے نہیں مجھ سے ڈرو۔ اور دوسری

جگہ ارشادِ باری ہے: فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ: اگر تم مؤمن ہو تو لوگوں سے نہیں مجھ سے ڈرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید کی کوئی آیت سنتے تو خوف سے بے ہوش ہو جاتے۔ ایک دن ایک تنکا ہاتھ میں لے کر کہا: کاش میں ایک تنکا ہوتا۔ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ ہوتا۔ کاش! مجھے میری ماں نہ جنتی اور خوفِ خدا سے آپؓ اتنا رو یا کرتے تھے کہ آپؓ کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے دو سیاہ نشان پڑ گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: يَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ (الترمذی، نسائی) یعنی جو شخص خوف خدا سے روتا ہے وہ جہنم میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح جیسے کہ دودھ دوبارہ تھنوں میں نہیں جاتا۔

جب لوگ جہنم کے قریب آئیں گے تو اس سے سخت گرمی اور خوف ناک آوازیں سنیں گے جو پانچ سو سال کے سفر کی دوری سے سنائی دیتی ہوگی۔ جب ہر آدمی نفسی نفسی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی امتی کہہ رہے ہوں گے اس وقت جہنم سے ایک نہایت ہی بلند آگ باہر نکلے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی طرف بڑھے گی۔ آپؐ کی امت اس کی مدافعت میں کہے گی اے آگ! تجھے نمازیوں، صدقہ دینے والوں، روزہ داروں اور خوفِ خدا رکھنے والوں کا واسطہ واپس چلی جا، مگر آگ برابر بڑھتی چلی جائے گی تب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا ایک پیالہ پیش کریں گے اور عرض کریں گے اے اللہ کے نبی اس سے اس آگ پر چھینٹے ماریئے۔ آپؐ آگ پر چھینٹے ماریں گے تو وہ آگ فوراً بجھ جائے گی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ سے اس پانی کے متعلق پوچھیں گے جبرئیلؑ جواب دیں گے کہ حضورؐ یہ خوفِ خدا سے رونے والے آپؐ کے گنہ گار امتیوں کے آنسو تھے۔ مجھے حکم دیا گیا کہ یہ پانی آپؐ کی خدمت میں پیش کروں اور آپؐ اس سے جہنم کی آگ کو بجھا دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں عطا فرما جو تیرے خوف سے رونے والی ہو

عینی هل لا تبکیان علی ذنبی   تناثر عمری من یدی ولا ادری

اے میری دونوں آنکھو میرے گناہوں پر کیوں نہیں روتی ہو، میری عمر ضائع ہو گئی اور معلوم بھی نہ ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: کوئی ایسا بندہ مومن نہیں جس کی آنکھوں سے خوفِ خدا سے مکھی کے پر کے برابر آنسو بہے۔ اس کی گرمی اس کے چہرے پر پہنچے اور اسے بھی جہنم کی آگ چھوے۔

جناب محمد بن المنذر رحمۃ اللہ علیہ جب خوفِ خدا سے روتے تو اپنی داڑھی اور چہرے پر آنسو ملا کرتے اور کہتے ہیں نے سُنا ہے کہ وجود کے جس حصہ پر آنسو لگ جائیں گے اُسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔ ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عذابِ الٰہی سے روکتا رہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ فاما من طغی واثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی: پس جس کسی نے نافرمانی کی اور دنیا کی زندگی کو سب کچھ جانا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے رہنے کے مقام سے ڈرا اور اپنے نفس کی خواہشات سے روک دیا تو اس کی پناہ گاہ جنّت ہے۔

جو انسان عذابِ الٰہی سے بچنا چاہے اور ثواب و رحمت کا امیدوار ہو اُسے چاہیے کہ دنیاوی مصائب پر صبر کرے۔ اللہ کی عبادت کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے۔

حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شاب وھو فی الموات فقال کیف تجدک قال ارجو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ واخاف ذنوبی فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما اجتمعا فی قلب عبدٍ فی مثل ھذا الموطن الا اعطاہ اللہ ما یرجو وامنہ مما یخاف (ترمذی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے جو نزع کی حالت میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: خدا سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب کسی بندے کے دل میں اس قسم کی دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں جیسے اس شخص کے دل میں ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ آرزو رکھتا ہے۔ اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے امن دے دیتا ہے۔

عینانِ لا تمسّھما النّارُ عین بکت من خشیۃ اللہ وعین باتت فی سبیل اللہ

یعنی دو آنکھوں کو آگ نہ چھوئے گی۔ ایک آنکھ وہ ہے جو خدا کے خوف سے پرنم ہوئی ہو اور دوسری وہ جو خدا کی راہ میں نگہبانی کے لیے کھلی رہی ہو۔ (ترمذی)

ارشادِ خداوندی ہے کہ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو یعنی کہ قلب میں خوفِ خدا پیدا کرو اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرو۔

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: صاحبِ ایمان وہ ہے جو جسم کے تمام اعضا کے ساتھ ڈر رکھتا ہو۔ اسی کے مصداق 'دقائق الاخبار' میں یوں نقل ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائیگا

جب اس کے اعمال تولے جائیں گے تو برائیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ چناں چہ اُسے جہنم میں ڈالنے کا حکم ملے گا۔ اس وقت اس کی پلکوں کا ایک بال اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گا: اے ربّ ذوالجلال تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے اور میں تیرے خوف سے رویا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آئے گا اور اس شخص کو ایک اشکبار بال کے بدلے میں جہنم سے بچا لیا جائے گا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام پکاریں گے فلاں ابنِ فلاں ایک بال کے بدلے نجات پا گیا۔

جیسا کہ ابو اللیث نے فرمایا: چھ باتوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۔ یہ ہے کہ اس کی زبان غلط بیانی، غیبت، چغلی، تہمت اور فضول بولنے سے بچی ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے، تلاوتِ کلام پاک کرنے اور دینی علوم سیکھنے میں لگی ہو۔

۲۔ یہ ہے کہ دل سے عداوت، بہتان اور مسلمان بھائیوں کا حسد نکل جائے۔ کیوں کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ نبیؐ ہے الحسد یاکل الحسنات تاکل النّار الحطب۔

۳۔ یہ ہے کہ اس کی نظر حرام کھانے پینے سے اور حرام لباس وغیرہ سے محفوظ رہے اور دنیا کی طرف لالچ کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ عبرت پکڑنے کے لیے اس کی طرف دیکھے اور حرام چیزوں پر کبھی اس کی نگاہ بھی نہ پڑے۔ جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا وقعت لقمۃ من الحرام فی بطن ابن اٰدم لعنۃ کلُّ مَلَکٍ فی الارض والسماء مادامت تلک اللقمۃ فی بطنہ وان مات علی تلک الحالۃ فما ولہ جھنم بنی آدمؑ کے پیٹ میں جب حرام کا لقمہ پڑا تو زمین و آسمان کا ہر فرشتہ اس پر لعنت کرے گا۔ جب تک کہ وہ لقمہ اس کے پیٹ میں ہوگا اور اگر اسی حالت میں مرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

۴۔ یہ ہے کہ جانبِ حرام دست درازی نہ کرے بلکہ حتی المقدور اس کا ہاتھ اطاعت الٰہی کی طرف بڑھے۔ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز موتی کا محل پیدا فرمایا۔ اس میں ستّر ہزار گھر ہیں اور ہر گھر میں ستّر ہزار کمرے موجود ہیں۔ اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے، جس کے سامنے حرام پیش کیا جائے اور وہ صرف خوفِ الٰہی سے اسے ترک کر دیا۔

۵ اس کا قدم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ چلے بلکہ اس کی طرف صرف اس کی اطاعت اور خوشنودی میں رہے۔

۶۔ عبادت ومجاہدہ انسان کو چاہیے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرے۔ ریاکاری و منافقت سے بچتا رہے اور اگر ایسا کیا تو ان لوگوں میں شامل ہو گیا جن کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے: والآخرۃ عند ربك للمتقین اور تیرے رب کے نزدیک آخرت ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ دوسری آیت میں یوں ارشاد ہے: اِنَّ المتقین فی مقام آمین: بے شک متقی امن والے مقام میں ہوں گے۔ گویا خداوند تعالےٰ فرما رہا ہے یہی لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں جو قیامت کے دن دوزخ سے چھٹکارا پائیں گے۔

پس اگر کوئی ان چھٰ باتوں پر عمل کیا تو اُسے خوف خدا کا پتہ چل جاتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ ہر بندہُ مومن ان چھےؔ باتوں پر عمل کرنے کی کوشش فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہٗ کا قول ہے کہ ہزار دینار راہ خدا میں صرف کرنے سے مجھے خوف خدا سے ایک قطرہ آنسو بہنا زیادہ پسند ہے۔ ایک کندی کا ایک قول ہے کہ خوف خدا سے رونے والے کا ایک قطرہ آنسو سمندروں جیسی طویل وعریض آگ کو بھی بجھا دیتا ہے۔

عتبہ کا عجیب واقعہ ہے کہ عتبہ الغلام رحمۃ اللہ علیہ جس فتنہ انگیزی اور شراب نوشی کی داستانیں مشہور تھیں۔ ایک دن جناب حسن بصریؒ کی مجلس میں آیا۔ اس وقت حضرت حسن بصریؒ ایت اَلَم یانِّ للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ یعنی کیا مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ سے ڈریں۔ آپ نے اس آیت کی ایسی تشریح کی کہ لوگ رونے لگے۔ ایک جوان مجلس میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے بندہُ مومن کیا مجھ جیسا فاسق وفاجر بھی اگر توبہ کرے تو اللہ تعالےٰ قبول فرمائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جو کوئی بندہ خوف خدا سے ایک آنسو کا قطرہ بہا جائے اس کے تمام گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ پس جو انسان عذاب الہٰی سے بچنا چاہیے اور ثواب ورحمت کا امیدوار ہو اُسے چاہیے کہ دنیاوی مصائب پر صبر کرے۔ اللہ کی عبادت کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں۔ اور خدا کے خوف وخشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

آمین آمین

وما علینا الا البلاغ

مولوی دانیال کاوش آمبور
زمرۂ سابعہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان - ویلور

آج مسلمان کیوں مضطرب ہے؟ اور کیوں طرح طرح کے تکالیف اور مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ ان سے رہائی کی تو مختلف تدبیریں جاری ہیں لیکن حقیقی معنوں میں اس کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ وہ یہ کہ احکام اسلام کو پابندی و مداومت کرتے ہوئے خوف و خشیت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہووے۔ جس کی وجہ سے دل منوّر ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دل روشن ہو جاتا ہے تو صاف طور سے گمراہی کیا ہے معلوم کر لیتا ہے اور اس سے کوسوں دُور بھاگتا ہے اور ہدایت کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

بمصداق اس آیتِ شریفہ: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب: ترجمہ: آگاہ ہو جائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی طور پر متقی اور پرہیزگار اور عاشقِ صادق ہی اس کا ادراک کر سکتا ہے جس کسی کو حقیقی معنوں میں ذکرِ الٰہی کا مزہ مل گیا اس کو دوسری مکر و زیب کی چیزوں سے کیا سروکار کسی صوفی شاعر نے کیا خوب فرمایا: ؎

مالک تیری رضا رہے ❊ اور تو ہی تو رہے ❊ باقی نہیں رہوں ❊ نہ میری آرزو رہے

اولیاءِ کرام تو ہر وقت ہر لحظہ ذکرِ الٰہی میں رہتے ہیں اور قادری طریق کا ذکر کلمۂ طیبہ ہے اور سر وظیفہ یہ ہے فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم والحمد للہ رب العٰلمین۔ ترجمہ:۔ پس ان کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ وہی سننے اور جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تمام تعریف ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا حاجت ہوگی وہ دور و نزدیک کی بات کو جو غیبت کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں یا اس کا ذکر کرتے ہیں تمام کو سنتا ہے حتّٰی کہ دل میں کیا کہتا ہے اور کیا خیال کرتا ہے وہ بھی سنتا اور جانتا ہے۔

ارکانِ اسلام و فرائض سے جو لوگ غفلت کرتے ہیں، اس کی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا نہیں کرتے ان سب سے بخوبی واقف ہے۔ جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو، عشقِ خدا نہ ہو اس کو کیسے ذکرِ الٰہی کا صحیح طریقہ آسکتا ہے وہ ذاکر اور شاکر نہیں ہو سکتا۔ اب معلوم ہوا کہ جس کے اندر خوفِ الٰہی اور عشقِ الٰہی ہو وہ ہر وقت ہر حال میں جہاں کہیں کیوں نہ ہو ذکرِ الٰہی میں سرشار اور خوف سے کانپنے لگتا ہے

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاذکرنی اذکرکم: تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ حضرت ثابت البنانیؒ نے کہا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرتا ہے۔ یہ سن کر لوگ متعجب ہوئے اور استفسار کیا کہ آپؒ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ آپؒ نے فرمایا جب میں اسے یاد کرتا ہوں تو وہ بھی مجھے یاد کرتا ہے۔ ● ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلعم سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ سب عملوں سے افضل اور درجہ میں اعلیٰ ترین عمل کیا ہے؟ حضورؐ نے ذکرِ الٰہی کرنے والوں کا بیان کیا۔ سائل نے دریافت کیا: کیا وہ راہِ خدا میں جنگ جدال کرنے والوں سے افضل ہے تو حضرت رسالت مآبؐ کے اس کے جواب میں فرمایا ہاں! اگرچہ لڑنے والا مشرکین پر تلوار توڑے اور خون میں رنگا جائے بھی تو اللہ کا ذکر اس سے افضل و اعلیٰ ہے۔ (احمد، والترمذی: مشکوٰۃ ص ۱۹۰) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ذکرِ الٰہی ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص جنّت کے باغوں سے سیر ہونا چاہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرے۔ ● حضرت ابو درداءؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا میں تم کو تمام عملوں میں سے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جو عند اللہ تعالیٰ پاکیزہ تر عمل اور مراتب و درجات میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور چاندی سونا خرچ کرنے دشمن سے جنگ و جدال کرکے اس کی گردن کاٹنے اور اپنی گردن کٹوانے سے افضل و بہتر ہے۔ صحابہ رضم کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے۔ جس کو روایت کیا مالک اور احمد اور ترمذی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ ●

اللہ اکبر! ذکر ایک ایسا نورانی و روحانی ربط ہے جس کے عمل سے طالب اللہ بہت سے فیوض و برکت حاصل کرتا ہے۔ جس کو ربِّ قدیر توفیقِ اعلیٰ عطا فرماتا ہے وہ ہی اس کے ثمرات کو حقیقی اعتبار سے ادراک کرتا ہے اور غور و فکر کر سکتا ہے۔ اور قال اور حال میں لا سکتا ہے۔

"مکاشفۃ القلوب" میں امام غزالیؒ نقل کرتے ہیں کہ بعض علماء کرام نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب کسی شخص کے قلب کو میری یاد میں سرگرم عمل دیکھتا ہوں تو میں اس کے جملہ امور کا وکیل و متولی ہو جاتا ہوں اور اس کا میں رفیق، اس کا ہم نشین اور ہم سخن بن جاتا ہوں۔

جب لوگ جمع ہو کر اللہ کو یاد کرتے ہیں تو فرشتے ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان پر رحمت سایہ فگن ہو جاتی ہے اور اُن کے قلوب میں تسلّی اور اطمینان ڈال دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (فرشتوں) سے اُن کا ذکر کرتا ہے۔ (مسلم، ترمذی)

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں غفلت سے بچا کر ذکر الٰہی میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین●

قدرِ رمضان

سیّد محمّد جمال اللہ باشاہ قادری کڈپوی
زمرۂ ثالث ۔ دار العلوم لطیفیہ
مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

ارشادِ خداوندی ہے

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط (پ:۲)

ترجمہ: تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے ۔

جس طرح انسان کے بہیمی اور مادّی پہلو کا نشو ونما کھانے پینے وغیرہ سے ہوتا ہے اسی طرح انسان کے رُوحانی پہلو کے نشو ونما کا ذریعہ عبادات ہیں ۔ عبد و معبود کا تعلق عبادات سے ہی ظاہر ہوتا ہے ۔ اور انسان کی وجہ تخلیق عبادات ہی قرار دی گئی ہے جو انسان عبادات نہ کرے اُسے انسان کہنا تو کجا اللہ تعالیٰ نے اُسے جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے ۔ ارشاد ہے: أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (پ:۹) ترجمہ: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بڑھ کر گمراہ ۔ عبادت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتی ہے اس میں کسی غیر کی شرکت نہیں ہوتی ۔ برخلاف دیگر اعمالِ خیر کے ۔ مثلاً صلۂ رحمی، صدقہ وخیرات وغیرہ اگرچہ حکمِ الٰہی کی تعمیل کی نیّت سے ہی کئے جائیں مگر پھر بھی ان اعمال کا رُخ مخلوق کی طرف رہتا ہے ۔ اس اہمیت و نزاکت کی وجہ سے بہ نسبت دیگر اعمالِ خیر

کے عبادات میں زیادہ پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ انہی عبادات میں نماز، زکوٰۃ، حج کی طرح رمضان کے روزے بھی شامل ہیں جن کے رکھنے سے رحمتِ حق کے مستحق اور تقربِ الٰہی کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔

رمضان کی تاریخ

رمضان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ مہینہ سخت گرما کا تھا۔ اس لیے اس کا نام رمضان رکھا گیا، جس کے معنے گرم پتھر کے بھی ہیں۔ یا یہ کہ رمضان رمض سے ماخوذ ہے اور رمض کے معنے جلنے کے ہیں۔ چوں کہ رمضان کے لحاظ سے اس کے اور بھی نام ہیں؛ چناں چہ لکھا ہے کہ رمضان کو توراۃ میں 'خط' یعنی گناہوں کو دور کرنے والا بیان کیا گیا ہے۔ اور زبور میں 'قربت' یعنی اس کی برکت سے قربتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور انجیل میں اُسے 'طاب' یعنی پاک ہوا کہا گیا ہے۔

رمضان کے فضائل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "شعبان شهري ورمضان شهر الله: شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ ارشاد فرمایا: رجب کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسے قرآنِ مجید کو تمام کتابوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور شعبان کو عام مہینوں پر ویسی ہی بزرگی ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت ہے اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت و فوقیت ہے جیسی اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر ہے۔

ماہِ رمضان میں جو شخص کسی نیکی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قرب و نزدیکی حاصل کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کرے۔ اور جو شخص ماہ رمضان میں فرض ادا کرے وہ ایسا ہے، غیر رمضان میں ستّر فرض ادا کرے۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امّت کو رمضان کے سلسلے میں پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو پہلی اُمتوں کو نہیں ملی تھیں۔ (۱) روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) روزہ داروں کے لیے پانی کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں۔ (3) اور ہر روز اُن کے لیے جنّت آراستہ کی جاتی ہے۔ (4) شیاطین قید کر دئے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا قیام بنی آدم کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح ہوتا ہے۔ جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ بَنِيْ آدَمَ كَمَجْرَى الدَّمِ "یعنی شیطان

بنی آدم کے رگ وریشہ میں خون کی طرح رواں دواں رہتا ہے۔ تو جب روزہ کی وجہ سے پیٹ خالی ہوتا ہے تو رگ وریشہ کی قوتوں میں فتور آجاتا ہے جس کی وجہ گناہوں کی طرف ایسی رغبت پیدا نہیں ہوتی جیسی کہ شکم سیری کی حالت میں ہوتی ہے۔ (۵) اس کی آخری رات میں روزہ داروں کے لیے مغفرت کی جاتی ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ یہ مغفرت کی رات شبِ قدر ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بلکہ یہ مغفرت اس طرح ہے جس طرح مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دی جاتی ہے

رمضان کی فضیلت تمام اس اعتبار سے بھی ہے کہ قرآنِ مجید اسی ماہ میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر نازل کیا گیا۔ اور دیگر کتبِ آسمانی بھی رمضان ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ نبوتِ محمدی کی ابتدا و یعنی سچے خواب اسی ماہ سے شروع ہوئے۔

آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ رمضان سال کا دل ہے۔ جب وہ سلامت رہتا ہے تو تمام سال سلامت رہتا ہے۔ فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمّت یہ تمنّا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے۔ اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے

حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ اور اُن کی خطاؤں کو معاف فرماتا ہے اور دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت ہے۔ دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور تیسرا عشرہ عتق من النیران یعنی دوزخ سے رہائی

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس ماہ میں پابندی کے ساتھ عمل کرنے کی سعی کریں اور اس مہینے کا پورا پورا احترام کریں۔

وما علینا الا البلاغ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

• سید نور اللہ حسینی بیجاپور
جماعت پنجم
دار العلوم لطیفیہ۔ مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

خدمتِ خلق سے مُراد یہ ہے کہ مخلوق کی بھلائی اور اس کی حاجت روائی کی جائے۔ اس سے ہمدردی، اس کی دستگیری اور اس کی دلجوئی کی جائے کسی کی پریشانی دُور کرکے اُسے راحت اور اطمینان مہیا کرنا۔ ہر جائز کام میں اس کی مدد کرنا جو اس کی صحت اور سلامتی و نجات کا باعث بنے۔ حُسنِ عمل کی نصیحت اور تلقین کرنا اور برائیوں سے روکنا انسانیت کی بہترین خدمت۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال پراگندہ تھے۔ فرمایا کیا اسے وہ چیز میسّر نہیں جس سے وہ اپنے بالوں کو درست کر سکے۔ اس طرح ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے کپڑے میلے تھے۔ فرمایا: کیا اسے وہ چیز نہیں ملتی جس سے وہ اپنے کپڑوں کو دھو ڈالے۔

قرآنِ کریم نے اس طرح رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کی خدمت کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا اہلِ قرابت اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو۔ جو لوگ رضائے الٰہی کے طالب ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے اور یہی لوگ نجات حاصل کرتے والے ہیں۔ معاشرے میں ہر شخص اپنے حالات سے گریز کر رہا ہے۔ اہلِ ثروت کا فرض ہے کہ محتاجوں کی اس طرح خدمت کریں کہ وہ خوش حال ہو جائیں۔ مسافروں کے ساتھ جذبۂ خدمت سے برتاؤ کیا جائے۔ پڑوسیوں کی خدمت یہ ہے کہ دل آزار باتوں اور تکلیف دہ حرکتوں سے بچا جائے۔ جہاں تک ممکن ہو انھیں آرام پہنچایا جائے۔ اُن کی پریشانی میں ان کی خدمت کی جائے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: مومن وہ نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

نیز رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مریض کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور غلاموں کو آزادی دلاؤ۔ بیمار کی خدمت یہ ہے کہ اس کے لیے علاج اور دوا کا انتظام کیا جائے۔ اس کی خبرگیری اور دیکھ بھال کے علاوہ اسے حوصلہ اور تسلی دی جائے اور اس کی مدد کی جائے۔ خدمتِ خلق کا جذبہ اور اس کی عملی عادات انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دشمنوں اور یہودیوں کی عیادت کی۔ ان کی عزت و آبرو کو اپنے معاشرے کی عزت و آبرو سے کم نہ سمجھتے تھے۔ کافروں اور مشرکوں کو قحط سالی کے عذاب میں غلّہ کی سپلائی کرتے بند و بست کیا۔

حدیث نبوی ہے: بہترین انسان وہ ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ تم اس لیے بہترین اُمت ہو کہ لوگوں کو اچھے کاموں کی ہدایت کرتے اور برائیوں سے روکتے ہو۔ خدمت میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے ملازموں اور ماتحتوں، اپنے خدمت گزاروں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے، جس میں ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ اُن سے ایسا کام نہ لیا جائے جو اُن کی صحت کے لیے مضر ہو۔ انھیں ایسے کام پر نہ لگایا جائے جو اُن کی ہمت برداشت سے باہر ہو۔ خدمتِ خلق کا جذبہ انسان کو ہر کسی کی خدمت پر آمادہ رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ حیوانات اور پرندوں اور ہر جان دار کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جاہلیت کے دور میں خدمتِ خلق کا برعکس دوسروں کو ستانا کوئی عیب نہ تھا۔ حالاں کہ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا لینا۔ جانوروں کو دیر تک گرمی، سردی میں باندھ کر رکھنا۔ جانوروں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھنا۔ جانوروں کو باندھ کر اس پہ تیر اندازی کرنا۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ شفقت اور خدمت کے سلوک کے برعکس ظلم اور سنگدلی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اللہ کو وہ انسان بہت پسند ہے جو اس کی مخلوق کے لیے خدمتگزار اور مفید ہے۔ یہ بھی فرمان ہے کہ بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے کام آنے والے ہو۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے جو مسلمان لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور اُن کی طرف سے پہنچنے والی ناگواریوں پر صبر کرتا ہے اس

اس مسلمان سے بہتر ہے جو الگ تھلگ رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ناگواریوں پر صبر نہیں کرتا ہے۔

خدمت خلق عزت اور مقبولیت کا زینہ ہے۔ اسی خدمت گزاری سے خدمت گزار کی عزت افزائی ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُم ۔ قوم کا خدمت گزار ہی قوم کا سردار ہو سکتا ہے۔ گویا خدمت سے عظمت ملتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لاجواب معاشرے کو تشکیل فرما کر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ خیرخواہی، اور خیرسگالی اور خدمتِ خلق کے علاوہ باہمی ہمدردی کا آپؐ نے اور صحابہ کرامؓ و ائمہ عظامؒ نے جو دعوت دی ہے گویا اپنی خوشی کی بجائے دوسروں کی خدمت کرنے میں اپنی خوشی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فرمان ہے: خدا کا مقرب وہی ہے جو مخلوقِ خدا پر شفقت کرے، دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔

حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا: کہ دوزخ سے نجات چاہتے ہو تو مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنا شعار بنالو۔

خدائے تعالیٰ ہم سب کو نیک توفیق عطا کرے اور خدمتِ خلق کا صحیح جذبہ عنایت فرمائے: آمین ثم آمین۔
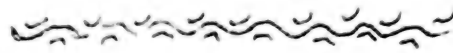
بقیہ "تاثیر بسم اللہ" ص کا بقیہ

ہر طرح سے آج ہم زبوں حالی کی زندہ مثال بنے ہوئے ہیں۔

اس میں صرف اور صرف ہمارا قصور رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہماری حیات میں چین و سکون بھر دے اور یہ توفیق دے کہ ہم بھی کلام اللہ کے اثر کو قبول کرنے والے ہو جائیں۔ آمین
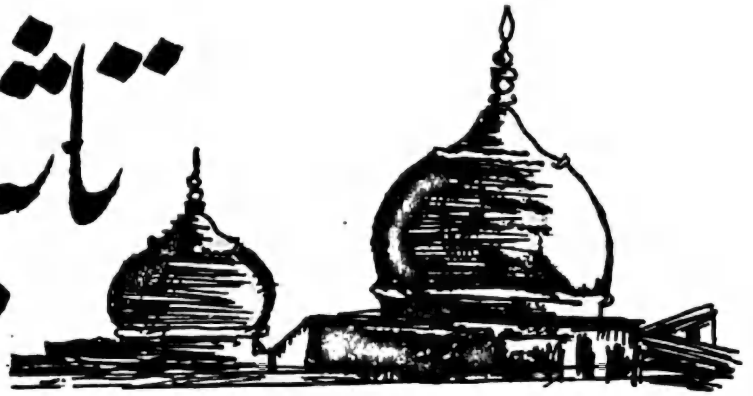
● حافظ جی ہدایت اللہ کدری
متعلم زمرۂ پنجم
دار العلوم لطیفیہ ۔ مکان حضرت قطب ویلور

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ

ترجمہ: اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر نازل کردیتے تو مارے خوف کے پہاڑ ریزہ ریزہ پارہ پارہ ہو جاتا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شئے میں اثر ہوتا ہے۔ اور وہ چیز مؤثر ہوتی ہے۔ مثلاً سانپ بچھو جو خدا کی مخلوق ہیں۔ لیجیے انسان صرف نام ہی سے گھبرا جاتا ہے۔ کیوں؟......!
اس لیے کہ اس میں زہر ہے اور اثر ہے۔ بعینہ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔ اس میں اثر ہے اور کلام اللہ مؤثر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دسترخوان پر تشریف فرما ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں۔ ایک صحابی گھر میں ہوتے ہیں۔ حضورؐ کی نگاہیں دیکھتے ہی دعوتِ شریکِ طعام کرتی ہیں۔
فرمایا: عزیز صحابی میرے ساتھ شریکِ طعام ہو جاؤ۔ صحابیؓ کی تو قسمت چمکی کھانے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور شریکِ طعام ہو جاتے ہیں۔ اثنائے طعام حضورؐ پرنور کے رُخِ منوّر پر مسکراہٹ کی کلیاں کھل اٹھیں۔ صحابیؓ نے دیکھا اور سمجھا کہ آقائے دوجہاںؐ کا رُخِ زیبا تو سدا بہار ہے۔ مگر دوسری بار بھی صحابیؓ آپؐ کے چہرہ پر وہی دلفریب منظر دیکھتے ہیں اب ان کو ہلکا سا شک گزرا۔ اب تیسری بار بھی انھوں نے محسوس کیا کہ آپؐ کے چہرے سے مسکراہٹوں کی کلیاں کھل کھل کر بکھر رہی ہیں۔ صحابیؓ کو یہ سمجھنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ میرے کھانے کے انداز میں آدابِ محفل کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ پھر وہ اپنے ذہن میں اُبھرتے ہوئے اس سوال کو کسی طرح قابو پاتے ہوئے عرض کیا!

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان.... میرا اندازِ طعام آدابِ طعام کے منافی تو نہیں ہے؟ جس پر آپؐ اس طرح ہنس رہے ہیں۔ کیوں کہ میں نے آپؐ کو اس طرح کم ہنستے ہوئے دیکھا ہے۔

"میرے عزیز صحابی!" زبانِ شیریں حرکت میں آئی" جب تم کھانے بیٹھے تو میں دیکھ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ ساتھ شیطان بھی شریک ہوا اور بڑے بڑے لقمے لینا شروع کر دیا۔ اور میں یہ دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ پھر جیسے ہی بسم اللہ تمہیں پڑھنا یاد آیا اور جب تم نے پڑھ لیا تو شیطان بڑے بڑے لقمے جو ہضم کر چکا تھا، منہ میں انگلیاں ڈال ڈال کر قے کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر میں ہنس پڑا۔

کلام اللہ کے ہر ٹکڑے میں بے پناہ اثر ہے۔ دیکھ لیا آپ نے کہ کلام اللہ کس قدر موثر ہے۔ یہ تو رہا حضورؐ پرنور، ترجمانِ غیب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ!..... آئیے لگے ہاتھوں ایک اور بصیرت افروز واقعہ بھی درج کرتا ہوں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ رضی اللہ عنہ جو سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اُن کی خدمت میں چند یہودی آئے اور کہا کہ اے خالدؓ! اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اور اس جادوگر (نعوذ باللہ) کو جو نبیؐ اللہ کے نام سے مشہور ہے، رسول مانتے ہو تو اس زہر کو پی لو..... اگر..... زہر نے اپنا اثر بتا دیا تو سمجھ لو کہ تمہارے خدا اور رسول جھوٹے ہیں۔ اور اگر یہ زہر اپنا اثر دکھانے اور جتلانے سے قاصر ہے تو..... ہم مشرف بہ اسلام ہو جاتے ہیں۔ کہو کیا خیال ہے؟.... یہ سن کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے بے جھجھک و بلا تامل اس زہر کے پیالے کو ہونٹوں سے لگا لیا۔ مگر... پینے سے قبل بسم اللہ پڑھنا بھولے نہیں تھے اور یہی بسم اللہ اس زہر کے حق میں تریاق ثابت ہوا۔ وہ چند یہودی اپنی انگلیاں چٹخانے لگے.... خدا کا شکر کہ اپنے وعدہ کا بھرم انھوں نے رکھ لیا۔ جبھی تو اللہ نے فرمایا: اگر پہاڑ پر قرآن کو ہم نازل کرتے تو مارے ڈر کے پہاڑ کا جگر پاش پاش ہو جاتا۔ مگر یہ المیہ دیکھیے کہ آج ہم قرآن کے اثر سے محروم ہیں — ! بلکہ ہم اس کے اثر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

بڑے بڑے صحابہؓ کی زندگی میں محض قرآن کی وجہ سے انقلاب آفریں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو منصۂ شہود سے جُدا کرنے نکلے تھے۔ مگر تاثیرِ قرآن سے خدمتِ اقدسؐ میں کیسے پہنچے، کیوں پہنچے؟ کیسے! کیوں ان کی زندگی کا بیڑہ پار ہوا؟ مگر ہم ہیں جو قرآن کو شروع سے آخر تک اُلٹ پلٹ کرتے ہیں، اس کے باوجود ہم کیوں اس زبوں حالی کا شکار ہیں؟

● حافظ امجد باشاہ لطیفی حضرت مکانِ قطبؒ ویلور

تاریخ انسانی میں لاتعداد ایسی شخصیتیں ابھری ہیں جن کے علم وادب نے عالم کو خیرہ کر دیا۔ جن کی عقل و دانش نے دنیا کے لیے ایک مشعلِ راہ بنادی جس کے نقوش صفحۂ ہستی سے کبھی مٹ نہیں سکتے۔ جن کی حق گوئی و بے باکی نے باطل کی چٹانوں کو پاش پاش کر دیا۔ جنھوں نے محض رضائے الٰہی کے خاطر اقتدار کی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور جن کی تلواروں کی گرج سے باطل پرستوں کے دل دہل گئے۔ منجملہ ایسے عظیم المرتبت شخصیتوں میں وہ ہستی بھی ہے جس کو دنیا امام اعظم ہمام افخم کے نام سے جانتی ہے۔ امام اعظم کی زندگی کا مختصر سا خاکہ ان چند سطور میں قارئین کو پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسم گرامی

نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم
آپ کی کنیت ابو حنیفہ کسی اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ کنیت وصفی ہے یعنی ابا الملتہ الحنیفہ اور بوجہ آیت مبارکہ واتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا ابراھیمؑ حنیف کی ملّت کی اتباع کرو۔ آپ اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار فرمائی۔ اللہ رب العزت نے اسے شرفِ قبولیت سے نوازا۔ کہ آپ کا اسم گرامی چھپارہ گیا اور قبولیت اور پسندیدگی اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ مزید لقب امام اعظم عطا کیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

نسبِ گرامی

نعمان ابن ثابت ابن مرزبان رح آپ کے پوتے حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آبنائے فارس یعنی فارسی

النسل ہیں۔ واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کا غلام نہیں تھا۔ میرے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے پردادا ثابت بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں گئے۔ آپؓ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت علیؓ کی دعا قبول فرمائی ہے۔

ولادتِ باسعادت

امام صاحب کی پیدائش خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں ۸۰ھ میں کوفہ میں مشرقی علاقہ میں ہوئی اس وقت کوفہ پر ۶۶ یا ۶۷ سال گزر چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی شرکت تھی۔ جن کے دم قدم سے کوفہ کا کوچہ کوچہ دار العلم بنا ہوا تھا ہر طرف دینی و علمی مجلسیں اور طبقے قائم تھے۔ اسی ماحول میں امام صاحب نے ہوش سنبھالا۔ آپ کا خاندانی ذریعۂ معاش ریشم اور ریشمی کپڑے کی تجارت تھی۔ کوفہ کی جامع مسجد، حضرت عمر بن حارث کے بابرکت مکان میں دکان تھی۔

حصولِ علم کی ابتداء

امام صاحب کا آبائی پیشہ تجارت تھا آپ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ اور کارخانہ قائم کیا۔ ریشمی کپڑے کا کام تھا۔ لاکھوں کا کاروبار تھا اور عراق، ایران، شام، عرب کو مال روانہ کیا جاتا تھا۔ تجارت کے کاموں کی وجہ سے بازاروں اور شہروں میں آپ کی آمد و رفت بکثرت رہا کرتی تھی۔ جس تدبیر نے تجارت کو ترقی دی سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں جب تعلیم و تعلم کے چرچے بہت عام ہو گئے تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ انھیں دنوں میں ایک واقعہ پیش آیا۔ جس سے آپ کا ارادہ بہت مضبوط ہو گیا۔ آپ ایک دن بازار جا رہے تھے کہ حضرت امام شعبیؒ (جو کوفہ کے مشہور امام تھے) طالب علم سمجھ کر آپ کو قریب بلایا۔ اور دریافت کیا کہ کدھر جا رہے ہو۔ آپ نے جواب میں کہا کہ تجارت کا مشغلہ ہے اسی میں لگا رہتا ہوں۔ فلاں سوداگر کے پاس جا رہا ہوں۔ شعبیؒ نے پھر سوال کیا کہ علماء کے پاس بھی آمد و رفت ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں علماء کے پاس کم آتا جاتا ہوں۔ شعبیؒ نے گوہرِ نایاب دیکھ کر کہا: تم میں قابلیت کے جوہر نظر آ رہے ہیں، تم علماء کی صحبت اختیار کرو۔ آپ فرماتے ہیں میرے قلب میں امام شعبیؒ کی بات بیٹھ گئی اور میں بازار کی آمد و رفت چھوڑ کر حصولِ علم میں لگ گیا۔ امام صاحب نہایت ذہین اور صاحبِ فہم و فراست کے مالک تھے اور طبیعت میں جدّت۔ آپ نے علم کلام میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن بحث کرنے میں پس و پیش رہتے۔ آپ اپنی جوانی میں اسی میدان میں اُترے اور اپنی خداداد ذہانت

اور جدّت فکر و نظر سے اسلامی نظریات عقائد و افکار کی صحیح ترجمانی کر کے زنادقہ و ملاحدہ کو شکست دی خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں ابتدائی عمر میں بحث و مناظرہ میں مشغول رہا کرتا تھا۔ اس وقت بصرہ مختلف فرقوں کے بحث و مباحثہ کا مرکز تھا۔ خوارج اور حشویہ سے مناظرہ اور مباحثہ کرتا تھا۔ اس زمانہ میں علم کلام میرے نزدیک سب سے اعلیٰ و افضل علم تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ یہ علم حصولِ دین میں سے ہے۔ اور اس سے دین کی بڑی خدمت انجام پاتی ہے۔

فقہ کی طرف رغبت

جن دنوں امام صاحب علم کلام اور بحث و مباحثہ کی طرف سے بیزار ہو رہے تھے ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک دن امام صاحب اپنی دکان پر تھے۔ ایک عورت نے آپ کے پاس طلاق یا حیض کے متعلق مسئلہ دریافت کرتے ہوئے سوال کیا کہ ایک شوہر اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے اس کی کیا صورت ہے۔ امام صاحب نے لاعلمی ظاہر کی اور امام حماد کی درس گاہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس مسئلہ سے بہرہ ور ہونے کے بعد مجھے بھی مطلع کرو۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ اس سے امام صاحب کو افسوس ہوا اور اسی وقت سے تعلیم فقہ کی طرف مائل ہوئے اور حضرت حماد کے حلقۂ درس میں برابر بلا ناغہ شریک ہونے لگے۔

حضرت حمّاد کا حلقۂ درس اور نیابت

زمانۂ قدیم میں درس و تدریس کا طریقہ اس طرح تھا کہ تھا جو آج کل مدارس میں ہے۔ قدیم زمانہ میں حلقۂ درس میں شاگرد، استاذ کی باتوں کو غور سے سنتے ہوئے دماغ میں محفوظ اور لکھ لیتے تھے۔ امام حماد کے یہاں بھی یہی دستور رائج تھا لیکن شاگردوں کے بیٹھنے کی ترتیب قائم تھی۔ قدیم اور ذہین طلبا کو آگے بٹھایا کرتے تھے۔ لیکن امام صاحب کو حمادؒ کے حلقۂ درس میں دوسرے ہی دن صفِ اوّل میں جگہ مل گئی۔ اسی طرح مسلسل دس برس تک ان کی خدمت میں رہ کر مستفید ہوئے۔ درمیان میں ایک مرتبہ امام صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خود ہی حلقۂ درس قائم کروں مگر اس کے باوجود حمادؒ کی مجلس میں دلجمعی کے ساتھ شامل رہے۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں ان کے رشتہ دار کی موت کی خبر آئی تو وہ امام صاحب کو اپنی مسند نشین پر بٹھا کر چلے گئے۔ اور دو ماہ تک وہیں ٹھہر گئے اس دوران امام صاحب کے سامنے جدید مسائل ابھر کر آئے جن کے تعلق سے حضرت حماد سے استفادہ نہیں ہوا تھا۔ امام صاحب ان مسائل کے جوابات دینے کے بعد اپنے پاس تحریر کر لیے۔ جن کی تعداد ساٹھ ۶۰ تھی۔ حضرت حماد واپس لوٹ آئے تو ان میں سے چالیس ۴۰ مسئلوں کو درست قرار دیا۔ اور بیس ۲۰ میں اختلاف کیا تو اس وقت امام صاحب نے قسم کھائی کہ

حضرت حماد کی حیات تک اُن کے حلقۂ درس سے علاحیدگی اختیار نہیں کروں گا۔ چناں چہ 18 سال تک ان کی خدمت میں فیض یاب ہوتے رہے اور فقہ میں ایسی مہارتِ تامہ حاصل کی کہ آپکی طرف اُنگلیاں اٹھنے لگیں۔

آپ کی ذہانت

امام صاحب کے حلقۂ درس کے سامنے ایک شخص کا گزر ہوا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ آدمی اجنبی ہے۔ اس کی آستین میں شیرینی لگی ہے اور وہ بچّوں کا معلّم ہے۔ ایک شاگرد آپ کی بات سُن کر اس کے پیچھے ہولیا اور پتہ لگایا تو تینوں باتیں درست نکلیں۔ آپ سے شاگردوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ وہ راستہ میں چلتے ہوئے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا اور اجنبی آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔ اس کی آستین پر مکھیاں بیٹھے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اس پر شیرینی لگی ہے۔ اور آدمی بچّوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ معلّم ہے۔

علی بن عاصم فرماتے ہیں اگر ابو حنیفہ کی عقل کا وزن روئے زمین والوں کی نصف سے موازنہ کیا جائے تو اُن کی عقل کا پلّہ بھاری رہے گا۔

آپ کی وفات

آپ کی وفات ۱۵۰ھ جمعہ کے دن رجب کے مہینے میں ہوئی۔ آپ کی مقبولیت قیدخانہ میں اور زیادہ ہو گئی۔ اس لیے دھوکہ سے آپ کو زہر دید یا گیا۔ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ ریز ہو گئے اور اپنی جانِ جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے انتقال کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور سارا بغداد اُمڈ پڑا۔ حسن بن عمار قاضیٔ شہر نے غسل دیا۔ پہلی بار نمازِ جنازہ میں پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ آنے والوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ چھ مرتبہ نمازِ جنازہ ادا کی اور عصر کے قریب تدفین عمل میں آئی۔ اور دفن کے بعد چالیس دن تک آپ کے مزار پر لوگوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ آپ کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنّات کے رونے کی آواز سنائی دی۔ ●●

محمد ولی رحمت اللہ بی ٹی ہم
متعلم جماعت پنجم
دارالعلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان۔ ویلور

اللہ رب العزت نے دارین کی تقسیم اس طرح فرمائی ہے کہ آخرت کو جزا و سزا کا گھر قرار دیا اور دنیا کو محنتوں اور مشقتوں سے حلال روزی تلاش کرنے کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ بندہ معاش سے بے پروا ہو کر معاد ہی کی فکر میں لگ جائے۔ اسلام ہمیں اعتدال کی راہ چلنے کی دعوت دیتا ہے اور ہم معاش سے غافل ہو کر بلکہ اسے معاد کے حصول کا ذریعہ بنائیں اور یقین کریں کہ جو کچھ ہم اپنے اعمال کی بیج یہاں بو رہے ہیں اسی کی فصل ہمیں آخرت میں کاٹنا ہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ سچا دیانتدار تاجر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کی صف میں ہوگا۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص بیکار ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں بیٹھا رہے اور یہ کہے کہ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے، اللہ مجھے رزق دے گا۔ اس خیال کا نام توکل نہیں بلکہ نادانی ہے اور یہ بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پسند نہیں۔

تمام انبیائے کرام اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے نظروں کے سامنے ہے۔ سب انبیاء کرام محنت اور مشقتوں سے رزق حاصل کیا اور کبھی بھی غیبی رزق کے سہارے کام چھوڑ کر گھر میں نہیں بیٹھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی کر کے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لکڑی کا کام کر کے رزق حاصل کرتے تھے۔ اور داؤد علیہ السلام زرہ بنانے موسیٰ علیہ السلام اور کئی دوسرے پیغمبروں نے بکریاں چرائیں۔ خود ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چرائیں پھر تجارت فرمائے۔ آپ ہمیشہ محنت اور مشقت کے ذریعہ رزق حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

ارشادِ گرامی ہے کہ جس نے رزق حاصل کرنے کے لیے محنت کی تاکہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرے اور ہمسایہ کی خبر گیری کرے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس وقت ایک نوجوان وہاں سے گزرا۔ معلوم ہوا کہ محنت مزدوری کرنے کی غرض سے جارہا ہے۔ تو صحابہؓ کرام نے اُسے دیکھ کر کہا کاش اس کی جوانی راہِ خدا میں کام آتی۔ یعنی نوافل پڑھتا اور ہر وقت عبادت وتسبیح میں لگا رہتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی باتیں سُن کر ارشاد فرمایا: ایسا نہ کہو، وہ شخص دستِ سوال دراز کرنے سے اپنے آپ کو روکتا ہے اور وہ لوگوں سے بے پروا ہو کر راہِ خدا میں زندگی گزار رہا ہے۔ اگر وہ یہ محنت اپنے ضعیف ماں باپ اور بچّوں کے لیے کرتا ہے تاکہ وہ محتاج نہ ہوں تب بھی وہ راہِ خدا میں ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے جو محنت کرتا ہے اور ایمان دار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا اور اس سے پوچھا: تو کیا کام کرتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں آپؑ نے فرمایا: تمہارا خرچ کون برداشت کرتا ہے؟ میرا بھائی میرا خرچ برداشت کرتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تم سے بہتر ہے۔ محنت اور مشقت کر کے جیتا ہے۔ نیز ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ صحت مند اور توانا تھا۔ آپؐ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر سوال کیا۔ آپؐ نے اس کی حالت دیکھ کر فرمایا: تم محنت کیوں نہیں کرتے۔ جنگل سے لکڑیاں چُن کر لاؤ اور بازار میں فروخت کرو۔ یہ تمہارے لیے ہاتھ پھیلانے سے اور سوال کرنے سے بہتر ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت پر عمل کیا اور چند مہینوں میں اس محنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اُسے مال دار کر دیا۔ پہلے وہ دوسروں سے بھیک مانگتا تھا اب وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ راہِ خدا میں خرچ کر سکے۔

امام احمد ابنِ حنبلؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہے اور کہے کہ میں محنت اور مزدوری نہیں کروں گا۔ مجھے میری روزی خود بخود مل جائے گی آپ نے فرمایا: وہ شخص علم سے بے خبر ہے۔ کیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں بنایا ہے۔ یعنی اگر میں بھی محنت اور مشقت نہ کروں تو

مجھے بھی رزق حاصل نہ ہو۔

قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ رزقِ حلال کے حصول کے لیے محنت اور مشقت کرنا بڑی عظمت کی بات ہے۔ انسانوں کی بھلائی، ترقی اور خوش حالی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ محنت سے جی نہ چرائیں۔ کائنات کی ہر چیز قانونِ فطرت کے مطابق محنت و مشقت میں لگی ہوئی ہے۔ کارخانۂ قدرت محنت اور مشقت ہی کا شاہکار ہے۔ یہ چاند، یہ سورج، بادل اور موسم سب محنت کے عمل سے گزر رہے ہیں، تب کہیں جا کر انسان کی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی ذات، اپنے عزیز و اقارب، اہلِ وطن کی بہبودی اور ترقی کے لیے محنت و مشقت کو اپنا شیوہ بنالیں تاکہ ہم دینی اور دنیوی مقاصد کو بہتر طور سے حاصل کر سکیں۔

وما علینا الا البلاغ ۰۰

بقیہ "دستِ بکار و دل بیار" صفحہ نمبر 126 سے آگے.....

ابو خزامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دعا اور جھاڑ پھونک کیا تقدیر کو ٹال دیتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ بھی تقدیر میں داخل ہے۔ یعنی یہ بھی تقدیر میں داخل ہے کہ فلاں دوا اور جھاڑ پھونک سے نفع ہوگا، فلاں سے نہیں۔

مفسرین کرام کا کہنا ہے کہ توکل دو معنوں پر مشتمل ہے ایک یہ کہ آدمی ہر کام میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتا رہے اور تکمیل کے لیے اللہ پر بھروسہ رکھے۔ دوسرا معنی یہ کہ آدمی جو کام انجام دینے کی طاقت رکھتا ہو وہ کام کرے اور جن کاموں کی طاقت نہ رکھتا ہو ان کے بارے میں اللہ پر بھروسہ رکھے۔

بغیر محنت و تدبیر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو توکل سمجھنا عقلاً درست ہے نہ شرعاً۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات ٭ مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

اللہ تعالیٰ مسلمانانِ عالم کو توکل جیسی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائے۔ آمین!!

وما علینا الا البلاغ

لطیفیہ دارالعلوم

ہندوستاں میں شانِ دکن ہے لطیفیہ
دینی فلک پہ جلوہ فگن ہے لطیفیہ
نقشِ جمالِ دورِ کہن ہے لطیفیہ
قطب زماں، وقارِ وطن ہے لطیفیہ
دریا ہے اس کے فیض کا ہر سُو رواں دواں
اور آبروئے گنگ و جمن ہے لطیفیہ
ہر پھول میں ہے نُورِ رشدِ انبیاء کی بُو
سرسبز علم دیں کا چمن ہے لطیفیہ
کیوں کر نہ اس کے فیض سے ہوں فیضیاب سب
اس سرزمیں پہ نُوری کرن ہے لطیفیہ
نظارہ ہائے راحتِ قلب و نظر بنا
مینارِ فکر و نورِ سخن ہے لطیفیہ
جُھک جُھک کے کر رہا ہے جسے آسماں سلام
ویلور میں وہ قطبِ زمن ہے لطیفیہ

عبدالعلیم صبا آزاد زیدی بی اے علیگ
مدراس ۲

پیشکش:
ایم بی شیخ فضل اللہ جنجی (سرتورتکہ)
متعلم جماعت سوم: دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور

نعت شریف

کاوش بدری چشتی
نزاجی کے اسٹریٹ۔ قصبہ۔ آمبور 635802

مراسلہ
محمد جاوید۔ میسور۔ زمرہ ثالث
دارالعلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان۔ ویلور

کعبے کا کعبہ صنم خانہ محمدؐ کے بغیر
سب کتابیں ہیں اک افسانہ محمدؐ کے بغیر

اک تصور ہے فقط عینِ عبادت اُن کا
سجدے بن جاتے ہیں بچکانہ محمدؐ کے بغیر

حق تعارف کا ادا آپؐ نے کیا خوب کیا
ورنہ مولا بھی تھا انجانا محمدؐ کے بغیر

متصف نور سے خود ذات نہ ہونے پائی
رنگ سے نقش تھا بیگانہ محمدؐ کے بغیر

خانۂ دل ہے فقط آپؐ کے دم سے آباد!
فرش کیا عرش بھی ویرانہ محمدؐ کے بغیر

ٹوٹ جاتا ہے جہاں علم و فراست کا غرور
خود سے کیا خاک ہوا یارانہ محمدؐ کے بغیر

بدلا بدلا سا ہے پیمانۂ بیعت کا مزاج
یعنی گردش میں ہے میخانہ محمدؐ کے بغیر

عرش اعظم ہو، مدینہ ہو کہ کعبہ کاوشؔ
پُر نہیں ہوتا کوئی خانہ محمدؐ کے بغیر

ڈاکٹر سید وحید اشرف اشرفی جیلانی

پروفیسر و صدر
شعبۂ عربی، فارسی و اردو، دانش گاہ مدراس

بن کے اس فرش پہ وہ عرش کا زینہ آئے
عرش سے فرش پہ یوں شاہ مدینہ آئے

ورطۂ بحر میں کیوں اس کا سفینہ آئے
گر اس امت کو محبت کا قرینہ آئے

جس کو سودائے مدینہ ہو اُسے ہوش کہاں!
ہوش آئے بھی تو سودائے مدینہ آئے

مر مٹے بن کے وہ دیوانۂ عشقِ نبوی
کسی ہشیار کو گر دہر میں جینا آئے

صدقے اس پاک تصوّر کے کہ پیش از پرواز
بوسہ دینے کو درِ شاہ مدینہ آئے

دید ہے روضۂ انور کی شرابِ عرفاں
پی لے زائر تجھے آنکھوں سے جو پینا آئے

یوں ہے کچھ چشمِ تصوّر میں مدینہ جیسے
دِل مدینے کی طرف دِل میں مدینہ آئے

سنگِ در چوم کے کیوں مر نہ گیا اے زائر
اب مزہ جینے کا ہے کہ نہ جینا آئے

کاش یوں آئے تصوّر میں مدینے کا جمال
ہر نظارے میں نظر مجھ کو مدینہ آئے

کتنا ہشیار یہ سودائی وحید اشرف ہے
سُن لو شعر اس کے تو سودائے مدینہ آئے

نعتِ شریف

از

مولانا مولوی ڈاکٹر
حکیم سید افسر پاشاہ صاحب
شفا ڈسپنسری۔ گڑیاتم

اے بادِ صبا آنا، ہر دم تو مدینے سے
پیغام میرا لے جا، آداب و قرینے سے

آتی ہے ندا دل میں آہستہ مدینے سے
آجانا میرے نزدیک اخلاق کے زینے سے

گنبد کے نظارے کی، دربار میں آنے کی
ہے آرزو لب لا تنی برسوں سے مہینے سے

سرکارِ مدینہ ؐ کے ، دربار میں آنے سے
احوال میرے کہنا، رُو رُو کے قرینے سے

مشتاق ہے دل بیتاب دیدارِ مدینے سے
ملتا ہے مزہ کیا کیا؟ اس طرح تڑپنے سے

بہتر ہیں یقیناً یہ، گوہر سے نگینے سے
جب چاہ نہیں تجھ میں خاشاکِ مدینے سے

خاکِ درِ اطہر کو، آنکھوں میں لگانے سے
آتا ہے مزہ مجھ کو، ہر بار کے دیکھنے سے

آتی ہے عجب خوشبو، آقا ؐ کے پسینے سے
آقا ؐ کا درِ طیبہ، ایک ایک قرینے سے

کیا خوب مزہ ملتا، اس جام کے پینے سے
مرنا بھی نہیں آیا، ناچار کے مرنے سے

بہتر ہے وہ کرسی سے، جنت سے مدینے سے
پیہم یہ گناہوں سے، رُکتے ہیں قدم میرے

اے بادِ صبا جانا، بطحیٰ کو سلیقے سے
اٹھ اٹھ کے ہوس دل میں پوری نہ ہوئی پھر بھی

کس طرح سے سمجھاؤں مکتب کے لیے دیوانو
آنسوں کی یہ بوندیں جو نکلی ہیں شبِ فرقت

اے اہلِ ہوس اُٹھ جا عشاق کے کوچے سے
کم زور نگاہوں میں، ہوتی ہے جلا پیدا

بطحیٰ کی یہ وادیوں کو خضرا کی یہ جالیوں کو
وہ تیز مہک ہوتی جو عنبر میں نہیں ہوتی

کچھ دل میں بسایا ہے، آنکھوں میں سمایا ہے
جس جامِ محبت پہ، آقا ؐ کی شفقت ہو

یوں دُور مدینے سے کب تک رہوں آخر میں؟
خاکِ درِ اقدس کی اک مُشتِ غبار افسر

پیش کش :-
سید عبد القادر - وانمباڑی
متعلم زمرۂ خامسہ
دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

تصحیح و ترتیب و تحشیہ و ترجمہ

از

ڈاکٹر سید وحید اشرف
پروفیسر و صدر شعبۂ عربی، فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی، مدراس

۳۹- قصیدہ در منقبت امام حسن رضی اللہ عنہ

۱- ای تیر خطا درزدہ بر دل زان آہوئے بی آہوی قاتل

اے وہ کہ تونے دل پہ خطا سے تیر چلادیا۔ اپنی اُن آنکھوں سے جن پر قاتل ہونے کا عیب (الزام) نہیں لگایا جا سکتا۔

۲- خلقی ست پریشان دل وحیران تا زلف تو با ماست مجادل

ایک مخلوق پریشان دل اور حیران ہے جب سے تیری زلف مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔

۳- گفتم کہ بود آہوی چینی! از اشک بزلف تو معادل

میں نے کہا کہ چین کے ہرن کی مشک تیری زلفوں کے برابر ہے۔

۴- ق

۴ از خشم سر زلفِ تو پیچان گفتا کہ پریشان کنمت دل

تو غصہ میں تیری پیچاں زلفوں نے کہا کہ میں تیرا دل پریشان کروں گی۔

۵- گفتم کہ مکن دست درازی اینک شہ دریا دل عادل

میں نے کہا کہ دست درازی نہ کر۔ یہاں دریا دل عادل بادشاہ موجود ہیں۔

۶- احسن شہ عالم حسن آن کو ببریدہ سر اُشلُم بآ بل!

وہ خوبصورت ترین شہنشاہِ عالم حسن جنھوں نے اونٹ کے مالک کے ظلم کا سر کاٹ لیا ہے (یعنی اونٹوں یا بھیڑوں کا مالک یا چرواہا جانوروں پر ظلم نہیں کر سکتا۔)

۷- گر تیغِ درخشندہ برآرد چون ضیغم غرّندہ بساحل

اگر وہ اپنی چمکتی ہوئی تیغ باہر نکالیں ساحل پہ ایک ڈکارتے ہوئے شیر کی طرح۔

۸- گردد بسوی موجۂ افنا تمساح بیک مرتبہ مائل

تو فنا کے موج کی طرف ایک ہی مرتبہ میں گھڑیال مائل ہو جائے۔

۹۔ از ہیبت او گنبدِ خضرا　　گردد بکف بحر مقابل

اُن کے خوف سے سبز آسمان سمندر کی ہتھیلی کے مقابل ہوجاتا ہے۔

۱۰۔ ای شاہ جوان بخت جہانگیر　　لرزاں ز سیر تیغ تو باسل

اے شاہ جواں بخت اور جہانگیر آپ کے تلوار کے خوف سے شیر بھی لرزاں ہے۔

۱۱۔ آں کو سر جنگ تو نماید　　باشد بطل، افتاد بباطل

جو کوئی آپ سے جنگ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ خواہ کیسا ہی بہادر ہو اس کا ارادہ باطل ہوجاتا ہے۔

۱۲۔ در حشمت و اعزاز و کرامت　　جمشید ترا نیست مماثل!

حشمت اعزاز اور کرامت میں جمشید آپ کے برابر نہیں ہے۔

۱۳۔ با لمعۂ رائی تو فلک گفت　　خورشید شود نیست مقابل

آسمان نے کہا کہ آپ کی رائے کی تابش کا مقابلہ سورج نہیں کرسکتا۔

۱۴۔ با تابشِ تیغ تو ملک گفت　　آدیش ترا نیست مشاکل

فرشتہ نے کہا کہ آپ کی تیغ کی چمک کا مقابلہ آگ نہیں کرسکتی۔

۱۵۔ اعدای ترا از سر ادبار　　در کام شکر گشتہ ملامل

آپ کے دشمن کے منہ میں ادبار سے شکر لوہے کی سلائی بن جاتی ہے۔

۱۶۔ از صدمۂ صمصام تو دریا　　ساحل شدہ، دریا ہم ساحل

آپ کی تلوار کے صدمے سے دریا ساحل اور ساحل دریا ہوجاتا ہے۔

۱۷۔ از تیرِ تو مجروح شد اخور　　کمسور کمان راشد از آن دِل

آپ کے تیر سے سورج مجروح ہوگیا۔ اسی وجہ سے کمان کا دل ٹوٹ گیا۔ (شاید کمان سے مراد آسمان اور دل سے مراد چاند ہے۔ واللہ اعلم)

۱۸۔ لرزید مرایں چرخ مخضّر　　خورشید فلک گشت مزمّل

سبز آسمان پر لرزہ طاری ہوگیا۔ سورج سیہ پوش ہوگیا۔ (یعنی رات ہوگئی۔)

۱۹۔ ذوقیؔ ست غلام تو شب و روز　　باشد سوی تعریف تو مائل

ذوقیؔ آپ کا غلام ہے اور شب و روز آپ کی تعریف کی طرف مائل ہے۔

۲۰- حسّان سیوم گشتہ بمدحت سحبان بزمانش شدہ باقل
آپ کی تعریف میں وہ حسّان سیوم ہو گیا ہے اس کے زمانے میں سحبان نادان کودک ہے۔

۲۱- بُد ناقص ازیں پیش چو طیّان مدحِ تو ورا ساختہ کامل!
اس سے پہلے وہ درذوقِ فنی ناقص تھا اور تراژ خائی کرتا تھا۔ آپ کی مدح نے اُسے کامل بنادیا۔

۴۰- در مدح امام حسن رضی اللہ عنہ

۱-	حسنؓ نام تو اے شہ	حسن کام تو ای شہ
	ہاں ترا نام ہے حسنؓ اے شہ	تیرا ہر کام ہے حسنؓ اے شاہ
۲-	فلک گشتہ چو ذاکر	ز اکرام تو ای شہ
	چرخ کو اعتراف ہے اُس پر	ترا اکرام ہے حسنؓ اے شاہ
۳-	پُر از دُر شدہ گردوں	از انعام تو ای شہ
	موتیوں سے ہے اُس کا دامن پُر	تیرا انعام ہے حسنؓ اے شاہ
۴-	غلامِ تو ان شہِ چرخ	فلک رامِ تو ای شہ
	شاہِ گردوں غلام ہے تیرا	آسماں رام ہے حسنؓ اے شاہ
۵-	ببریدہ سرِ شیر	ز صمصام تو ای شہ
	شیر کا سر بھی جس نے کاٹا ہے	تیری صمصام ہے حسنؓ اے شاہ
۶-	فرو کرد سرِ خود!	از نام تو ای شہ
	جس کے آگے جھکا ہے ماہ کا سر	وہ ترا نام ہے حسنؓ اے شاہ
۷-	بود جمع شہِ چین	بخدام تو ای شہ
۸	شاہِ چین کو بھی دیکھا تیرے حضور	مثلِ خدام ہے حسنؓ اے شاہ
۸-	نہ پیچیدہ اعادی	سر از کام تو ای شہ
	دشمنوں کو کیا ہے اپنا مطیع	یہ ترا کام ہے حسنؓ اے شاہ

۹۔ فلک سودہ سرِ خود ۔ با قدام توای شہ
تیرے قدموں پہ سر جھکائے ہوئے ۔ چرخ کا بام ہے حسن رضؓ اے شاہ

۱۰۔ خزدلیس اسد چیست ۔ زاقدام توای شہ
جس کو سن کر ہے شیر بھی لرزاں ۔ وہ ترا نام ہے حسن رضؓ اے شاہ

۱۱۔ بخورشید بباید ۔ سراز نام توای شہ
ہے خورشید سے بھی بالا تر ۔ وہ ترا نام ہے حسن رضؓ اے شاہ

۱۲ بود ذوقی دون جمع ۔ بخدام توای شہ
ذوقی کمترین بھی حاضر ہے ۔ تیرا ہی رام ہے حسن رضؓ اے شاہ

۱۳۔ مگر متصل آید ۔ بہ اکرام توای شہ
جس کی خاطر وہ لو لگائے ہے ۔ تیرا اکرام ہے حسن رضؓ اے شاہ

۴۱۔ قصید در منقبتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

۱۔ ملکا با کلہِ فضل توی شہ ۔ ملکا بر فلکِ عدل توی مہ
سر پر کلاہِ فضل ہے آپ وہ بادشاہ ہیں ۔ عدل کے آسمان پر آپ مثالِ ماہ ہیں

۲۔ شاہا در بلدِ علم جای تو ۔ بسرای خرد و علم جبا یگہ
علم کے شہر میں ہیں آپ صاحبِ رتبہ و علا ۔ حلم و خرد کی بزم میں صاحبِ عزّ و جاہ ہیں

۳۔ قدمت بر کلہِ طاق سبز در ۔ کلہت بر سر یہ اصلِ علا شہ
زیرِ قدم ہے آپ کے تارکِ ہفت آسماں ۔ تختِ علا پہ زیب دہ آپ ہی با کلاہ ہیں

۴۔ سپرت پشت آسماں مخضر ۔ فرست شاہِ چرخ دریں کلہ مہ
چرخِ بلند سبز گوں آپ کے واسطے سپر ۔ اس پر دواں دو فرس آپ کے مہر و ماہ ہیں

۵۔ کف تو ہمچو شہِ چین فشاند زر ۔ بفلک ماہ بکف زہی کلاہ
آپ کے بحر کف نے زر پھینکا تو یہ ہوا اثر ۔ ماہ نہیں فلک نہیں بلکہ کف و کلاہ ہیں

۶۔ بدرت سرکشی افزود آسمان ! — قمرش گفت چہ دانش کنی یہ
آپ کے در پہ چرخ نے کی تھی کبھی جو سرکشی — چاند نے ڈانٹ کر کہا تیرے عمل سیاہ ہیں

۷۔ ز دمِ سردِ عدوی تو ای ملک — عشدہ سرمای غم افزای تیر مہ
آپ کے دشمنوں نے جو کھینچی ہے آہِ سرد ماشاء — اس کے اثر سے سال میں سرد فصول ماہ ہیں

۸۔ شہرِ چین دید چو فضل تو مشتہر — ہمگی شوکت خود را بنمود تہ
آپ کے عز و جاہ کا شہرہ جہاں میں جب سے ہے — شوکت و جاہِ شاہِ چین آپ کے فرشِ راہ ہیں

۹۔ دمِ تیغت زدہ آتش بجان خور — زخمی مہ شدہ سوراخ نجم چہ
آتشِ تیغ کا اثر ہے دل و جانِ مہر پہ — انجم چرخ یہ نہیں بلکہ عرق ماہ ہیں

۱۰۔ شدہ رائی تو خورشید نامجو — قمرش خندہ زنان رفت و گفت وہ
آپ کی رائے تابناک پہنچی جو مہر چرخ تک — ماہ کے لب پہ آفریں حبذا، واہ واہ ہیں

۱۱۔ بودت ذوقی دون بندہ بینوا ! — نگہ لطف بر بخشش فگن ای شہ
ذوقی دون ہے آپ کا بندہ بے نوا شہا — آپ کی بخشش و کرم اس کی یہی دو جاہ ہیں

۴۲۔ قصیدہ در منقبت امام حسین رضی اللہ عنہ

۱۔ تو یی سردار ادوار یا حسینؓ — سر زمرۂ اخیار یا حسینؓ
آپ ہیں سردارِ ادوار اے حسینؓ — آپ شاہنشاہِ اخیار یا حسینؓ

۲۔ بُرد ز روی تو خورشید التماع — رخت مطلعِ انوار یا حسینؓ
پا گیا مہر آپ کے چہرے سے نور — آپ ہیں دریائے انوار یا حسینؓ

۳۔ بود در مصف جنگ چون نہنگ — دمِ تیغ تو خون خوار یا حسینؓ
ہے مصافِ جنگ میں مثلِ نہنگ — آپ کی تلوارِ خونخوار یا حسینؓ

۴۔ بود سوختۂ نارِ تیغ تو — سرِ دشمن غدار یا حسینؓ
جل گئے ہیں آتشِ تلوار سے — آپ کے اعدائے غدار یا حسینؓ

۵۔ اگر بر سرِ البرز بر زنی — سر گُرزِ گرانبار یا حسینؓ

وار کردیں اگر سرِ البرز پہ — لے کے گُرزِ گرانبار اے حسینؓ

۶۔ کند موضع پا کار صخرہ را — از آں صدمہ بیکبار یا حسینؓ

اک کھنڈر بن جائے پتھر توڑ کر — گرز کے صدمے سے یکبار اے حسینؓ

۷۔ ز نامِ تو شرِ چرخ نشرہ کرد — بر دیو شبِ تار یا حسینؓ

نام لے کر آپ کا خورشید نے — کر دیا جب شب پہ یلغار اے حسینؓ

۸۔ شد بستہ گیسوے مظلمش! — یکی لحظہ بہ بیدار یا حسینؓ

پھر سمیٹا شب نے اپنی زلفِ تار — تھی بس اک لحظہ پہ بیدار اے حسینؓ

۹۔ تہیب تو با فلاک شد قرین — فرو ماندہ از کار یا حسینؓ

آسمان پر آپ کا یہ دبدبہ — چاند گھٹ کر ہو گیا تار اے حسینؓ

۱۰۔ ز صمصام تو شد سام شعلہ زن — فلک گشت پُر از نار یا حسینؓ

ہے یہ آتشبازیِ تیغِ دو دم — آسماں ہے اس سے پُر نار اے حسینؓ

۱۱۔ فلک از کفِ خود کرد درج دُر — چو شد ابر کفّت یار یا حسینؓ

ہے لٹا تا چرخ پر دُرّ و گہر — آپ کا کفِ گہر بار اے حسینؓ

۱۲۔ توی قاطعِ اعناقِ دشمنان! — توی قاتلِ کفّار یا حسینؓ

قاطعِ اعناقِ دشمن آپ ہیں — آپ ہیں قتّالِ کفّار اے حسینؓ

۱۳۔ تو آنی کہ از بیم تو شاہِ چین! — بچرخ است گرفتار یا حسینؓ

شاہِ چین بھی آپ کی ہیبت سے ہے — چرخ پر قید و گرفتار اے حسینؓ

۱۴۔ بود گنبدِ گردند بی کسل — ترا رام و پرستار یا حسینؓ

رات دن چکر میں ہیں ہفت آسمان — آپ کے ہیں یہ پرستار یا حسینؓ

۱۵۔ بخدام تو ذوقی ست منسلک — سرِ مدحت تو اش یار یا حسینؓ

خادموں میں آپ کے ذوقی بھی ہے — آپ کی مدح اس کا ہے یار اے حسینؓ

۱۶۔ مگر کرم و فضل تو اورا — دہد شوکت و مقدار یا حسینؓ

ہے یہ امید آپ کے فضل و کرم — دیں گے اس کو بار و مقدار اے حسینؓ

إِنَّ اللّٰہَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی